ماہنامہ

ارمغان

شاہ ولی اللہ

دعوتِ اسلام نمبر



کل ہند جمعیۃ شاہ ولی اللہ
پھلت ضلع مظفرنگر یوپی ۲۵۱۲۰۱

ماہنامہ

شاہ ولی اللہؒ

ارمغان

جلد نمبر ۶ | جنوری فروری مارچ ۱۹۹۸ء مطابق رمضان شوال ذی قعدہ ۱۴۱۸ھ | شمارہ نمبر ۱-۲-۳

مجلسِ مشاورت

مولانا محمد کلیم صدیقی

مولانا محمد طاہر ندوی

مولانا محمد اقبال قاسمی

مفتی محمد ہارون مظاہری

مدیر : وصی سلیمان ندوی

دعوتِ اسلام نمبر

پتہ : دفتر ماہنامہ ارمغان، پھلت، ضلع مظفرنگر، یوپی

زرِ تعاون	فی شمارہ	سالانہ :	بیرونی ممالک سے سالانہ	اعزازی	اس خاص نمبر کی قیمت
	۴ روپے	۴۵ روپے	دس امریکی ڈالر	ایک سو روپے	۱۵۰ روپے

ادارہ 'ارمغان' کا مضمون نگاروں کی ہر رائے سے متفق ہونا ضروری نہیں۔

پرنٹر پبلشر محمد ادریس قریشی نے ڈی لکس پریس، راج مارکیٹ مظفرنگر میں چھپواکر، دفتر ارمغان، پھلت، ضلع مظفرنگر سے شائع کیا۔



راہ میں کانٹے جس نے بچھائے گالی دی پتھر برسائے
اس پر چھڑکی پیار کی شبنم صلی اللہ علیہ وسلم

❋❋❋

نور ہدایت

بسم الله الرحمن الرحيم

اُدْعُ اِلیٰ سَبِیْلِ رَبِّکَ بِالْحِکْمَةِ وَ الْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَ جَادِلْهُمْ بِالَّتِی هِیَ اَحْسَنْ

اِنَّ رَبَّکَ هُوَ اَعْلَمُ بِمَنْ ضَلَّ عَنْ سَبِیْلِه وَهُوَ اَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِیْن (سورة النمل. ۱۲۵)

اور اپنے رب کی راہ کی طرف

علم کی باتوں ــــ اور

اچھی نصیحتوں کے ذریعہ

سے بلایئے ــــ اور

ان کے ساتھ اچھے طریقہ سے بحث کیجئے۔

آپ کا رب خوب جانتا ہے

اس شخص کو بھی جو اسکے راستہ سے گم ہوا ــــ اور

وہی راہ پر چلنے والوں کو بھی خوب جانتا ہے

نور نبوت

اے لوگو! خدائے برتر نے مجھے تمام عالم کے لئے رحمت اور پیغمبر بنا کر بھیجا ہے میں کل دنیا کے لئے خدا کا رسول بنکر آیا ہوں اس لئے رب السمٰوات والارض کا پیغام تمام دنیا میں پہنچادینا چاہتا ہوں تاکہ خدا کی حجت پوری ہو جائے اور دعوت ربانی اور پیغام الٰہی سے کائنات کی کوئی جماعت محروم نہ رہے جاؤ خدا کے بھروسے پر دنیا کے بادشاہوں کو اسلام کا پیغام سنادو دیکھو تمہارا وجود اور تمہاری زندگی اللہ کا پیغام اس کے بندوں تک پہنچانے کیلئے وقف ہونی چاہئیے خدا کی جنت اس شخص پر حرام ہے جو لوگوں کے معاملات میں شریک رہتا ہے اور ان کو اچھے کاموں کی نصیحت و تلقین نہیں کرتا! (مکتوبات نبوی، مؤلفہ سید محبوب رضوی، دیوبند)

ترتیبِ مضامین

کلمات و دعاہائے خیر و برکت

پیغامات

اداریہ

نگارشات حصہ اول

عقائد کی تبلیغ

عقائد کی تبلیغ عام طور پر لوگوں کو ناگوار ہوتی ہے، اور یہی ناگواری سبب ہے اس بات کا کہ ہم لوگ کفار کو اسلام کی تبلیغ نہیں کرتے۔ بلکہ آج کل عموماً ہر قسم کی تبلیغ اس لیے متروک ہے کہ مخاطب کو اس سے ناگواری ہوتی ہے اور عقائد کی تبلیغ میں یہ ناگواری زیادہ ہوتی ہے۔ لوگ سمجھتے ہیں کہ مخلوق کی ناگواری کو کون اپنے سر لے۔ مگر یہ کوئی عذر نہیں۔ اگر ہمارے اسلاف بھی اس کا خیال کرتے تو ہم میں سے کسی کو بھی کلمۂ شہادت نصیب نہ ہوتا۔

(التواصی بالحق ص ۱۷۹)

(حکیم الامت حضرت تھانوی رح)

ترتیب مضامین

حصہ دوم

اگر اس دنیا کو اپنی قابلیتوں پر، اپنی صنعتوں پر، اپنی جائیدادوں پر، اپنی ذہانت پر، اپنی معلومات پر، اپنے بڑے بڑے عالموں، دانشوروں اور ادیبوں، فلسفیوں اور دانشوروں کے رحم و کرم پر چھوڑ دیا جاتا اور حوالہ کر دیا جاتا تو کب کی یہ نسل ختم کر دی جاتی لیکن یہ کیوں باقی ہے، اس لئے کہ ابھی ہدایت کے امکانات ہیں، ابھی وہ امت باقی ہے جو ہدایت کا سبق دینے والی ہے، ہدایت کا تحفہ دینے والی ہے، انسانیت پر رحم کھانے والی ہے اور لوگوں کو راحت و آرام دینے کے لئے اپنی راحت کو قربان کرنے والی ہے، یہ صفت زیادہ ضروری ہے، یہ نہ صرف مسلمانوں کے لئے ضروری ہے بلکہ عالم انسانی کے لئے ضروری ہے، نسل انسانی اور بشریت کے لئے ضروری ہے اور دنیا کی بقا کے لئے ضروری ہے، میں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ مسلمان اپنے اندر یہ صفت پیدا کریں۔ (حضرت مولانا ابو الحسن علی ندوی دامت برکاتہم)

پیغام

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

Phones: 73864, 72336, 72338

Abul Hasan Ali Nadwi
P. O. BOX, No. 93, NADWATUL ULAMA,
LUCKNOW—226 007. U. P. (INDIA)

أبو الحسن علي الحسني الندوي
ندوة العلماء - لكهنؤ - الهند

الحمدللہ وسلام علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ ،

سب اہل علم ، اہل فکر بلکہ معمولی پڑھے لکھے لوگ بھی جانتے ہیں کہ انبیاء کرام کی بعثت کا اولین مقصد بلکہ فریضہ ومشغلہ دعوت الی اللہ ہی کا کام تھا اور مختصراً یہ «جاہلیت» (اپنے وسیع مفہوم عالمگیر اثر اور عمیق معنی میں) سے معرفت وطاعت الٰہی کی طرف نکلنے اور صحیح طریق زندگی اور صحیح مقاصد ونتائج کے لئے سعی وجدوجہد کا نام ہے اور عالم انسانی میں (ابتدائے خلق سے لیکر اس وقت تک) جو صالح انقلاب ہوا وہ سب اسی کا نتیجہ ہے ، یہ فریضہ آخری طور پر سید المرسلین خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی امت کے سپرد کیا گیا آپ کی ذات تو بہت بلند وعالی ہے آپ کی امت کے بارے میں صاف فرمادیا گیا اور اس کا مقصد اور مرکزی وبنیادی مشغلہ متعین کردیا گیا جو اس آیت میں بیان کیا گیا ہے ۔

کنتم خیر امۃ اخرجت للناس
تامرون بالمعروف وتنھون عن
المنکر وتؤمنون باللہ

تم بہترین امت ہو جو لوگوں کے لئے نکالی گئی ہے ۔ تم نیکیوں کا حکم دیتے ہو اور منکر سے روکتے ہو اور اللہ پر ایمان رکھتے ہو ۔

جن لوگوں کی تاریخ عالم اور تاریخ امم پر نظر ہے اور جو اس وقت کی دنیا اور عہد

پیغام

پر بھی نظر رکھتے ہیں وہ جانتے ہیں کہ اگر دعوت کا یہ کام اور انتظام نہ ہوتا تو دنیا کی کب کی ختم اور نسل انسانی فنا ہو چکی ہوتی۔ اور اگر اب بھی یہ کام (اپنے وسیع معنوں اور میدانوں میں) نہ ہوا تو وہ لقمۂ اجل اور خدا کے عذاب اور خود کشی کا شکار ہو جائیگی۔ اس لئے اس کو پوری سرگرمی اور وسعت و تنوع کیساتھ جاری رکھنا امت کا فریضہ اور انسانیت کی سب سے بڑی خدمت ہے۔

راقم السطور کو ماہنامہ "ارمغان شاہ ولی اللہ" کا دعوت اسلام نمبر دیکھ کر جو جمعیت شاہ ولی اللہ پھلت ضلع مظفر نگر سے عزیز گرامی مولوی محمد کلیم صدیقی صاحب کی سرپرستی اور مولوی وصی احمد ندوی کی ادارت میں نکلتا ہے دیکھ کر بڑی مسرت ہوئی کہ اس میں بڑی جامعیت اور تنوع کے ساتھ دعوت دین پر پُر مغز اور فکر انگیز مضامین ہیں۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ یہ رسالہ مستحکم اور مقبول ہو اور یہ مقالات چشم کشا اور ہمت افزا ثابت ہوں۔ وما ذلک علی اللہ بعزیز۔

دعاگو و طالب دعا
ابوالحسن علی ندوی

۱۲ رمضان المبارک ۱۴۱۷ھ

پیغام

حضرت مفتی محمود حسن گنگوہی قدس سرہٗ

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَکَفٰی وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی۔ اَمَّا بَعْدُ

دعوت الی اللہ یعنی اللہ کے بندوں کو دوزخ سے بچانے، کفر و شرک اور اللہ کی نافرمانی سے نکال کر ان کو دنیا اور آخرت کی کامیابی کی طرف بلانے کا کام سارے انبیاء کی بعثت کا مقصد تھا۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد اب کوئی نبی یا رسول دنیا میں نہیں آئے گا یہ کام اس امت محمدیہ کو آپ کے صدقے میں عطیے کے طور پر ملا اور یہ اس کی بنیادی ذمہ داری ہے دین کی اشاعت کی لگن حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کی علامت بلکہ آپ کی محبت کا جزء ہے تمام مسلمانوں کو پوری انسانیت تک دینِ حق کا پیغام پہونچانا یا کم از کم دعوت کا کام کرنے والوں کا ہر ممکن تعاون اپنی حیثیت کے موافق کرنا چاہیئے

ارمغان کے خاص دعوت نمبر کی کامیابی، قبولیت، افادیت اور برکت کیلئے دل سے دعا کرتا ہوں اللہ تعالیٰ اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سچی محبت میں آپکے طریقے پر خالص اپنی رضا کیلئے دعوت الی اللہ کا فریضہ ادا کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

فقط والسلام :— املاہ العبد محمود غفر لہ

چھتہ مسجد دارالعلوم دیوبند ۱۸/۸/۱۴۱۶ ہجری

پیغام

حضرت مولانا قاری سید صدیق احمد صاحبؒ

ماہنامہ ارمغان شاہ ولی اللہ کے بعض مضامین کا مطالعہ کیا۔ اس سلسلے میں حضرت مولانا سید ابو الحسن علی میاں اور حضرت مولانا عبد الحلیم صاحب جونپوری دامت برکاتہم کی تائیدی تحریر بھی دیکھی۔ ان اکابر کی تائید کے بعد مجھ جیسے ناکارہ کا کچھ تحریر کرنا بے ادبی معلوم ہوتی ہے۔

اللہ پاک اس رسالہ کے مدیر اور معاونین کو جزا ء خیر عطا فرمائے اور اشاعتِ دین کی زیادہ سے زیادہ توفیق مرحمت فرمائے۔

فقط

صدیق احمد غفرلہٗ

خادم جامعہ عربیہ ہتھورا باندہ

۱۶؍ رمضان ۱۴۱۷ھ

پیغام

احقر ابرار الحق ناظم مدرسہ اشرف المدارس و مجلس دعوۃ الحق ہردوئی (ہند) یو۔پی

مکرمی جناب مولانا محمد کلیم صدیقی صاحب زید لطفہ السامی

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

دعوت الی غیر المسلمین کے بارے میں اب تک ہم لوگوں کا عمل حضرت حکیم الامت مجدد ملت مولانا تھانوی نور اللہ مرقدہٗ کی درج ذیل تحقیق کے موافق ہے۔

"اور منجملہ اس امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے کفار کی تبلیغ بھی ہے۔ خواہ بذریعہ تقریر اور خواہ بذریعہ تحریر، اپنے ملک کے کفار کو بھی اور دوسرے ملک کے کفار کو بھی، اور بوجہ عموم شیوع احکام دینیہ کے گو اس وقت واجب نہیں لیکن اگر کوئی ہمت کرے علیٰ عزیمت ہے۔"

(اشرف السوانح بحوالہ اصلاح انقلاب حصہ ۳/ ص۲۳۲)

جو فتاوی آپ کے موصول ہوئے ہیں ان پر اور بقیہ جن چیزوں کا آپ نے خط میں ذکر کیا ہے جو یہاں نہیں پہونچی ہیں ان کے وصول ہونے پر ان شاء اللہ تعالیٰ مزید غور کیا جائے گا۔

والسلام

ناکارہ

ابرار الحق

پیغام

مدرسہ عربیہ ریاض العلوم
گورینی چوکیہ کھیتاسرائے۔ جونپور۔ یوپی

محب مکرم زیدت الطافکم   السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ،

حکیم مولانا خورشید صاحب کی زبانی "ارمغان" کی خصوصی اشاعت کی تیاری سے مسرت ہوئی۔ قبل ازیں ڈاک سے بھی مکتوب موصول ہوا تھا۔ ناکارہ اپنی علالت اور ضعف کی بنا پر روز بروز تقریر و تحریر سے معذور ہوتا جارہا ہے۔ پہلے بھی تحریر سے قاصر تھا۔ اور اب تو بالکل ہی بے بس۔

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی میاں صاحب مدظلہ کی تحریر و ہدایت یقیناً آپ کے لئے مشعل راہ ہے ان کی ہر تحریر کی تائید کرتا ہوں۔

غیروں میں دعوت کا کام ہمارا اور امت کا اولین فریضہ ہے ایک شخص کی ہدایت کا ذریعہ بن جانا نجات اخروی کا ضامن ہے۔ اس کے لئے طریقۂ کار کے بارے میں آنجناب دستور تیار کرلیں ناکارہ تائیدی دستخط کر دے گا۔

فقط والسلام

املاہٗ حضرت مولانا عبدالحلیم صاحب دامت برکاتہم

بقلم۔ عبدالعظیم ندوی

پیغام

JUSTICE MUHAMMAD TAQI USMANI

محمد تقي العثماني

Member Shariat appellate Bench
Supreme Court of Pakistan
Deputy Chairman : Islamic Fiqh Academy (OIC) Jeddah
Vice President Darul-Uloom Karachi-14 Pakistan.

قاضي مجلس التمييز الشرعي للمحكمة العليا باكستان
نائب رئيس : مجمع الفقه الاسلامي بجدة
نائب رئيس : دار العلوم کراتشي ١٤ باکستان

بگرامیِ خدمت جناب محمد کلیم صدیقی صاحب

السلام علیکم ورحمۃ اللہ برکا تہٗ۔

گرامی نامہ باعث مسرت وافتخار ہوا۔ آپ نے غیر مسلم آبادیوں میں اپنی جن دعوتی سرگرمیوں کا ذکر فرمایا ہے۔ انہیں معلوم کر کے بہت خوشی ہوئی۔ دل سے دعا گو ہوں کہ اللہ تعالیٰ ان کوششوں کو قبول اور بارآور فرمائیں، اور مزید کامیابیوں سے نوازیں۔ آمین ثم آمین۔

اسی سلسلے میں یہ معلوم کر کے بھی مسرت ہوئی کہ آپ "ارمغانِ ولی اللہ" کا ایک خاص نمبر دعوت کے سلسلے میں شائع فرما رہے ہیں۔ میں مصروف نہ ہوتا تو اس محفل میں کسی مضمون کے ذریعے شامل ہونے کی کوشش کرتا۔ لیکن فی الوقت اس کاوش پر دلی مبارکباد پیش کرتا ہوں، اور اللہ تعالیٰ سے دعا گو ہوں کہ اس خاص نمبر کو اپنے مقاصدِ حسنہ میں کامیابی عطا فرمائیں، اور یہ دعوتی کام کی رہنمائی اور اس کے فروغ کا بہترین ذریعہ ثابت ہو۔ آمین

والسلام

پیغام

QAZI ATHAR MUBARAKPURI
Qazi Manzil, Mubarakpur, Azamgarh, India

قاضی اطہر مبارکپوری
قاضی منزل ، مبارک پور ، اعظم گڑھ ، ہند

بسمہٖ تعالیٰ

گرامی قدر مولانا کلیم صاحب زید مجدہ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ ۔گرامی نامہ ملا۔میں آپ کی دینی جد وجہد سے واقف ہوں اللہ تعالیٰ کی شانِ بے نیازی جس سے چاہے اپنا کام کراتی ہے۔آپ جس خلوص، دل سوزی اور دینی جذبہ سے اسلام کی خدمت کر رہے ہیں اسکی مقبولیت عنداللہ ہے کہ ہزاروں، لاکھوں انسانوں کو نجات کی راہ ملی۔ آپ کی ذاتی اور شخصی خدمت اداروں اور جماعتوں کی خدمت پر بھاری ہے۔ اللہ تعالیٰ آپ سے مزید دینی خدمت لینے کی توفیق عطا فرمائے۔میں ادھر آٹھ دس ماہ سے ایک مرض میں مبتلا ہوگیا ہوں، ناک سے خون آتا ہے اندر سوجن ہوگئی ہے، علاج برابر جاری ہے ۔ ۲۹ راکتوبر کو اس کا آپریشن ہونے والا ہے، اس مدت میں لکھنا پڑھنا تقریباً بند رہا ہے اس لئے فی الحال آپ کی گذارش کے مطابق افسوس کہ نہیں لکھ سکتا ہوں آئندہ اللہ توفیق دے گا تو اس کی کوشش کروں گا مجھے افسوس ہے کہ اس کارِ خیر میں میری ادنیٰ شرکت بھی نہیں ہو رہی ہے ۔

خدا کرے مزاج بعافیت ہوں اور آپ نشاط کے ساتھ دینی خدمت میں مصروف رہیں۔ والسلام ۔

پیغام

HAKIM MUHAMMAD AKHTER

NAZIM
MAJLIS-E-ASHATUL HAQ

حکیم محمد اختر عفا اللہ عنہ

ناظم مجلس اشاعۃ الحق

محترمی ومکرم جناب مولانا محمد کلیم صاحب صدیقی زیدت معالیکم وعمت فیوضکم السلام علیکم ورحمۃ اللہ برکاتہ ——— مزاج گرامی

دعوت الی اللہ سے احسن کائنات میں کوئی کام نہیں کما قال تعالیٰ شانہ ومن احسن قولاً ممن دعا الی اللہ الآیۃ مبارک ہیں وہ بندگانِ خداوندِ تعالیٰ جن کو حق تعالیٰ شانہٗ نے اس مبارک کام کے لئے منتخب فرمایا ؎

چھانٹا وہ دل کہ جس کی ازل میں نمود تھی
پسلی پھڑک گئی نظرِ انتخاب کی

آپ کے مساعی جمیلہ سے جس قدر دینی کارنامے منصۂ شہود میں نظر آرہے ہیں یہ مصداق اس شعر کے ہیں ؎

این سعادت بزورِ بازو نیست
تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

اخلاص کے ساتھ دعوت الی اللہ کے کاموں سے قلب و روح کو ایمانِ صدّیقین عطا ہوتا ہے تقبل اللہ تعالیٰ مساعیکم وجزاکم اللہ تعالیٰ عنّا وعن سائر المسلمین - حکیم محمد اختر عفا اللہ تعالیٰ

پیغام

بسم اللہ الرحمن الرحیم

محمد فاروق
بیت الاشرف باغ حیات سکھر

Muhammad Farooq
BAITUL - ASHRAF
BAGH HAYAT, SUKKUR
ISLAMIC REPUBLIC OF PAKISTAN

حضرت مولانا کلیم صاحب مدظلہ،

السلام علیکم ورحمۃ اللہ برکاتہ

بفضلہ تعالیٰ خیریت ہے والا نامہ مشرف فرمایا یاد فرمائی پر ممنون اور دعا گو ہے۔

اللہ تعالیٰ آپ کی خدمات کو مزید شرفِ قبولیت عطا فرماویں آمین۔

اسفار و علالت کے باعث کچھ زیادہ لکھنے سے معذور ہے البتہ آپ سے ایک قلبی تعلق ہے اکثر آپ کا ذکرِ خیر حضرت شاہ عباد الرحمٰن نشاط صاحب کی مجلس میں رہتا ہے۔

اللہ تعالیٰ اس خاص نمبر کی اشاعت میں خاص کامیابی عطا فرماویں آمین۔ والسلام

خادم مسیح اللہ
احقر محمد فاروق عفی عنہ

پیغام

دار العلوم العربية الاسلامية

DARUL ULOOM AL-ARABIYA AL-ISLAMIYA

COLLEGE OF HIGHER ISLAMIC EDUCATION AND SECONDARY SCHOOL

Holcombe Hall,
Holcombe.
Nr. Bury, Lancs.
BL8 4NG U.K.
Tel: RAMSBOTTOM (070682) 6106

حضرت مولانا محمد یوسف صاحب متالا

مکرم محترم مولانا محمد کلیم صدیقی صاحب دام مجدکم

بعد سلام مسنون مزاج شریف !

گرامی نامہ شرفِ صدور لایا اس شفقت کی اللہ تعالیٰ پاک آپکو بیحد جزاءِ خیر دے۔ اس میں آپ نے تحریر فرمایا ہے کہ رسالہ ارمغان ارسال ہے آپ کے خط کے بعد ایک ہفتہ تو وہ ملا نہیں رسالہ کے بجز آپ کے کارنامے مولانا ابراہیم پانڈور صاحب۔ اور مدینہ طیبہ میں بھائی طارق عسکری صاحب اور مفتی فاروق صاحب سے سنتا رہا ہوں۔

اللہ تعالیٰ کام میں برکت دے زیادہ سے زیادہ خلقِ خدا کو آپ سے فیضیاب فرماوے زیادہ سے زیادہ مساعد مطاع ساتھی عطا فرماوے

آپکا یوسف

پیغام

حضرت مولانا قاری امیر حسن صاحب مدظلہٗ

مجلس دعوۃ الحق ھردوئی

محترمی ومکرمی جناب محمد کلیم صاحب زید مجدہ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ برکاتہٗ۔

گرامی نامہ نے مشرف فرمایا یاد آوری کا ممنون ہوں۔

آپ نے اپنے رسالہ ارمغانِ دعوت کے ذریعہ جس کام کا بیڑہ اٹھایا اللہ تعالیٰ اس میں کامیابی عطا فرمائیں اور آپ کے اس رسالہ کو راہ گم کردہ انسانیت کو راہ ملنے کا ذریعہ بنائیں اور پوری انسانیت کو ہدایت کے راستہ پر پہونچا دیں۔ وماذلک علی اللہ بعزیز۔

مجھے مضمون نگاری سے کوئی واسطہ نہیں ہے میں دعا کرتا ہوں اللہ تعالیٰ آپ کے رسالہ کو قبول عام عطا فرمائیں اور آپ کے مقاصد میں کامیابی عطا فرمائیں۔ والسلام

بندہ امیر حسن

پیغام

مولانا غلام محمد وستانوی مدظلہ العالی

ناظم الجامعۃ الاسلامیۃ اشاعت العلوم اکل کوا

محترم ومکرم داعی اسلام جناب بھائی کلیم صدیقی صاحب

آپ کے ساتھ احقر کو ایک دلی تعلق اور محبت ہے اور اس محبت وتعلق کو اپنی نجات کا ذریعہ تصور کرتا ہوں۔

غیروں میں اسلام کی تبلیغ بھی ایک اہم فریضہ ہے جس سے آج ہم لوگ غافل ہیں۔ اللہ نے یہ سعادت آپ کے لئے مقدر کی تھی جس کی وجہ سے کافی لوگوں کو اللہ نے ہدایت دی، اللہ اس طریقِ دعوت میں اور قوت بخشے۔

آپ اپنا مشن آگے بڑھاتے جاویں کسی کی مخالفت کی پروا نہ کریں اللہ کو راضی کرنے کے جذبہ کے ساتھ اور حکمِ خداوندی کو پورا کرنے کی نیت سے کام کرتے رہیں۔ یہ میرا پیغام ہے

غلام محمد وستانوی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اداریہ

مجھے کہنا ہے کچھ اپنی زبان میں

مدیر: وصی سلیمان ندوی

دعوت دین، دعوت اسلام یا دعوت الی اللہ سے برتر وا حسن اس کائنات میں اور کوئی کام نہیں اور یہ پوری کائنات اور اس کا پورا ساز و سامان بھی ایک آدمی کے ایمان کے برابر نہیں ہو سکتا۔ اسی لئے یہ کام دنیا کے ہر نبی اور رسول کا مقصدِ زندگی اور وظیفہ حیات تھا۔ سیدنا حضرت آدمؑ سے لیکر سلسلۂ نبوت کے آخری تاجدار خاتم النبیین و سید المرسلین حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ تک ہر نبی نے اس کام کے لئے اپنی زندگیاں وقف کیں اِسے اپنی جہد و عمل کا مرکز بنایا اور اس راہ کی تمام دشواریاں اور سنگینیاں اور مصائب و آلام برداشت کئے۔ اس طرح انھوں نے وہ ذمہ داری پوری کی جو انھیں اللہ کی طرف سے تفویض کی گئی تھی۔

زمین و آسمان، آفتاب و ماہتاب اور جن و ملک اور یہ پوری کائنات صرف خدائے وحدہ لاشریک لہ کی ملکیت ہے اور اسمیں صرف اسی کا حکم جاری ہے۔ اسی نے اس مشتِ خاک انسان کو یہ شرف بخشا کہ زمین میں اُسے اپنا خلیفہ بنایا اور اسکی یہ ذمہ داری مقرر کی کہ خدا کی اس زمین میں وہ اپنی مفوضہ ذمہ داریاں پوری کرے اور خوبیوں اور نیکیوں کی طرف مائل ہو۔ وہ شر و فساد سے خود بھی بچے اور دوسرے افراد کو بھی اس سے محفوظ رکھنے کی کوشش کرے۔ انسان کی نیابت ارضی کا یہ مقام اس قدر بلند ہے کہ خود اپنی ذات کی طرف اللہ نے اسکی نسبت کی ہے۔

اس نے اپنے انبیاء کرام اور رسولانِ عالی مقام کو خصوصی امتیاز عطا کیا، انھیں تبشیر وانذار کی خصوصی ذمہ داری سپرد کی اور انھیں تمام انسانوں کو خیر وفلاح کی طرف بلانے والا اور برائیوں سے بچانے والا بنایا۔ انبیاء کرام کی پوری تاریخ گواہ ہے کہ ان قدسی نفوس نے تمام باطل دنیا کے سامنے ہمیشہ یہ اعلان کیا کہ اب خدا کی سر زمین پر خدا کی اور اسکے صالح بندوں کی حکمرانی قائم ہوگی۔ اور باطل پرستوں اور فساق وفجار کا طرز زندگی اور خدا کے باغیوں کی سرگرمیاں ختم کی جاتی ہیں۔ انھوں نے ہمیشہ فكّ كل نظام طاغٍ کا نعرہ لگایا اور اسکی جگہ خالص خدا کا بتایا ہوا نظامِ زندگی اور طرزِ حیات رائج کیا۔

سلسلۂ نبوت کی سب سے آخری کڑی حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ تک یہ سلسلہ اسی طرح چلتا رہا۔ آپ ﷺ کے باغ جہاں میں تشریف لانے سے اس خزاں رسیدہ چمن میں بہار آ گئی اور عالم انسانی میں ایک انقلاب برپا ہو گیا اور آپ کی جدوجہد، محنت، لگن، جاں سپاری، دردمندی، اخلاص اور تائید ایزدی سے پورا جزیرۃ العرب اسلام کے گھنیرے سایہ میں داخل ہو گیا اور يدخلون في دين الله افواجا کا روحانی منظر نگاہوں کے سامنے آ گیا۔

سلسلۂ نبوت کے اختتام کے بعد امت کی رہ نمائی، انسانیت کی دستگیری اور چارہ سازی اور کارِ دعوت کی یہ ذمہ داری آخری نبی کے امتیوں کی جانب منتقل ہو گئی۔ آپؐ نے اپنے آخری حج کے موقعہ پر ارشاد فرمایا تھا:

الا فليبلّغ الشاهد الغائب ہر حاضر کو چاہیے کہ وہ غائب تک یہ پیغام پہنچادے۔

اس حکیمانہ ارشاد کے بعد یہ حقیقت طے ہو گئی کہ اب نبوی پیغام کو پہنچانا پوری امت کی ذمہ داری ہے۔ قرآن کریم کی بے شمار آیات میں دعوت کی یہ ذمہ داری پوری امت کے سپرد کی گئی ہے اور اسلامی تاریخ کا ہر واقف کار اور صاحب نظر جانتا ہے کہ مجاہدین اسلام، صوفیاء عظام اور علمائے کرام نے اس ذمہ داری کو بخیر وخوبی نبھایا اور اپنی حوصلہ مندی اولوالعزمی، جاں بازی، جاں نثاری نیز اپنے اخلاق وکردار اور عدل وانصاف کی اعلیٰ خصوصیات کے سہارے ہر ہر ملک اور ہر ہر خطۂ زمین تک اپنی دعوت

پہنچائی یہاں تک کہ زمین کو اپنی تنگ دامانی کا شکوہ کرنا پڑا۔ بحر ظلمات کے کنارے پہنچ کر اسلامی سپہ سالار نے یہ کہہ کر اپنے گھوڑے پانی میں ڈالدیئے: خدایا! اگر یہ زمین اور وسیع ہوتی تو ہم اور آگے تک تیرا کلمہ بلند کرتے۔ ہندوستان کی یہ سرزمین بھی اس نعمت سے محروم نہیں رہی یہاں بھی اسلامی مجاہدین کی گرد و غبار کے پردہ سے کلمہ توحید کی صدائیں گونجیں، صوفیاء کرام کی دلنشیں تعلیمات سے کفر و شرک کی تاریکیاں کافور ہوئیں اور بندوں کا تعلق ان کے خالق کے ساتھ استوار ہوا۔

نائب رسول اللہ فی الہند حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیریؒ سے لیکر خواجہ قطب الدین بختیار کاکی، حضرت علاء الدین صابر کلیری، خواجہ نظام الدین اولیاء، شیخ ابوالحسن علی ہجویری داتا گنج بخش، شاہ کشمیر شیخ علی ہمدانی اور اخیر میں حضرت مولانا محمد الیاس دہلوی اور ان کے بعد تک جانے کتنے افراد ہیں جو اس دعوت و عزیمت کی تاریخ کے روشن نام ہیں اور جو آج بھی ستاروں کی طرح روشن و تابناک ہیں، جنکے پاک نفوس اور مسیحا نفسی نے سرزمین ہند کے ذروں کو تابانی عطا کی، اس ملک سے کفر و شرک اور اوہام و خرافات کے گھنگھور اندھیرے دور کئے اور اس ملک کو صحیح توحید کی لذت سے شاد کام کیا۔

○

لیکن اسی کے ساتھ یہ ایک حقیقت ہے کہ اس کام کے لئے جس قدر جد و جہد، کوشش اور فکر و دل سوزی درکار تھی اور اس اہم کام کیلئے جس بڑے پیمانہ پر توجہ کی ضرورت تھی، بعد کے دور میں امت نے من حیث المجموع اسے پورا نہیں کیا۔ غیر مسلموں میں دعوت و تبلیغ سے غفلت اور اس سے ہونے والے نقصانات کا جائزہ لیتے ہوئے مولانا عتیق احمد صاحب بستوی لکھتے ہیں:

"جو شخص حالات کا جائزہ لیکر ٹھنڈے دل و دماغ سے غور کریگا اس کا دل گواہی دےگا کہ اس اہم فریضہ کی ادائیگی میں مسلمان مجرمانہ غفلت سے کام لے رہے ہیں" (۱)

(۱) مصائب و مشکلات کا یقینی اور پائیدار حل، ص ۱۹ شعبۂ دعوت وارشاد ندوۃ العلماء لکھنؤ

صدیوں سے ہم اس ملک میں غیر اقوام کے شانہ بشانہ زندگی گذار رہے ہیں اور بہت سے معاملات میں ہم ان کے سکھ دکھ کے شریک ہیں لیکن کیسی حیرت انگیز حقیقت ہے کہ ہم ان کے سامنے اپنے دین کی دعوت تو کیا ہم نے ان تک اپنا تعارف بھی نہیں پہنچایا اور آجتک اس ملک کے بیشتر باشندے ہماری اذان اور نماز کی حقیقت تک سے ناواقف ہیں اور ہماری دینی خصوصیات، مذہبی تشخصات اور ہماری شناخت تک ان کی نگاہوں سے اوجھل ہے جب کہ یہ انسان کی فطرت ہے کہ وہ ہر ملنے جلنے والے کا تعارف چاہتا ہے اور اگر اسے یہ احساس ہو جائے کہ اس کا پڑوسی نیک اور شریف ہے تو اس پر اعتماد کرنے لگتا ہے اسکے برعکس یہ یقین اسکو بہت جلد برگشتہ کر دیتا ہے کہ اس سے ملنے والا شخص مضر اور برا آدمی ہے۔ حالات کا تجزیہ کرنے والا ایک مسلمان بالآخر اسی نتیجہ پر پہنچتا ہے کہ:

> "ہم مسلمانوں نے صدیوں سے ہندو برادری میں اپنا صحیح تعارف نہیں پیش کیا۔ چنانچہ موقع غنیمت جان کر اس سوالیہ نشان کو ہمارے دشمنوں نے پُر کیا اور ہمارا تعارف عوام الناس کے سامنے پیش کیا۔ اور دشمن جب تعارف کراتا ہے تو کتنا صحیح تعارف کرائے گا آپ بخوبی اس کا اندازہ کرسکتے ہیں" (۱)

اور انگریزوں نیز اسلام دشمن جماعتوں نے ان ارباب وطن کے درمیان ہمارا ہمارے دین کا اور ہمارے عائلی مسائل کا جیسا شرمناک اور ڈراؤنا تعارف پیش کیا ہے اس کی وجہ سے ہم صرف غیروں کے اعتماد و اعزاز سے ہی محروم نہیں رہے بلکہ خطرہ یہاں تک بڑھ گیا ہے کہ خود ہمارے مسلم نونہال اور روشن خیال نوجوان اس گمراہ کن پروپیگنڈہ کا شکار ہیں اور ایک نئے ارتداد کا خطرہ سروں پر منڈلانے لگا ہے۔

○

دعوتِ اسلام کی یہ اہمیت کیا کم ہے کہ ہمارا یہ دین محض دفاعی اور حفاظتی دین نہیں

---

(۱) جناب انوار الاسلام۔ فسادات کا حل دعوت الی الاسلام ص ۷ (حیدر آباد: ۱۹۹۴ء)

ہے بلکہ یہ ایک اقدامی اور غالب آنے والا دین ہے قرآن کریم نے رسول اللہ ﷺ کی بعثت کا مقصد ہی یہ بیان کیا ہے:

هو الذی ارسل رسوله بالهدیٰ و دین الحق لیظهره علی الدین کله

"وہ اللہ ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور دین حق لیکر بھیجا تاکہ اسے تمام مذاہب پر غالب کردے"

لیکن آج ہمارے طرز عمل اور غفلت کے باعث یہ ایک دفاعی دین بن کر رہ گیا ہے اور ہماری کل کوششیں محض حفاظتی انداز پر ہو رہی ہیں۔

کتنی عجیب بات ہے کہ ایک پوری صدی ختم ہو گئی لیکن مسلمانوں کے اندر کوئی ایسی دعوتی تحریک نہیں اٹھ سکی جس نے غیر مسلموں کو دعوت کا نشانہ بنایا ہو اور جس کا دائرہ کار اقدامی نوعیت کا ہو حالانکہ یہ ایک حقیقت ہے کہ:

"کوئی جسم اس وقت تک تندرست و توانا نہیں رہ سکتا جب تک اسمیں نئے اور صاف خون کی تولید نہ ہوتی رہتی ہو، کوئی درخت اس وقت تک شاداب نہیں رہ سکتا جب تک اس میں نئے پتے اور کونپلیں نہ نکلتی رہتی ہوں۔ امتِ مسلمہ بھی ایک جسم ہے جسکو ہر دور میں نئے خون کی ضرورت ہے۔ اس درخت کو بھی ہر موسم میں ہری بھری شاخوں اور نئی نئی پتیوں کی ضرورت ہے" (۱)

نیز یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ کوئی قوم اس وقت تک ترقی و عروج کے مدارج طے نہیں کر سکتی جب تک اسکے سامنے کوئی واضح نصب العین اور متعین منزل نہ ہو یہ نصب العین ہی ہے جسکے لئے انسان جان و مال کی بڑی سے بڑی قربانی پیش کرتا ہے اور منزل پر پہنچ کر دم لیتا ہے لیکن اسکے باوجود ہم من حیث القوم اس طرح کے کسی نصب العین سے محروم زندگی گذار رہے ہیں اور اپنی توانائیاں اس اقدامی عمل پر صرف نہیں کرتے اسلئے نہایت ضروری ہے کہ دعوت اسلام کے اس کام کو امت مسلمہ کے افراد اپنا نصب العین

(۱) حضرت مولانا سید ابو الحسن علی ندوی، ماہنامہ السلام دہلی اکتوبر تا دسمبر ۱۹۹۷ء

بنائیں اور اقدامی طور پر اس کام کو اپنا کر اپنا سفر طے کریں۔

کارِ دعوت کی شرعی اور فقہی حیثیت کے بارے میں علماء کرام اور اصحاب افتاء کے اقوال کی روشنی میں اسقدر یقیناً کہا جا سکتا ہے کہ یہ کام فرضِ کفایہ کے درجہ میں ہے اور امت کے کم از کم اتنے افراد کا اس کام میں شامل ہونا اور اسے اپنا وظیفہ حیات بنانا ضروری ہے جن سے یہ کام بخوبی انجام پا سکے۔ یہاں بھی خود اپنے آپ سے یہ سوال کیا جا سکتا ہے کہ کیا امت من حیث المجموع اپنی یہ ذمہ داری اس طرح پوری کر رہی ہے جسکی یہ مستحق ہے؟ اور کیا ہم واقعی فرض کفایہ کی حد تک بھی اس مبارک کام کو انجام دے رہے ہیں کاش ہم اس کا جواب اثبات میں دے سکتے۔

یک حرف کاشکے است کہ صد جا نوشتہ ایم

کارِ دعوت کی اس زمانہ میں کسقدر ضرورت ہے ہمارے اس دور کا یہ بھی ایک اہم اور جلی عنوان ہے، اس ذیل میں یہ حقیقت پیش نظر رکھنی چاہئیے کہ دعوت الی اللہ کا مبارک کام ہر دور میں افضل اور برتر دینی عمل ہے اور اُس وقت اس کی اہمیت اور زیادہ ہو جاتی ہے جب چاروں طرف سے مسلمانوں پر باطل کی یلغار ہو اور نفرت اور دشمنی کا ماحول ہو، تو ایسے وقت میں مسلمانوں کی ذمہ داری ہے کہ وہ اپنے فرض منصبی کی طرف مائل ہوں اور دعوت کے کام کو اپنا مقصدِ حیات قرار دیں۔ اس راہ میں زمانہ کی حساسیت اور حالات کی ناسازی کا عذر بے معنی ہے کہ سید ولد آدم حضرت محمد ﷺ کا زمانہ اور دوسرے مبلغین کے عہد میں حالات اس سے زیادہ ناسازگار اور فضا اس سے زیادہ مخالف اور تند تیز تھی۔ (۱)

اس سلسلہ میں غور و فکر کا ایک موضوع یہ بھی ہے کہ دعوت دین سے اس قدر غفلت اور کم توجہی کے باعث ہندوستان کی ملت اسلامیہ کو کیا نقصانات در پیش ہوئے اسکے لئے ہم

(۱) مزید تفصیلات کے لئے ہمارے ادارہ کی شائع کردہ مولانا محمد کلیم صدیقی کی کتاب "ارمغان دعوت" کا مطالعہ مفید ہوگا۔

مختصر طور پر مولانا عتیق احمد بستوی کی کتاب کے ایک اقتباس پر اکتفا کرتے ہیں:

"جب تک مسلمان اپنے دین کی دعوت دیتے رہے اسکی بلند اخلاقی کی تعلیمات اور اسکی خوبیوں کا درس دیتے رہے لوگوں نے ان سے محبت کی، ان کا رہنا اپنے ملک کیلئے برکت اور کامیابی کا ذریعہ سمجھا اور ان کے چلے جانے پر افسوس کر کے روئے۔ لیکن آج نقشہ بالکل دوسرا ہے اسلام سے عدم واقفیت کی وجہ سے وہ طرح طرح کے شکوک وشبہات میں مبتلا رہتے ہیں اور اسلام کے نام سے ان کا خون کھولنے لگتا ہے اس میں کوئی شک نہیں کہ اگر مسلمانوں نے دعوت دین کے اس اہم فریضہ کو ادا کیا ہوتا تو آج ہرگز یہ نقشہ ملک کا نہ ہوتا۔ آسمانی شریعت اور آسمانی کتب سے محروم یہ قوم اسلام کی خوبیوں کو دیکھتی تو شوق سے اسلام کی طرف لپکتی اور مسلمانوں سے محبت کرنے میں اپنی کامیابی سمجھتی" (۱)

○

دعوت کی اس اہمیت و ضرورت اور اسکی شرعی و فقہی حیثیت کی وجہ سے اور اس احساس کی وجہ سے کہ ملت کے بیشتر افراد اس کام کی ضرورت سے واقف نہیں ہیں ہمارے ادارہ "ارمغان" نے یہ فیصلہ کیا کہ علماء کرام اور خواص امت کو اور عام مسلمانوں کو اس جانب متوجہ کرنے کیلئے اس کا ایک خاص شمارہ شائع کیا جائے جو اس سلسلہ کی غلط فہمیوں کا پردہ چاک کرے، کارِ دعوت کی اہمیت و عظمت اجاگر کرے اور اس مبارک کام کی جانب مخلص لوگوں کو متوجہ کرے۔ نیز اس لحاظ سے بھی کہ ہمارے رفقاء کار جمعیت شاہ ولی اللہ کے مخلص اراکین اور کارکنان اس مبارک کام کو اپنی کوششوں کا مرکز بنائے ہوئے ہیں اور اس میدان میں اپنی بساط بھر ٹوٹی پھوٹی خدمات انجام دے رہے ہیں اس خاص نمبر کا منصوبہ بنایا گیا، جو ہمارے حوصلوں کو توانائی، ہمارے جذبات میں استقامت، اور کردار و عزم میں پختگی و صلابت پیدا کرے۔ اس خاص نمبر کے لئے اپنے اکابرین اور مخلصین سے اس سلسلہ

(۱) مصائب و مشکلات کا یقینی اور پائیدار حل، مولانا عتیق احمد بستوی ص ۱۸ شائع کردہ شعبۂ دعوت وارشاد، ندوۃ العلماء لکھنؤ۔

کے جن چند عنوانات پر اظہار خیال کرنے اور اپنی معلومات نیز خیالات و تجربات سپرد قلم کرنے کی درخواست کی گئی وہ مندرجہ ذیل ہیں:

- کار دعوت کی فضیلت واہمیت
- کار دعوت کی شرعی اور فقہی حیثیت
- اس دور میں اس مبارک کام کی اہمیت
- کار دعوت سے بے توجہی کے نقصانات
- اور۔ دعوت کا طریقۂ کار

ہم نے اپنی بساط بھر ملتِ اسلامیہ کے ہر طبقہ کے اصحاب علم اور اصحاب قلم سے اس میں قلمی تعاون کے لئے درخواست کی اور اس بزم کہکشاں میں شریک ہونے کی دعوت دی۔ خدا کا شکر ہے کہ ہماری آواز صدا بصحرا ثابت نہیں ہوئی اور ہم اپنے عظیم المرتبت اکابرین، نامور اصحاب قلم اور مصنفین کے مضامین حاصل کرنے میں کامیاب ہو سکے۔ جن احباب کے تعاون سے ہم نے یہ کہکشاں سجائی ہے اور انھوں نے اپنے گرانقدر مقالات عنایت فرمائے ہیں ان کی تعداد کچھ کم نہیں ہے اور یہ یقین کیا جاسکتا ہے کہ دعوتی امور کے تعلق سے بیشتر موضوعات پر ان اصحاب قلم نے اظہار خیال کیا ہے اور ہمارے تخیلاتی منصوبہ کے ہر موضوع پر قارئین کے لئے کچھ نہ کچھ سامان ضرور موجود ہے۔

اس ضمن میں یہ حقیقت بھی پیش نظر رہنی چاہیئے کہ دعوت الی غیر المسلمین کے موضوع اور مسائل نیز اسکے طریقۂ کار اور ضرورت کے موضوع پر ہمارے رابطہ کی زبان میں بہت کم لکھا گیا ہے اور اس مبارک کام کی عملی شکل سے بڑی حد تک غفلت اور پہلو تہی ہوتی رہی ہے اور امت نے اس پہلو پر اتنی توجہ نہیں کی جس کا یہ مستحق تھا اسلیئے اس خاص نمبر میں اس موضوع پر ہمارے اصحاب قلم اور مضمون نگار حضرات نے جو کچھ لکھا ہے اس میں بہت سی جگہ تکرار محسوس ہوتی ہے، اور ایک ہی بات اور دلیل کئی کئی مضامین میں دوہرائی گئی ہے۔ تاہم ہر مصنف کی طرح یہاں بھی ہر ایک کا انداز فکر جداگانہ اور طرزِ تفہیم واستدلال ایک نیا انداز لئے ہوئے ہے۔ اور ان سب کا انداز عزیز ولذیذ اور مفید ودلکش ہے۔

اس شمارہ میں جو مضامین شائع کیے جارہے ہیں، دو ایک کو چھوڑ کر یہ تمام مضامین تازہ اور نئے ہیں اور ارمغان کی فرمائش و طلب اور عاجزانہ درخواست پر لکھے گئے ہیں چند مطبوعہ مضامین خود مصنف کی اجازت اور نظر ثانی کے بعد شامل کرلئے گئے ہیں اور ایک مضمون خاص کر ارمغان ہی کے لئے خصوصی طور پر لکھا گیا تھا لیکن وہ اس شمارہ کے شائع ہونے سے پہلے ہی منظر عام پر آگیا ہے اس طرح یہ پورا مجموعہ نئے اور تازہ مضامین پر مشتمل ہے اور اسکی خوشبو اپنی عطر بیزی سے اس ملک کی مشام جاں کو معطر کرسکتی ہے۔

اس خاص شمارہ کو ضرورتاً دو حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے اور اسکی ترتیب اس طرح رکھی گئی ہے کہ دونوں حصوں میں اہم اور ضروری شخصیات کے مضامین شامل ہوں اور کوئی بھی حصہ دوسرے سے کم درجہ نہ ہونے پائے۔ ان مضامین کی ترتیب اور تقدیم و تاخیر ہمارے بعض احباب نے قائم کی ہے لیکن یہ تقدیم و تاخیر نہ مضامین و عنوانات کے لحاظ سے ہے نہ اچھے اور کم درجہ کے مضامین کے لحاظ سے، حقیقت یہ ہے کہ جو مضمون جہاں ہے، وہ اپنی جگہ گوہر شب چراغ اور لعل بے بہا ہے اور ہر جگہ اسکی چمک نگاہوں کو خیرہ اور دل و دماغ کو متاثر و مسحور کرتی ہے اور ان میں مقالہ نگاروں کا خونِ دل اور خون جگر اس فن پارہ کو روشنی دے رہا ہے، جسکی وجہ سے ان مضامین میں ہر جگہ قوت، طاقت، تاثیر اور رہنمائی کی روشنی موجود ہے۔

"دعوت اسلام اور تحریک ندوۃ العلماء" کے عنوان سے مولانا مطیع الرحمن عوف ندوی کا ایک مضمون بھی اس خاص نمبر کی زینت ہے اور خاص اس شمارہ ہی کے لئے تحریر کیا گیا ہے اس کا مقصود یہ احساس بیدار کرنا ہے کہ دعوت اسلام کا یہ مبارک کام اس ملک میں ہر دور میں کسی نہ کسی سطح پر ہوتا رہا ہے اور پوری امت من حیث المجموع اس فرض سے کبھی بھی غافل نہیں رہی اور یہ کہ ہندوستان کی ایک بڑی تعلیمی تحریک ندوۃ العلماء کے ذمہ داران بھی اس سے بے فکر نہ تھے۔ اس کا یہ مطلب نہیں لینا چاہیئے کہ دوسری عظیم دینی و تعلیمی تحریکوں نے اس جانب توجہ نہیں کی یا ان کا اس کام میں کوئی حصہ نہیں۔

آج جب کہ ہم اس خاص نمبر کو پریس کے حوالے کرنے جارہے ہیں سب سے پہلے ہم اپنے رب کا شکر ادا کرتے ہیں جس نے ہمیں اس نیک کام کی توفیق ارزانی فرمائی اور اسکی تکمیل کے مراحل آسان کیے۔

خدائے لم یزل کی حمد و ثنا اور اس کی ذات والا صفات میں جذبات تشکر پیش کرنے کے ساتھ ہم شفیع المذنبین، خاتم النبیین، داعی اعظم ﷺ کی ذات بابرکات کے حضور درود و سلام کا نذرانۂ عقیدت بھی پیش کرتے ہیں جس نے دعوت دین کے اصول و ضوابط عطا کیے اور ہمیں داعی امت بنایا۔

مخدوم گرامی مفکر اسلام حضرت اقدس مولانا سید ابوالحسن علی ندوی دامت برکاتہم کی ذات گرامی ہر قسم کے شکریہ سے بالاتر ہے وہ ہماری تحریک اور ادارہ کے روحانی سرپرست اعلیٰ، ہمارے مربی اور بزرگ ہیں ان کی دعائیں اور ہمت افزائی ہی ہمارا اصل سرمایۂ نجات اور حاصل زندگی ہے۔ حضرت مولانا کا اس شمارہ کے دونوں حصوں میں ایک ایک مضمون شائع ہو رہا ہے۔ ارمغان کا مسودہ و کتابت دیکھنے کے بعد اپنے دو مضامین کے باوجود ہمارے لئے دعاہائے خیر و برکت سے لبریز ایک پیغام عنایت فرمایا اور دلی مسرت کا اظہار فرما کر ہمارے کارواں کی انتہائی حوصلہ افزائی فرمائی۔

مضامین کی فراہمی کے سلسلہ میں ہمارے ادارہ کے احباب کی مسلسل تگ و دو کا حصہ کچھ کم نہیں ہے کہ انھوں نے چوٹی کی نامور صاحب قلم شخصیات کا قلمی تعاون حاصل کیا اور مخلصانہ جدوجہد کی خصوصاً ہماری تحریک کے قافلہ سالار، روح رواں اور میر کارواں جناب مولانا محمد کلیم صدیقی کی مسلسل تحریک نے ہم جیسے بے بضاعت انسانوں کو اس اہم منزل تک پہنچنے کے قابل بنایا ہم ان سب کے نہایت شکر گذار ہیں۔

مولانا ڈاکٹر سید محمد اجتباء ندوی جو ہمارے دعوتی کاموں کے سرپرست، اور شعبۂ تخصص فی الدعوۃ کے ذمہ دار اور نامور مصنف اور اہل قلم ہیں ان کا خصوصی شکریہ واجب ہے کہ انھوں نے مضامین کی فراہمی کے سلسلہ میں اور دیگر امور کے بارے میں

قدم قدم پر رہنمائی فرمائی اور ایک گرانقدر معلوماتی مضمون عنایت فرماکر ہماری اس بزم کی رونق بڑھائی۔

اپنے اکابرین اور مضمون نگار حضرات کے بھی ہم شکر گزار ہیں جنھوں نے ہم ناتوانوں کی آواز اور عاجزانہ درخواست پر ہمیں مضامین عنایت فرمائے۔ حقیقت یہ ہے کہ اگر ان اصحاب کا تعاون ہمیں حاصل نہ ہوتا تو ہمارا یہ خواب آج بھی تعبیر کا محتاج بنارہتا۔ ممتاز مصنف و محقق ڈاکٹر نثار احمد فاروقی نے بعض اہم اور ضروری مشورے دیئے اور ایک جاندار شاندار مضمون کے ذریعہ ہماری عزت افزائی فرمائی، ہم ان کی خدمت میں بھی ہدیۂ تشکر پیش کرتے ہیں۔

اس موقع پر ہمیں بڑی شدت کے ساتھ اپنے تین اکابرین کی یاد آرہی ہے حضرت مفتی محمود حسن گنگوہی، حضرت قاری سید صدیق احمد باندوی اور مؤرخ اسلام قاضی اطہر صاحب مبارکپوری نور اللہ مراقدہم ہمارے ان روحانی سرپرستوں میں سے تھے جنکی مخلصانہ دعائیں، کریمانہ ہدایتیں، مخلصانہ مشورے اور ان کی تائید ہر قدم پر ہماری معاون و رفیق تھی اور ہمیں ان کی خوشہ چینی اور زلہ ربائی پر فخر تھا انھوں نے ہمارے اس خاص نمبر کیلئے اپنے بیش قیمت پیغامات بھی عنایت فرمائے تھے جو اس شمارہ کی عزت وزینت ہیں۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ انھیں ان کی دینی خدمات کا بہترین صلہ عطا فرمائے اور آخرت کے بلند مراتب سے شادکام فرمائے۔ اللھم اتھم خیر ما توتی به عبادك الصالحین.

○

اس شمارہ میں اکابرین اہل علم کے جو مضامین و مقالات شامل ہیں ان سے پہلی ہی نظر میں یہ اندازہ ضرور ہو جاتا ہے کہ دعوتِ اسلام کا یہ کام نہایت مبارک اور باعزت کام ہے اور امت کو ہر دور میں کسی نہ کسی سطح پر اسے ضرور کرتے رہنا چاہیئے۔ نیز یہ کہ اس سے پہلو تہی قابل معافی نہیں ہے اور امت کے بیشتر مسائل کے حل کرنے کیلئے بھی اس جانب توجہ کرنے کی ضرورت ہے۔

اس اشاعت کے مقاصد میں سے ایک یہ بھی ہے کہ ہمارے اکابرین ملت اور علماء کرام دعوت الی اللہ کی اہمیت اور قدر و قیمت، اور اسکی شرعی حیثیت و ضرورت سے کیوں واقف نہ ہوں گے لیکن اپنے انِ اکابرین کی اس موضوع پر واضح ہدایات اور تحریرات نہ ہونے کی وجہ سے عوام اس کام کو پورے طور پر اپنانے، اور اسے اپنا مقصدِ حیات بنانے سے پہلو تہی کرتے رہے ہیں اپنے اکابرین کو اس موضوع پر اظہار خیال کی دعوت دے کر ان حضرات کو اس کام کی طرف خصوصی توجہ دلائی جاسکتی ہے اور دعوت کے اس مبارک کام کو اس کا مناسب مقام عطا کیا جاسکتا ہے۔ اس طرح عوام پر اس کا مفید اور مثبت اثر ہوگا اور یہ کارواں تیزی کے ساتھ اپنی منزل کی طرف گامزن اور رواں دواں ہو جائے گا۔

ان گذارشات کے بعد یہ شمارہ ملک کے اردو قارئین اور اصحاب ایمان و عزیمت کی خدمت میں اس امید و توقع کے ساتھ پیش کیا جارہاہے کہ اس سے ہر سطح پر فائدہ اٹھایا جائے گا۔ اور ان کے خاموش سمندر میں تلاطم برپا ہوگا اور اس کے نتیجہ میں عشق و محبت کا وہ قافلۂ سخت جاں اور جوئے شیر پیدا ہو گی جو خدا کی توفیق و تائید کے ساتھ ہر مشکل کی کشاد، ہر قفل کی کلید اور ہر درد کا درماں ہے، اور وہ توقعات پوری ہوں گی جو اکابرین امت نے اس سے وابستہ کر رکھی ہیں۔ وَ مَا ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ بِعَزِيْز

وصی احمد ندوی



امتِ مسلمہ کا سب سے اولین فریضہ

مفکرِ اسلام حضرت مولانا سیّد ابوالحسن علی ندوی دامت برکاتہم

ذیل کی تقریر حضرت مولانا مدظلہ العالی کا وہ خطبۂ صدارت ہے جو انہوں نے پھلت کے دوروزہ کثیر المقاصد اجلاس کی پہلی نشست میں پیش کیا جس میں بڑی تعداد میں علمائے کرام مشائخِ طریقت اور بزرگانِ دین کے علاوہ ہزاروں سامعین موجود تھے۔

یہ تقریر اپنی تاثیر، زورِ آفرینی، بلند ہمتی اور جرأت سے بھرپور ہے اور اس میں اسلامی دعوت کی مناسبت سے بہت سی اہم اور مفید باتیں آگئی ہیں اور جس میں حضرت مولانا مدظلہ کی دور بیں اور جہاں دیدہ نگاہوں نے اس خطرہ کا احساس کیا ہے جو اس دعوت کے فریضہ میں کوتاہی کے سبب پیدا ہوگیا ہے۔

ادارہ ارمغان اپنے موضوع کی مناسبت اور وقت کی ضرورت و اہمیت کے پیش نظر اس قیمتی ارمغان کو معمولی تبدیلیوں کے بعد بصد شکر و احترام اپنے قارئین کی خدمت میں پیش کر رہا ہے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علیٰ سید المرسلین خاتم النبیین محمد وآلہ وصحبہ اجمعین ومن تبعہم باحسان الیٰ یوم الدین ودعا بدعوتہم الیٰ یوم الدین۔ اما بعد:

فاعوذ باللہ من الشیطان الرجیم، بسم اللہ الرحمٰن الرحیم، وما ارسلناک الا رحمۃ للعالمین۔

اس دنیا کی بقا کا سبب خدا کی ارحم الراحمینی ہے

عام طور پر سمجھا جاتا ہے کہ یہ دنیا قابلیت و ذہانت، محنت و توانائی اور طاقت اور قوت ایجاد اور انتظامی سلیقہ اور حکومتوں کے انتظامات اور اداروں اور ان کی تنظیمات سے چل رہی ہے لیکن واقعہ یہ نہیں ہے، اگر دنیا اس حال پر چھوڑ دی جاتی تو معلوم نہیں کتنے بار اس پر عذاب الٰہی نازل ہوتا، ایسا عذاب نازل ہوتا کہ نسل انسانی ختم کر دی جاتی، یہ تختہ ہی الٹ دیا جاتا، اس لئے کہ اس دنیا میں ایسے ایسے مظالم ہوئے ہیں کہ جس سے رونگٹے کھڑے ہونا کوئی بات نہیں، ہمارا محاورہ ہے.. جن کی آدمی تاب نہیں لا سکتا سن نہیں سکتا۔

اس دنیا میں نسل انسانی نے اپنی نااہلی، اپنی بربریت، وحشت و سفاکی

خونریزی و خون آشامی اور مال و دولت کی حد سے بڑھی ہوئی محبت اور حیوانیت و بہیمیت بلکہ اس سے بڑھکر اگر الفاظ ہوتے جسے عربی میں سبعیت کہیں گے یعنی درندگی کے ایسے ریکارڈ قائم کئے ہیں ایسے ثبوت دیئے ہیں کہ اگر اللہ تبارک و تعالیٰ ارحم الراحمین نہ ہوتا (تو یہ دنیا اسی وقت ختم ہو جاتی) پہلی چیز جس نے اس دنیا کو بچایا وہ اللہ تبارک و تعالیٰ کی ارحم الراحمینی ہے، آپ جانتے ہیں کہ سورہ فاتحہ جو نماز میں پڑھی جاتی ہے اور اس کا پڑھنا ضروری ہے اس میں اللہ تعالیٰ نے اپنی صفات میں سے اپنے اسماءِ حسنہ میں سے ربّ العالمین کے بعد جس چیز کا انتخاب کیا ہے —— ربّ العالمین میں بھی رحمتِ الٰہی کام کر رہی ہے یعنی دنیا اہلِ جہاں اور دنیا والوں کی پرورش کرنے والا، اس کے بعد ہے الرحمٰن الرحیم وہ بڑی رحمت والا، رحمٰن و رحیم ہے، اور پھر اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم آخری پیغمبر اور محبوب ترین پیغمبر کے بارے میں صاف صاف کہا: وَمَآ اَرْسَلْنٰکَ اِلَّا رَحْمَۃً لِّلْعٰلَمِیْنَ٥

تاتاریوں کا قبولِ اسلام اور خدائی ضابطہ

دنیا کی حکومتوں کی تاریخ اور فتوحات، ملکوں پر حملے اور پھر انسانوں اور اپنے ہم جنسوں کے ساتھ طاقت وروں، حاکموں، دولت مندوں، سرمایہ داروں اور نفس پرستوں کے مظالم کی داستان اگر آپ پڑھیں گے تو آپ کہیں گے کہ یہ دنیا تو اسی وقت ختم ہو جانی چاہئے تھی۔

مثال کے طور پر میں کہتا ہوں کہ تاتاریوں نے عالم اسلام پر جو حملہ کیا ہے جب وہ ایران، عراق اور شام تک پہونچے تو ان کی سفاکی کا حال یہ تھا کہ دریائے دجلہ کبھی تو سرخ ہو جاتا تھا لوگوں کے خون سے اور کبھی کتابوں

کی سیاہی سے سیاہ ہو جاتا تھا، اور انہوں نے انسانوں کے سروں کے مینار قائم کیئے تھے، یہ چیز کافی تھی کہ کم سے کم تاتاریوں کو ختم کر دیا جاتا اور اس نسل کا ایک بچہ بھی باقی نہ رہتا لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو کھڑا کیا جن کی وجہ سے پوری تاتاری نسل نہ صرف مسلمان ہوگئی بلکہ اسلام کی محافظ بن گئی، اسی کو اقبال نے کہا ہے:

ہے عیاں آج بھی تاتار کے افسانہ سے
پاسباں مل گئے کعبہ کو صنم خانہ سے

ایسیں خود صوفیاء کرام کا اہل دل کا سب سے بڑا ہاتھ تھا، ان کے دل میں اللہ نے رحم پیدا کیا ـــــ وہ رحم جس کی آج دنیا کے تمام مسلمانوں کو خاص طور پر ہندوستان میں رہنے والے مسلمانوں کو سب سے زیادہ ضرورت ہے اور اس وقت ان کا زمانہ ان کا معاشرہ اس کا محتاج ہے وہ رحم کا جذبہ ہے، حقیقی رحم کا وہ جذبہ جو ہدایت کے لئے کوشش کرے یعنی انسانی نسل کو، اپنے زمانے کے انسانوں کو اپنے ملک کے رہنے والوں کو اللہ کے عذاب سے بچانے کی کوشش کرے۔

ایک مثالی واقعہ

ایک معمولی سا واقعہ بیان کرتا ہوں آپ نے کتابوں میں پڑھا ہوگا میری حقیر تصنیفات میں بھی اس کا تذکرہ آیا ہے کہ تاتاریوں کی ایرانی شاخ ابھی تک اپنے قدیم مذہب پر، اپنے وحشیانہ قوانین پر قائم تھی اور ایک ایسے مذہب پر جس کا نہ کوئی صحیفہ تھا نہ آسمانی تعلیمات تھیں اور نہ کوئی پیغمبر آیا تھا ـــــ ایک بار شہزادہ شکار کے لئے نکلا تھا کہ ایک بزرگ ادھر

سے گذرے، آپ جانتے ہیں کہ شکار کے بڑے آداب ہوتے ہیں، میں اپنے زمانہ میں شکاریوں کے ساتھ رہا ہوں تو اس زمانہ میں ہمارے علاقہ میں یہ بات مشہور تھی کہ جمعرات کے دن شکار نہیں ملتا، معلوم نہیں آپ کے علاقہ میں یہ بات تھی کہ نہیں لیکن ہمارے علاقہ میں یہ بات مشہور تھی، دوسرے یہ کہ اگر کسی نے چلتے وقت چاقو لے لیا تو اب شکار نہیں ملے گا، چاقو کا نام لینا نحوست تھا شکار کے لئے۔

اس زمانہ میں شہزادہ کے لئے اور تاتاریوں کے لئے سب سے زیادہ نحوست کی بات یہ تھی کہ مسلمان ایرانی نظر آجائے، مسلمان ایرانی پر نظر پڑی انہوں نے کہا اب شکار نہیں ملے گا، تو شہزادہ جس کی ابھی تاج پوشی نہیں ہوئی تھی جو ولی عہد سلطنت تھا وہ کرسی پر بیٹھا ہوا تھا، چراگاہ اور پورا میدان خالی کرایا گیا تھا، اور پہرے بٹھا دیئے گئے تھے کہ کم سے کم کوئی ایرانی مسلمان نہ آنے پائے لیکن اللہ تعالیٰ کو کچھ اور منظور تھا، اس وقت کے ایک صاحب دل ان کو خبر ملی وہ اندر آگئے اور آگے بڑھتے گئے، سپاہیوں، پہرہ داروں نے ان کو پکڑ لیا اور شہزادہ کے سامنے ان کو پیش کیا، شکل دیکھ کر وہ آگ بگولہ ہو گیا، اس نے کہا اب شکار نہیں ملے گا، کہا تم یہاں کیسے آئے، کہا کہ ہمیں یہ خبر نہیں تھی کہ آپ آج شکار کو نکلے ہیں انہوں نے کہا اچھا یہ بتاؤ کہ یہ کتا بہتر ہے یا تم بہتر ہو، اب وہ اس انتظار میں تھا کہ میں بہتر ہوں میں اشرف ہوں تو فوراً گردن اڑا دی جائے، تلوار ہاتھ میں تھی، یہ روایت انگریزی کتابوں میں ہے پروفیسر آرنلڈ نے PREACHING OF ISLAM میں لکھی ہے ایرانی ماخذوں نے اس کو جس طرح بیان کیا ہے وہ مزاج کے زیادہ مطابق ہے، وہ تصوف، فقر، درویشی، ایمان باللہ اور ایمان بالغیب کے زیادہ

مناسب ہے وہ میں بعد میں بیان کروں گا،

تو ایک انگریز مؤرخ یہی لکھتا ہے، انہوں نے کہا کہ اگر ہم کو دولت ایمان نصیب نہ ہوئی ہوتی، اللہ ہمیں ہدایت نہ دیتا، اپنے رسول پر ایمان کی توفیق نہ دیتا تو یہ کتنا افضل تھا، یہ کتنا زیادہ معزز تھا لیکن اب ہم معزز ہیں۔

اس نے کہا یہ ایمان کیا ہوتا ہے؟ اس کی تشریح کی، دین کی چند لفظوں میں ایسی تشریح کی کہ اس کے دل میں بیٹھ گئی وہ بات، مگر اس وقت اس کی ہمت نہیں ہوئی کہ ایمان لائے اس لئے کہ پھر اس کی تاج پوشی نہ ہوتی وہ محروم ہو جاتا۔

اس نے کہا کہ اچھا جب سنیں کہ میری تاج پوشی ہو گئی ہے تو مجھ سے ضرور ملیں، تو اس کے دماغ نے قبول کر لیا۔

فارسی اور ترکی ماخذوں میں اس طرح ہے کہ انہوں نے جواب دیا ابھی اس کا فیصلہ نہیں ہو سکتا، کہا کب فیصلہ ہو گا؟ انہوں نے کہا: اگر میرا خاتمہ ایمان پر ہوا، میں کلمہ پڑھتا ہوا دنیا سے رخصت ہوا تو میں افضل ہوں گا ورنہ یہ کتا افضل ہو گا۔

اس کے بعد وہ انتظار میں رہے کہ یہ خبر سننے میں آئے کہ تاج پوشی ہو گئی ہے مگر یہ ان کی قسمت میں نہیں تھا ان کے بیٹے کی قسمت میں تھا بیٹے کو بلایا اور کہا: دیکھو بیٹا اللہ تعالٰی نے ایک بڑا موقع دیا ہے اور بہت بڑا شکر و اعزاز، جب تغلق تیمور کی تاج پوشی ہو تو جانا اور یہ واقعہ یاد دلانا چنانچہ جب وہاں پہونچے وہاں ان کو کون جانتا تھا، لیکن وہ دیکھتے رہے۔ باہر دور محل سے دور کھڑے ہو کر انہوں نے صبح کی اذان دی، آواز پہونچ گئی کہا یہ کون شخص ہے؟ کہا: ایک مجذوب ہے، اٹھتا بیٹھتا ہے اور کچھ کہتا ہے

کہا بلا لاؤ، وہ بلائے گئے، انھوں نے کہا تم کیسے آئے؟ انھوں نے کہا میں ایک گواہی دینے کے لئے آیا ہوں کہ میرے والد آپ سے ملے تھے وہ اس دنیا سے کلمہ پڑھتے ہوئے رخصت ہوئے، ایمان پر گئے۔

تاتاریوں کے ظلم کی ایک مثال

میں ایک واقعہ سناتا ہوں، تاتاریوں نے جو مظالم کئے اگر آپ تاریخ پڑھیں، گبن نے DECLINE AND FAL OF THE ROMAN EMPIRE میں لکھا ہے، مستند کتاب ہے، جب امراء کے یہاں دعوت ہوتی تھی تو اس میں بجائے چراغ جلانے اور شمع روشن ہونے کے غلاموں کو بلایا جاتا تھا، جیل خانہ سے ان کو بلایا جاتا تھا اور ان کے کپڑوں میں آگ لگادی جاتی تھی اس سے روشنی ہوتی تھی، اس روشنی میں کھانا کھایا جاتا تھا اور یہ بڑی عزت کی بات سمجھی جاتی تھی ـــــ ایک چراغ جلا لیا یہ کیا بڑی بات تھی یہ تو ایک غریب آدمی بھی کرسکتا ہے ـــــ تو ایک آدمی مرا، ایک آدمی جل کر خاک ہوا، دوسرا بلایا گیا اور اس میں آگ لگائی گئی اور وہ راکھ ہوا، کھانا چلتا تھا اور سب بڑے اطمینان سے باتیں کرتے تھے گپ کرتے تھے اور کھانا کھاتے تھے، یہ تو ایک مثال ہے ایسی سیکڑوں مثالیں دی جاسکتی ہیں کہ داعیوں کے سلسلے میں کیسے کیسے ظلم ہوئے ہیں، اور ایران کی قدیم تاریخ میں نوشیروانِ عادل کے زمانے میں کیسے واقعات لکھے ہوئے ہیں۔

جذبہ رحمت کی کرشمہ سازی

میں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ اگر اللہ تبارک وتعالیٰ کی رحمت نہ

ہوتی اور پھر اللہ نے انبیاء علیہم السلام کی شکل میں جو رحمت بھیجی ہدایت پہونچانے کی، انسانیت پر غم کھانے کی، انسانیت کے درد میں بے چین رہنے اور تڑپنے کی، ان کے لئے دعا کرنے اور ان کے لئے اپنے کھانے پینے اور راحت کو بھول جانے کی اور ان کے لئے اپنی جان، اپنے خاندان کو مصیبت میں ڈالنے کی انبیاء علیہم السلام میں اگر صفت یہ نہ ہوتی اور آخیر میں اگر اس امت میں رحم کی یہ صفت نہ ہوتی جس کا سب سے بڑا میدان، سب سے بڑا مصرف اور اس کے استعمال کا سب سے بڑا مقام و موقعہ ہدایت پہونچانا ہے، اللہ کا پیغام پہونچانا، انسانوں کو غیر اللہ کی بندگی سے، پرستش سے، نفس پرستی، حیوانیت، درندگی، سفاکی، خونریزی، دولت پرستی، رشوت خوری، اخلاق قبیحہ اور اخلاق ذمیمہ سے نکالنا ہے۔

اور جو ان کا دل خون کے آنسو روتا تھا، ان کا دل پگھلا جاتا تھا راتوں کو وہ سو نہیں سکتے تھے، کھانے میں مزہ نہیں آتا تھا، اگر اس امت میں دعوت دینے کی یہ حرص لوگوں کو اللہ کے غضب سے بچانے، اللہ کے عذاب سے چھڑانے کی اور صحیح اطاعت کی، بندگی کی، شرافت کی حمیت کی، اخلاق کی زندگی گزارنے کی اگر عادت نہ ہوتی، یہ سلسلہ نہ ہوتا تو یہ دنیا کب کی ختم ہو چکی ہوتی۔

میں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ اس وقت مسلمانوں کو اس چیز کی سخت ضرورت ہے، دنیا کے ہر ملک کو، کرۂ ارض کو، اس پورے گلوب کو اس کی ضرورت ہے۔

پوری انسانیت پس رہی ہے امریکہ سے لے کر روس کے آخری کنارے تک اور مشرق بعید سے لے کر مغرب بعید کونے تک، ایک سرے

سے لے کر دوسرے سرے تک بڑی سے بڑی مہذب قومیں اور تعلیم یافتہ قومیں زمین اور آسمان کے درمیان اڑ رہی ہیں اور جنہوں نے کیسی کیسی چیزوں کو اپنے قابو میں کرلیا ہے، سائنس کے عجائبات دکھائے ہیں (اٹیمک انرجی بھی اس کی ایک قسم ہے) سب کو قابو میں کرلیا ہے اس سب کے ساتھ یہ دنیا خطرہ میں رہے گی خطرہ میں ہے اگر مسلمانوں کے اندر رحمت کا وہ جوش، وہ جذبۂ ہدایت اور اللہ کا پیغام پہونچانے کا وہ جذبہ نہ ہو اور انسانیت کو حیوانی زندگی سے خطرہ ہے اور اس کے لئے حیوانی کا لفظ بھی کافی نہیں ہے اس کے لئے سچ پوچھئے تو لغت میں کوئی لفظ ہی نہیں ہے میں جن زبانوں سے واقف ہوں مجھے ان زبانوں میں کوئی لفظ نہیں ملتا، یعنی ایسی پستی، ایسی ذلت، ایسا مسخ ہوجانا، ایسا درندہ صفت انسان بن جانا کہ اس کے اندر انسانیت کی کوئی بات نہ ہو، اس سے ممالک خطرہ میں ہیں، معاشرے اور سوسائٹیاں خطرہ میں ہیں، ہمارا ملک کیا پوری دنیا خطرہ میں ہے، امریکہ اور یورپ خطرہ میں ہے ہم بار بار دیکھ کر آئے، ہم نے وہاں کا لٹریچر پڑھا، وہاں کی ترقیاں معلوم کیں، سب شدید خطرہ میں ہیں اگر مسلمانوں میں رحمت کا وہ جذبہ نہ ہو جس کو اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا رَحْمَةً لِّلْعَالَمِينَ

اور حضورؐ نے فرمایا:

الراحمون یرحمھم اللہ تبارک وتعالیٰ ارحموا من فی الارض یرحمکم من فی السماء

رحم کرنے والوں پر وہ رحم کھاتا ہے جو رحمٰن ہے، تم زمین والوں پر رحم کرو تم پر وہ رحم کرے گا جو آسمان میں ہے۔

اسلامی فتوحات میں جذبۂ دعوت کی ایک مثال

مسلمانوں میں جو جذبہ تھا اور اسلامی فتوحات جن کے بارے میں لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ یہ ملک گیری کی ایک کوشش تھی ملکوں پر قبضہ کرنا، اس کے بعد وہاں کی جو دولتیں ہیں جو خزانے اور جو سرمائے ہیں جو اس ملک کی خوبیاں ہیں اور جو پیداوار ہے اس سب سے فائدہ اٹھانے کا جذبہ تھا۔

لیکن مسلمانوں کا یہ مقصد نہیں تھا اس کے لئے صرف ایک واقعہ آپکو سناتا ہوں۔

رستم جس کا نام آپ نے سنا ہوگا جس کے نام پر لوگ اپنے بچوں کا نام رستم رکھ دیتے ہیں جو دنیا میں سب سے زیادہ شہ زور مشہور تھا، وہ جنرل تھا بادشاہ رستم کوئی بعد میں ہوا ہوگا وہ ایرانی افواج کا جنرل انچیف تھا جب مسلمان فوجیں عراق کی طرف بڑھیں تو انھیں روکنے کے لئے اسے ایران کی طرف بھیجا گیا، اس کے دل میں یہ آیا کہ میں ان سے پوچھ لوں کہ یہ لوگ کس مقصد سے آگے بڑھے ہیں اس نے سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کو (جو عشرہ مبشرہ میں سے ہیں) پیغام بھیجا کہ آپ کسی کو ہمارے دیار میں بھیج دیجئے ہم ذرا اس سے کچھ سوالات کرنا چاہتے ہیں کچھ سمجھنا چاہتے ہیں۔

حضرت سعد بن ابی وقاص نے بغیر کسی انتخاب اور مشورہ کے کہ ایسا سمجھ دار حاضر جواب، ایسا فرزانہ ودانا اور ذہین آدمی بھیجا جائے جو اس کے سوالات کا جواب دے سکے، یہ بڑا اہم وقت تھا لیکن مسلمانوں کو اس کی ضرورت نہیں تھی سب پر اعتماد تھا، ایک قدر مشترک تھی، ایک چیز تھی جو سب میں پائی جاتی تھی، وہ تھی سلامتی فکر اور

صداقت، سچ بولنے کی جرأت، حق کہنے کی عادت اور خدا کے سوا کسی سے نہ ڈرنے کی صفت اور رحم و کرم کا جذبہ۔

سیدنا ربعی بن عامر ایک جاہل تھے ان سے کہا آپ جائیے اور جو رستم سوال کرے اس کا جواب دینا۔

رستم نے سب سے پہلے کہا 'ما الذی جاء بکم، میں عربی میں کہہ رہا ہوں اس وقت فارسی میں کہا ہوگا ترجمہ کیا گیا ہوگا، تم کیسے آئے؟

سن لیجئے وہ اس جواب کا منتظر تھا کہ ہم عرب کی سرزمین میں جہاں نہ کوئی ذریعہ ہے نہ کوئی باغات ہیں، ہم اس زمین میں رہتے رہتے تنگ آگئے ہیں، صدیوں سے ہم وہاں رہ رہے ہیں، خیموں کی زندگی ہے، اونٹ کا دودھ اور گوشت یہ کھانے کو ملتا ہے، نہ وہاں لباسوں کا تنوع ہے نہ کھانے کی قسمیں ہیں، آخر کب تک ہم اس حالت میں رہتے آپ یہاں جو گل چھرے اڑا رہے ہیں، جو عیش کر رہے ہیں، یہاں جو دولتوں کے دریا بہہ رہے ہیں اور یہاں ہر روز روزِ عید اور ہر شب شب برات کا جو منظر ہے ہم اسمیں سے کچھ حصہ لیں۔

لیکن نہیں! جو تربیت ان کی کی گئی تھی، غالباً صحابی تھے، انہوں نے کہا: اللہ ابتعثنا پہلی غلطی تو یہ ہے کہ آپ مجھے معاف کریں کہ آپ کہتے ہیں کون چیز تم کو لائی، ہم خود نہیں آئے ہم کو بھیجا گیا ہے، ہمیں اللہ نے بھیجا ہے:

لنخرج من شاء من عبادة	تا کہ ہم نکالیں اس شخص کو جس
العباد الی عبادة اللہ وحدہ	کو اللہ چاہے بندوں کی بندگی سے
ومن ضیق الدنیا الی	خدائے واحد کی بندگی کی طرف

وسعت ہا، اور دنیا کی تنگی سے اس کی وسعت کیطرف

یہ بات سوچنے کی ہے کہ کیسے ان کی زبان سے یہ بات نکلی یہ جملہ نکلا جو معانی و مطالب سے لبریز ہے، جو ایک فطری انقلاب، ایک انکشاف ہے، ایک پہیلی ہے، انہوں نے کہا ہم اپنے اوپر رحم کھا کر نہیں نکلے، آپ پر رحم کھا کے نکلے ہیں، آپ پر رحم کھانے کا جذبہ ہمیں یہاں لایا ہے کہ آپ لوگ بلبل کی طرح پنجرہ میں بند ہیں کہ وہ بلبل گائے اور لوگ سنیں، اور لطف اٹھائیں، اندر پانی ڈال دیا گیا اور کھانے کے لئے کچھ دانے ڈال دیئے گئے، تو آپ کی حالت یہ ہے کہ آپ غلاموں کے محتاج، نوکروں کے محتاج کپڑوں کے محتاج،

شاہ ولی اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ، اللہ ان کے مراتب بلند فرمائے اور یہاں پھلت میں ان کا نام لینے میں بھی خاص عزت اور لذت ہے انہوں نے لکھا ہے کہ جس کے سر پر ایک لاکھ کا تاج، جس کے گلے میں پٹکا یا ٹوپی نہیں ہوتی تھی اس کو لوگ حقیر سمجھتے تھے اس کو اپنے پاس بٹھانے کے قابل نہیں سمجھتے تھے اور جس کے پاس ایک لاکھ کا وہ نہ ہو اور بھی کئی چیزیں لکھی ہیں آب زن اور حمام نہیں ہوتے تھے اس کو آدمی نہیں سمجھتے تھے۔

تو انہوں نے (ربعی بن عامر) کہا: دنیا کے کسی دربار میں ایسا جواب نہیں دیا گیا ہوگا، ایسا خلاف توقع اور بالکل پہیلی بلکہ ایک ایسا موتی، ایک ایسا لعل و جواہر لایا گیا جو بادشاہوں کے خزانہ میں بھی نہیں ملتا، انہوں نے کہا معاف کیجئے گا ہم خود نہیں آئے اللہ نے ہم کو بھیجا اللہ ابتعثنا نہیں کہا ابتعثنا کہا اس لئے کہ بعثت تو

انبیاء علیہم السلام کے ساتھ ہوتی ہے۔

ایک ایک لفظ سوچا ہوا معلوم ہوتا ہے جیسے پہلے سے ان کو معلوم تھا کہ رستم یہ سوال کرے گا اور انہوں نے تمام عقلمندوں کو جمع کیا۔

صحابہ کرام بڑے بڑے پڑھے لکھے لوگ اور ذہین تھے کہ بتائیے اگر اس نے یہ پوچھا تو کیا جواب دینا چاہیئے، انہوں نے کچھ نہیں کیا وہ ویسے ہی چلے آئے پھر صرف یہ نہیں کہا لِنُخْرِجَ تاکہ ہم نکالیں اسمیں ذراسی انانیت اور اپنے نفس پر اعتماد ظاہر ہوتا ہے انہوں نے کہا لنخرج من شاء تاکہ ہم نکالیں اس کو جس کو خدا چاہے بندوں کی بندگی سے خدائے واحد کی بندگی کی طرف اور من ضیق الدنیا الیٰ سعتھا اور دنیا کی تنگی سے دنیا کی وسعت کی طرف لائیں۔

اب سوچنے کی بات ہے رستم پوچھتا اچھا تم وسعت میں تھے اور ہم تنگی میں ہیں، ہمارے کھانے کے انواع واقسام دیکھو، ہمارے درباروں کی شان دیکھو، ہمارے محلوں کی وسعت دیکھو، ہماری سلطنت کے حدود دیکھو، کہاں سے کہاں پہونچ گئے، آدھی دنیا پر ہمارا قبضہ ہے تو ہم تنگی میں تھے اور تم وسعت میں تھے، تمہیں رحم آیا تاکہ تم ہم کو اس تنگی سے نکال کر اس وسعت میں لے جاؤ تم کس وسعت میں تھے جسمیں تم ہم کو داخل کرنا چاہتے ہو، اور ہم کس تنگی میں تھے۔

خود ساختہ تمدن کی غلامی

انہوں نے کہا آپ کی مثال تو ایسی ہے جیسے ایک خوش الحان چڑیا، بلبل پنجرہ کے اندر ہو وہ پانی کی محتاج، دانے کی محتاج تو آپ کا

بھی یہی حال ہے غلاموں کے بغیر آپ ہل نہیں سکتے، چل نہیں سکتے، کھانا نہیں کھا سکتے، جب وہ سب کچھ انتظام کریں تب آپ تیار ہیں ہاتھ بڑھایا اور منھ میں رکھ لیا، ویسے آپ کوئی بھی کام نہیں کرسکتے، اس کا نمونہ یہ دیکھئے کہ جب کسریٰ گیا ہے ایران، سلطنت سے مایوس ہوکر کہ اس پر اب عربوں کا قبضہ ہوگا، ہم رہ نہیں سکیں گے اگر گرفتار ہوجائیں گے تو معتبر تاریخوں میں لکھا ہے کہ ایک ہزار گویّے اپنے ساتھ لے گیا، ایک ہزار شکرہ کے پالنے والے لے گیا، ایک ہزار باورچی اپنے ساتھ لے گیا اور کہتا تھا افوہ اتنے معمولی اسٹاف سے میں کیسے گذارہ کروں گا، میں اتنا چھوٹا عملہ لے جارہا ہوں راستہ میں پیاس لگی، تاریخ میں آتا ہے (غالباً تاریخ طبری میں) کہ وہ بہت پیاسا تھا، ایک غریب آدمی کے دروازہ پر گیا، کہلوایا کہ ذرا پانی دیدو، پانی جو آیا گلاس میں، یا اس وقت جو برتن چلتا تھا، اس نے کہا میں تو پیاسا مرجاؤں گا، اس میں پانی نہیں پی سکتا، یہ تو حالت تھی ان کی غلامی کی، وہ ایک ایک چیز کے غلام تھے، برتنوں کے غلام، نوکروں کے غلام، کپڑوں کے غلام، رسموں کے غلام، آداب شاہی کے غلام، اور مکھی بھی بغیر کسی دوسرے کی مدد کے نہیں اڑا سکتے وہی پنکھا جھلیں وہی اٹھائیں وہ سہارا دیں وہ سواری لائیں، وہی دستر خوان لگائیں، ہر چیز میں ان کے محتاج۔

انہوں نے کہا ہم اپنے اوپر رحم کھا کر نہیں آئے آپ پر رحم کھا کر آئے ہیں تا کہ ہم آپ کو اس جیل خانہ سے نکال کر اللہ کی پیدا کی ہوئی وسعتوں سے آشنا بنائیں اور اس کھلے میدان میں لائیں۔ آسمان

کے نیچے لائیں جہاں آپ آزادی کے ساتھ ہوا کھائیں اور زندگی کا لطف اٹھائیں۔

تو میں یہ کہہ رہا تھا کہ جس چیز نے دنیا کو اس وقت تک قائم رکھا ہے جو لوگ دیانت داری کے ساتھ تاریخ پڑھتے ہیں اور دین کی دی ہوئی روشنی اور بصیرت کے ساتھ پڑھتے ہیں وہ لوگ جانتے ہیں کہ اس وقت تک جو دنیا قائم ہے یہ نہ اپنی محنت اور قابلیت کی وجہ سے ہے نہ موجدوں کی ایجاد کے نتیجہ میں، نہ حسن انتظام کے نتیجہ میں اور نہ حکومتوں کے نظامات کے نتیجہ میں، نسل انسانی جو اس وقت تک باقی ہے اور اس کو اس وقت تک باقی رہنے کا حق دیا گیا ہے اور اس کو فنا نہیں کیا گیا، کیسے کیسے تاتاری حملے ہوئے کہ ایک قوم نے دوسری قوم کو فتح کرنے کے بعد کیا کیا۔

ان الملوک اذا دخلوا قریۃ افسدوھا وجعلوا اعزۃ اھلھا اذلۃ وکذلک یفعلون ○

اللہ فرماتا ہے کہ بادشاہوں کا شیوہ یہ ہے کہ جب کسی بستی میں داخل ہوتے ہیں تو اس کو بگاڑ کر رکھ دیتے ہیں اس کا ستیاناس کر دیتے ہیں اور وہاں کے معزز لوگوں کو ذلیل کر دیتے ہیں اور یہی ان کا شیوہ ہے۔

تو اگر اس دنیا کو اپنی قابلیتوں پر، اپنی صنعتوں پر، اپنی جائیدادوں پر، اپنی ذہانت پر، اپنی معلومات پر، اپنے بڑے بڑے عالموں، دانشوروں اور ادیبوں، فلسفیوں اور دانشوروں کے رحم و کرم پر چھوڑ دیا جاتا اور حوالہ کر دیا جاتا تو کب کی یہ نسل ختم کر دی جاتی

لیکن یہ کیوں باقی ہے ، اس لئے کہ ابھی ہدایت کے امکانات ہیں ، ابھی وہ امت باقی ہے جو ہدایت کا سبق دینے والی ہے، ہدایت کا تحفہ دینے والی ہے ، انسانیت پر رحم کھانے والی ہے اور لوگوں کو راحت و آرام دینے کے لئے اپنی راحت کو قربان کرنے والی ہے ، یہ صفت زیادہ ضروری ہے ، یہ نہ صرف مسلمانوں کے لئے ضروری ہے بلکہ عالم انسانی کے لئے ضروری ہے ، نسلِ انسانی اور بشریت کے لئے ضروری ہے اور دنیا کی بقا کے لئے ضروری ہے ، میں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ مسلمان اپنے اندر یہ صفت پیدا کریں ۔

خدا کی خدائی کا ڈنکا بجے

سب سے زیادہ جس چیز کی ضرورت ہے ، جس چیز کی کمی ہے وہ یہ ہے کہ مسلمانوں نے اپنا منصب فراموش کردیا، آپ معاف کریں مسلمان تو اس لئے تھے کہ مسلمان جس ملک میں جائیں اس ملک میں خدا کی خدائی کا ڈنکا بجے اور وہاں جو غیر اللہ کی پرستش ہوتی ہے وہ مٹ جائے وہ فراموش ہوجائے ، وہ ایک تاریخی افسانہ بن جائے ، لوگ کہیں کہ کیا ایسا ہوسکتا ہے مسلمان اس لئے تھے کہ جس ملک میں وہ قدم رکھیں وہاں ظلم کا خاتمہ ہوجائے وہاں درندگی کا خاتمہ ہوجائے اور نفس پرستی کا خاتمہ ہوجائے، شہوانیت کا خاتمہ ہوجائے ، جنسی بے راہ روی اور انحرافات کا خاتمہ ہوجائے ۔

مادیت اور نفس پرستی کا سِکّہ

انسان کو محض ایک شکار سمجھنا ، اس کو محض اپنے فائدہ کے لئے

استعمال کرنا یہی قیمت انسان کی ہے کہ ہم اس سے کیا فائدہ اٹھا سکتے ہیں اس کو مجبور بنا کر کتنا کما سکتے ہیں ، اس کو مجبور بنا کر کتنا فائدہ اٹھا سکتے ہیں آج ساری دنیا میں ، مغربی دنیا کے اس سرے سے لیکر مشرقی دنیا کے اس سرے تک ایک سکہ چل رہا ہے ، یہ امریکہ کا وہ سکہ نہیں ہے جو وہاں چلتا ہے یہ انگلستان کا سکہ نہیں ہے ، یہ پاؤنڈ یہ شلنگ نہیں ہے ، یہ سکہ جو چل رہا ہے دنیا کے اس سرے سے اس سرے تک وہ سکہ ہے دنیا سے انتفاع کا ، نفع اٹھانے کا اور اپنے نفس کی تسکین کا ، اپنی خواہشات کو پورا کرنے کا ، یہ سکہ بلا امتیاز ہے اس میں کوئی قید نہیں ہے کہ یہ مغربی ملک ہے یہ مشرقی ملک ہے ، یا چین وجاپان ہے ، یہ سکہ عالم گیر سکہ ہے ، پوری روئے زمین پر جس کا چلن ہر جگہ ہے ، اور کوئی نہیں کہے گا کہ یہ سکہ یہاں نہیں چلے گا ، اگر آپ اپنے ملک کا روپیہ یا نوٹ لے جائیں تو جیسے جدّہ یا دبئی ایرپورٹ پر پہونچیں گے آپ واشنگٹن ، نیویارک یا کیمبرج پہونچیں گے تو لوگ کہیں گے یہ سکہ یہاں نہیں چلتا ۔

وہ سکہ ہے نفس پرستی کا سکہ ، خدا فراموشی کا سکہ اور نفع اٹھانے کا سکہ ، اپنے جذبہ کو اور اپنے نفس کی خواہش کو تسکین دینے کا سکہ ، یعنی کسی طریقہ سے ہمیں نفع ہو جائے اور ہمیں لطف آجائے ، ہمیں مزہ آجائے ، کچھ چٹخارہ ملے ، کچھ ہماری ملکیت اور دولت میں اضافہ ہو جائے ، اسی لئے رشوت خوری کا بازار گرم ہے اور اس کے لئے ظلم وستم کے دریا بہہ رہے ہیں ، میں نے بتایا آپ کو کہ جیل خانہ کے لوگوں کو بلا کر جلاتے اور آگ لگاتے اور ان کی روشنی میں کھانا کھاتے تھے ، آج یہ بات اتنی تو نہیں لیکن آج انسانیت کو جلا کر اس کی روشنی میں کام ہو رہا ہے ، آپ انسان کو چھوڑ دیجئے آج

انسانیت کو جلا کر اس کی روشنی میں کھانا کھایا جا رہا ہے، شاہانہ دعوتیں ہو رہی ہیں، بڑے بڑے ڈنر ہو رہے ہیں، بڑے بڑے سفیروں کے استقبال ہو رہے ہیں، حکومتوں کے تعلقات ایک دوسرے کے ساتھ قائم ہیں یہ سب انسان کے حقوق کو پامال کر کے اور عام انسانوں کو اور ملک کے باشندوں کو تکلیف میں مبتلا کر کے، اس کو فاقہ دے کر کے اور ان کی جیبیں کاٹ کاٹ کر آج دنیا میں عیش کرنے کا رجحان ہے، یہ وہ سکہ ہے جو عالم گیر سکہ ہے یونیورسل سکہ ہے اس کو کوئی رد نہیں کر سکتا، کوئی نہیں کہہ سکتا کہ یہ سکہ یہاں نہیں چلے گا۔

بس حضرات! مجھے آپ سے یہ کہنا ہے کہ آج اللہ تعالیٰ کی رحمت کو حاصل کرنے کے لئے بھی اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی رحمت للعالمینی کا ثبوت دینے کیلئے بھی، آپ کی روح کو خوش کرنے کے لئے اور ملک کو بچانے کے لئے اور اس معاشرہ کو جو اس وقت کی تہذیب ہے، سوسائٹی ہے، اسوقت کا جو چلن ہے، جو بول چال ہے وہ بہت خطرناک ہے اگر اسمیں اب اور اضافہ ہوا اور مسلمانوں نے ہدایت اور نمونہ بننے کا کام اور ”کنتم خیر امۃ اخرجت للناس“ کا منصب اگر اس امت نے بھلا دیا اور اسمیں کمی رکھی اور اس کی طرف توجہ نہیں کی تو یاد رکھئے نہ یہ ملک بچے گا نہ یہ تہذیب بچے گی اور نہ پھر ہم بچیں گے۔

مومن فقط احکام الٰہی کا ہے پابند

انسان پیسے کا غلام نہیں ہے، انسان نفس کا غلام نہیں ہے، انسان عورت کا غلام نہیں ہے، انسان عزت کا غلام نہیں ہے اور انسان

پر جس طرح بندگی ہوتی ہے اس طرح حکومتوں کی بھی بندگی ہوتی ہے انسان صرف خدائے واحد کا غلام ہے، اس کا عبد ہے اس کا پرستار ہے، اور اس کا فرماں بردار ہے، صرف پرستار ہونا کافی نہیں، فرمانبردار ہونا بھی ضروری ہے، بس یہ چیز ہے جس کی اس کو ضرورت ہے اور یہ سب سے بڑا احسان ہوگا، اور یہ احسان صرف اس ملک پر نہیں ہوگا بلکہ انسانیت پر ہوگا اور اپنے اوپر بھی ہوگا، یہ امت جب ہی اپنا جواب ثابت کر سکے گی، اپنی فضیلت ثابت کر سکے گی۔

ہدایت و تبلیغ کے بغیر یہ زندگی حیوانی زندگی ہے

خواہ کتنے بڑے مدرسے ہوں (ہم خود مدرسے کے آدمی ہیں) کیسی جامعات ہوں، کیسی علمی تحقیقات ہوں۔ کیسے کیسے دار النشر ہوں اور کیسے کیسے محقق اور مصنف ہوں اور کیسے با خدا بندے ہوں اس کو بھی میں کہتا ہوں لیکن اگر مسلمانوں نے یہ ہدایت و تبلیغ کا کام چھوڑ دیا کہ یہاں کے عام باشندوں اور اکثریت کے سامنے یہ بات نہیں آئی کہ یہ زندگی جو ہم گذار رہے ہیں، یہ زندگی حیوانی زندگی ہے نفسانی زندگی ہے اور کہیں کہیں شیطانی زندگی ہے، آخر زندگی تو وہ ہے جو خدا کے فرمان کے مطابق گذاری جائے، اسی کے سامنے سر بسجود ہوں، اسی سے مانگیں، اسی کے سامنے ہاتھ پھیلائیں اس کے بندوں سے محبت کریں جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا حدیث قدسی ہے:

اَلرَّاحِمُوْنَ یَرْحَمُهُمُ اللّٰهُ تَبَارَكَ وَتَعَالٰی اِرْحَمُوْا مَنْ فِی الْاَرْضِ یَرْحَمْکُمْ مَنْ فِی السَّمَاءِ۔

رحم کرنے والوں پر وہ رحم کھاتا ہے جس کا نام رحمٰن ہے اسکی صفت رحمٰن ہے تم زمین والوں پر رحم کرو آسمان والا تم پر رحم کرے گا۔

کرو مہربانی تم اھلِ زمیں پر
خدا مہرباں ہوگا عرشِ بریں پر

یہاں حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ امام المتاخرین اور جامع العلوم والکمالات اور اپنے وقت کے ایک مجتہد اور مجدد جن کی ذات اور خاندان سے اس زمین کو نسبت ہے وہاں یہ بات بالکل مناسب اور اس کا کہنا بالکل موزوں ہے کہ مسلمان اپنا یہ فرض بھول گئے ہیں، مسلمان سب کچھ کریں گے لیکن خود نمونہ پیش نہیں کرتے اور کہتے نہیں یہ غلط ہے یہ صحیح ہے، یہ برا ہے، یہ خطرناک ہے، اور بغیر کسی نفع کے خیال کے نہ کسی سے سیاسی فائدہ اٹھانا ہے نہ عرفی اور اخلاقی فائدہ۔

وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا رَحْمَةً لِّلْعَالَمِيْنَ — ہم نے نہیں بھیجا آپ کو مگر ساری دنیا والوں کے لئے رحمت بنا کر۔

رحمت للعالمین کی امت ہونے کی وجہ سے پھر دنیا والوں کو آپ کیوں بھول گئے، یہ دنیا والے جو ہمارے چاروں طرف ہیں انھیں ہم کیوں بھولے ہوئے ہیں، ان کے سامنے خدا کا پیغام پہونچایئے اور زندگی کا نمونہ ان کے سامنے رکھئے بلکہ ان کے سامنے ایسی زندگی آئے جس کو دیکھ کر وہ متاثر ہوں، وہ خود بخود اس کے عاشق بن جائیں، آپ کے پروانے بن جائیں اور آپ سے کہیں کہ ہمیں بھی ایسا ہی بنالو، اپنے اس ایمانی عملی اور اخلاقی خاندان میں ہمیں شامل کرلو۔

کیا بات تھی کہ خواجہ معین الدین چشتی رحمۃ اللہ علیہ نے ہندوستان کے دل کو جیت لیا اور فتح کرلیا ہندوستان کو پورے طور پر، بادشاہوں نے اس کو فتح نہیں کیا، آخر یہاں پر اسلام کی جڑ جمانے والے اور اسلام کو

پھیلانے والے یہ صوفیاء کرام تھے ، انہوں نے نمونہ دکھلایا اخلاق کا، جن کے گھروں میں گنجائش نہ تھی عوام جن کو اپنے یہاں رکھنے کے لئے تیار نہ تھے ان کو اپنے سینے سے لگایا ان کو گود میں بٹھایا ان کو اپنے سایہ کے نیچے رکھا ان کو تعلیم دی اور عالم بنایا، عارف بنایا اور بعض اوقات تو ولی بھی بنایا اللہ کے حکم اور اجازت سے۔

میرے بھائیو! یہ بات یہاں سے شروع ہونی چاہیئے، الحمدللہ اس کام کا یہاں سے آغاز بھی ہوا ہے کہ آپ ایک تو اپنے غیر مسلم بھائیوں کے سامنے نمونہ بنیں، درس دیں اخلاقی بلندی کا، خلوص کا، خداترسی کا، خدا سے ڈرنے کا اور آخرت پر ایمان رکھنے کا، یہ نمونہ غیر مسلموں کے سامنے آئے، بھائی یہ بات تو وہی کرسکتا ہے جو اس زندگی کے بعد کسی اور زندگی کا قائل ہو، آج ہم بالکل اس طرح مل گئے ہیں، اس طرح ہم صورت ہم سیرت بن گئے ہیں کہ فرق ہی نہیں معلوم ہوتا۔

مسلمان تو وہ ہے جو اپنے اخلاق سے پہچانا جائے، اپنے اقدار سے پہچانا جائے، اپنی خیر خواہی سے پہچانا جائے، اپنے ایثار و قربانی سے پہچانا جائے، اپنے نفس پر دوسروں کو ترجیح دے۔

يُؤْثِرُوْنَ عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ — وہ لوگ ہیں جو اپنی جانوں پر دوسروں کو ترجیح دیتے ہیں چاہے کتنی تنگی ہو۔

یہ نمونہ اگر غیر مسلم بھائیوں کے سامنے ہوتا تو یہ ملک سارا کا سارا مسلمان ہوتا، اس وقت تو اس کی ضرورت ہے کہ آپ نمونہ بنیں اسلام کا، اسلام کے صرف عقیدہ کا نہیں، اسلامی اخلاق کا، اسلامی سیرت کا اور اسلامی اثرات کا آپ نمونہ بنیں اور دوسری طرف آپ ان کی زبان میں ان کی

ایسی زبان میں جس کو وہ سمجھیں اور

کلموا الناس علیٰ قدر عقولھم لوگوں سے بات کرو ان کی عقل کے مطابق

کے طرز پر، زبان سے مراد اردو اور ہندی نہیں ہے، ایک زبان وہ ہوتی ہے جو اظہار مسلک کے لئے استعمال ہوتی ہے ہر اس چیز کی طرح جس سے کام لیا جاتا ہے اس طرح آپ ان کے لئے نمونہ بنیں، اس پر فخر نہیں کرنا چاہیئے نہ دعویٰ کرنا چاہیئے کہ مسلمانوں کی تعداد بڑھ جائے گی، تعداد بڑھنا کوئی چیز نہیں ہے۔ نہیں بلکہ اس ملک پر اللہ کی رحمتیں نازل ہوں گی اس ملک میں پھر اولیاء اللہ پیدا ہوں گے، عارفین پیدا ہوں گے، اس ملک سے بلائیں ہٹیں گی، ملک کی یہ فساد، خون ریزی اور ان رنج دشمنی کی فضا ختم ہوگی، یہ ملک امن کا گہوارہ اور گلدستہ بن جائے گا، مسلمانوں کا بحیثیت رحمۃ للعالمین اور بحیثیت عبادِ ارحم الراحمین یہ فریضہ ہے اس فریضہ کو اپنے ہاتھ میں لینا چاہیئے اور اللہ کے بھروسہ پر اپنی اپنی استعداد کے مطابق اپنے اپنے تعلقات اور امکانات کے مطابق اس فریضہ کو انجام دینا چاہیئے۔

وہ جانتے ہیں کہ صرف دنیا میں چند حقیقتیں ہیں، پیسہ ایک حقیقت ہے، عہدہ ایک حقیقت ہے، طاقت ایک حقیقت ہے اور لذت ایک حقیقت ہے یونان کا ایک فلسفہ تھا، وہاں کا اسکول تھا کہ یہاں کسی چیز کے اچھے برے ہونے کا معیار کیا ہے جسمیں مزہ آئے، لذت آئے تو وہ چیز اچھی ہے، ایک دوسرا اسکول اور مکتب خیال تھا کہ جسمیں نفع ہو وہ چیز اچھی ہے، بس دو معیار تھے کسی چیز کے حسن و قبح کے، اچھے اور برے ہونے کے، جسمیں کچھ مزہ آئے، جسمیں کچھ لطف آئے کام و دہن کو جسمیں لذت ملے، آج یہی ہوگیا ہے۔

آپ بالکل نیا تجربہ لوگوں کے سامنے رکھئے، دولت آرہی ہے ہم آنکھ بند کرکے نہیں لے سکتے، ہمیں فائدہ اٹھانے کا یہ موقع مل رہا تھا ہم نہیں لے سکے، اس لئے کہ اسمیں دوسرے کا نقصان ہے، ہم خیال کرتے ہیں ہم دوسروں کے فائدہ کو دیکھتے ہیں، ہم بھوکے رہتے ہیں، دوسروں کو کھلاتے ہیں، ہم پیاسے رہتے ہیں دوسروں کو پلاتے ہیں ہم بغیر اس خیال کے کہ وہ ہندو ہے سکھ ہے یا عیسائی ہے ہم اس کو خطرہ سے نکالتے ہیں۔

آج حالت یہ ہے کہ ہوائی جہاز گرجاتے ہیں اور اسمیں لوگوں کی لاشیں تڑپتی ہوتی ہیں اس وقت لوگ آکر ان کے پرس نکالتے ہیں جیبوں سے ان کی گھڑیاں اتارتے ہیں اور ریلوں پر ایسا ہوتا ہے کہ کسی عورت پر کوئی ہاتھ بڑھا دیا اس کی سونے کی چوڑیاں اتارلیں، کوئی زیور اتارلیا تو اسوقت صرف ایک چیز بن گئی ہے کہ جس طرح ہو پیسہ ملے، طاقت ملے، لذت ملے، آپ بالکل ایک نیا تجربہ دنیا کے سامنے رکھئے کہ کچھ نہیں کہ یہ سب فانی چیزیں اور سب خاک کے برابر ہیں اور یہ سب حیوانی صفتیں ہیں، اصل چیز یہ ہے کہ خدا خوش ہو، اس کا رسول خوش ہو، انسان کو آرام پہونچے اور انسان خطرہ سے محفوظ ہوجائے یہ سیرت ہمیں آج دکھانی چاہیئے یہ ایک انقلابی پیغام ہے اور خدا کا شکر ہے اس کا آغاز ہوگیا ہے اور یہ میرے عزیز بھائی (جمعیت شاہ ولی اللہ کے رفقاء) اس سلسلہ میں کام کر رہے ہیں لیکن آپ سب یہ خیال دماغ میں بٹھا کر لیجائیے کہ ہمیں ایک نمونہ دکھانا ہے، غیر مسلم بھائیوں کو اور ہدایت کا پیغام دینا ہے اور ہدایت کا پیغام صرف زبانی نہیں صرف الفاظ کی شکل میں نہیں بلکہ عملی شکل میں، اللہ تعالیٰ ہمیں آپ سب کو اس کی توفیق عطا فرمائے، یہ احسان صرف ہندوستان پر ہی نہیں ہوگا

اپنے اوپر بھی ہوگا اس لئے کہ یہ امت بھی خطرہ میں ہے۔

دعوت کے بغیر یہ امت بھی خطرہ میں ہے

مجھے ڈر معلوم ہوتا ہے کہ اگر اس (امت) نے اپنا منصب چھوڑ دیا اور یہ کام نہ کیا تو معلوم نہیں اللہ تبارک وتعالیٰ اس کے ساتھ کیا معاملہ کرے اور کتنی عزتوں سے اور روحانی ترقیوں سے محروم ہو جائے، کتنی ترقی کے مواقع اور امکانات اور اس سے بڑھ کر اللہ تعالیٰ کی محبوبیت سے اور اس کے رسول کی شفاعت سے خدانخواستہ کہیں محروم نہ ہو جائے یہ اس کا فرض منصبی ہے فطری فرض جو سب سے بڑا ہے وہ یہ ہے کہ وہ نمونہ بنے اور ہدایت کا کام کرے، ہدایت کا قاصد بنے اور ہدایت کا پیغامبر بن جائے، اگر ایسا کیا گیا تو اللہ آپ کو بھی برکت عطا فرمائے گا، آپ کی چیزوں میں جو نعمتیں اللہ نے عطا فرمائی ہیں انسانی شکل میں یا وقت کی ضرورت کی شکل میں ان میں برکت دے گا اور خطرات سے بھی آپ کو بچائے گا ورنہ اندیشہ یہ ہے کہ اس ملک میں فرقہ وارانہ منافرت پھیلے یہ جو فرقہ کشی ہے دوسرے فرقہ کو ختم کرنے کا ارادہ ہے خواہ وہ منصوبہ بند طریقہ پر نسل کشی ہو یا معنوی طور پر کہ وہ تعلیم نہ پائیں، اردو زبان باقی نہ رہے، اردو رسم الخط باقی نہ رہے، مجلسیں باقی نہ رہیں مسجدوں کے امام بھی تنخواہ دار بن جائیں ایک نہایت منحوس اور نہایت نامبارک تحریک یہ چل رہی ہے ہندوستان میں کہ تمام مسجدوں کے اماموں کو محکمۂ اوقاف سے تنخواہ ملے کہ وہ بھی غلام ہوں کہ الیکشن جب آئیں گے تو ان سے بھی کام لیا جائے گا کہ مولانا صاحب یہ سرکاری کنڈیڈیٹ ہے آپ ان کے لئے کہئے تو مساجد اور مدارس

سب کو آزاد ہونا چاہیئے۔

آخری بات

اس امت کو ملت اسلامیہ کو آزاد ہونا چاہیئے اور ملک کی خیر خواہی میں اپنے ہم وطنوں کی خیر خواہی میں، اپنے انسانی بھائیوں کی خیر خواہی میں، خدا کی مخلوق کی خیر خواہی میں ان کو وہ چیز پہونچانی چاہیئے وہ جذبہ پہونچانا چاہیئے ان چیزوں سے بچانے کا جن سے اللہ کا عذاب نازل ہوتا ہے ان چیزوں کا شوق دلانا چاہیئے جن سے اللہ کی رحمت متوجہ ہوتی ہے بحیثیت خیر امت کے ہمارا یہ فرض منصبی ہے۔

اللہ تعالیٰ ہم کو آپ کو اس فرض کو اپنی اپنی حیثیت اور اپنی اپنی طاقت کے مطابق انجام دینے کی توفیق عطا فرمائے۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

حکمتِ ولی اللّٰہی کی روشنی میں کارِ دعوت

حضرت مولانا محمد سالم قاسمی، دارالعلوم (وقف) دیوبند

اسلام دین فطرت ہونے کے لحاظ سے اپنا جو ایک عالمی مزاج رکھتا ہے اس کالازمی تقاضہ ہے کہ اس کے اصول اپنے اندر ایک بین الاقوامی کشش، ایک بین الانسانی ہم آہنگی اور بین المللی جاذبیت رکھتے ہوں اس کی دعوت عمومی ہو اور کوئی پیچ درپیچ بات ہو اور اس کو لازماً ایسا دین ہونا چاہیئے جو اپنے دعوے کے مطابق فطرت انسانی سے مربوط ہو اور جس میں انسان کی انفرادی اور اجتماعی زندگی کے مسائل کا حل بھی موجود ہو۔

اس میں شک نہیں کہ اسلامی لٹریچر میں شروع سے اس موضوع پر اربابِ فکر ودانش اور اہل علم کی تصنیفات وتالیفات کا ایک عظیم ذخیرہ ملتا ہے مگر آخری دور میں اس عنوان پر حضرت شاہ ولی اللہ رحؒ کے فکرِ نابغ اور ذہنِ راسخ نے جس حکیمانہ انداز میں نادر مواد فراہم کر دیا ہے اور اپنی جودتِ ذہن اور طباعیٔ فکر سے جو نکتہ آفرینی کی ہے وہ اس موضوع پر پائے جانے والے

پورے اسلامی لٹریچر میں اپنی نوعیت کے اعتبار سے منفرد اور ممتاز حیثیت رکھتی ہے جس کی اہمیت و ندرت کا شاہ صاحبؒ کے بعد آنے والے تمام ہی اہل علم ودانش نے اعتراف کیا ہے۔ لیکن شاہ صاحبؒ نے حکمتِ تشریع پر جسطرح اظہار خیال کیا ہے اور اس کو اپنے فکر و علم کی بھرپور قوت کے تحت جس دلنشین انداز میں قرطاس و قلم کے سپرد کیا ہے شاہ صاحب کی وفات پر دو سو برس گذر جانے کے باوجود کسی بھی علمی حلقے میں حکمتِ ولی اللّٰہی کے اس آبِ حیات تک پہنچنے کی مستقل اور مسلسل پیش رفت بجز چند مستثنیات کے نظر نہیں آتی اور انمیں بھی اسکی بلیغ ترین ترجمانی اس قاسمی علم کلام میں ملتی ہے جو سوا سو سال قبل بانیٔ دارالعلوم حجۃ الاسلام حضرت الامام مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کی اُن فکر انگیز دبے مثال تصانیف اور رسائل میں نظر آتی ہے جو دفاع عن الاسلام کے تحت ان مناظرین کے مقابلے میں لکھے گئے جو عیسائیت یا مشرکانہ مذاہب کے علمبردار بن کر عامۃ المسلمین کو ورغلانے کے لئے نووارد سیاستِ فرنگ کے زیر سایہ کام کر رہے تھے حضرت نانوتویؒ کا مقصد درحقیقت دعوتِ اسلام کی راہ میں پیدا کردہ انھیں رکاوٹوں غلط فہمیوں اور دراندازیوں کو دور کرنا تھا۔ یہ مخالفین ومعاندین مشنریوں اور آریہ سماجیوں کے چیلنجوں اور پروپیگنڈے سے عامۃ المسلمین کو ہوشیار کرنے کی ایک عظیم کامیاب کوشش تھی جب کہ اِن مخالفین کا منشاء اسلام کی فطری کشش اور اس کی جذبۂ اقدام کی طاقت کو توڑنا تھا تاکہ مسلمانوں کے حوصلے پست، اور عقائد متزلزل ہو ہوسکیں جس کے بعد جاہل، کمزور، لپسماندہ مسلمان طبقے کس طرح عیسائیت

کے دامن میں پناہ لیں یا آریہ سماجی چیلنجوں کی تقریروں سے بد دل ہو جائیں ورنہ کم از کم بدؔ دل ہو کر ان کے عقائد متزلزل ہونے لگیں تاکہ ان کے گھروں میں پلنے والی اگلی نسل کو باآسانی شکار کیا جا سکے اس دور میں یہ ایک کام بہت بنیادی تھا جس کی اہمیت وافادیت بھی آج کے ماحول میں پوری طرح محسوس نہیں کی جا سکتی جبکہ آج کے ظروف واحوال اور عصری تبدیلیوں کے تقاضے اس دور سے بہت کچھ مختلف ہیں لیکن حضرت الامام النانوتویؒ نے دفاع عن الحق سے آگے بڑھ کر اقدام کے لئے ہی زمین اس لئے ہموار کی کہ اپنی صفوں کو استحکام وثبات بخشنے کے بعد ہی مقابل ومعارض سے نمٹنا آسان ہوتا ہے اسی طرح ہم کہہ سکتے ہیں کہ یہ قاسمی فکر بھی بدلے ہوئے حالات میں دعوتِ حق ہی کا مقدمہ تھا پھر ایک طویل وقفے کے بعد ۱۹۴۷ء سے چار سال قبل مولانا عبید اللہ سندھیؒ کی تیار کردہ ولی اللہی تحریک کی شکل میں رونما ہوئی مگر وہ مولانا سندھی کی وفات کیساتھ ہی بکھر کر رہ گئی کیونکہ بانی تحریک پوری طرح اپنی اس تحریک کی تشریح وتوضیح کرنے اور اطمینان بخش طور پر ذہن نشین کرنے سے پہلے ہی دنیا سے رخصت ہو گئے پھر ملکی بین الاقوامی حالات نے مولانا سندھیؒ کی اس تحریک کو ضرورت سے زیادہ سیاسی رنگ دیدیا تھا اب اسکو بھی نصف صدی سے زیادہ کی مدت گذر چکی تو پھر ایک آواز ارمغانِ ولی اللہی کی بلند ہوئی اور ولی اللہی اکیڈمی کے عنوان سے اس موضوع پر ایک نئی پیش رفت سامنے آئی ہے جس سے یہ احساس تازہ ہوا کہ فکرِ ولی اللہی جس عبقری ذہن کا آفریدہ ہے وہ بارِ گرانِ ارباب علم ودانش

کو اپنی طرف متوجہ کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے۔ . . . . جنھیں قلب سوزاں، دیدۂ بینا اور دولت عرفان سے کچھ حصہ ملا ہو۔

حضرت شاہ صاحب نے ایک طرف اپنے فکر و تدبر اور بالغ نظری سے اسرارِ قرآنی اور معانیِ حدیث کو اس انداز میں پیش کیا کہ دین کے ان مقاصد و معانی تک رسائی آسان ہو گئی جن سے مذہب کا زندگی پر انطباق نہ صرف عملاً ممکن ہو گیا بلکہ عقلی طور پر ذہن کے سامنے کوئی دوسری اطمینان بخش راہ ہی باقی نہ رہی جسکی تصدیق انکی بنیادی کتابوں حجۃ اللہ البالغہ اور ازالۃ الخفاء سے بخوبی ہوتی ہے۔ دوسری طرف جو بات ان کے اندازِ تحریر اور تفہیم سے سامنے آتی ہے وہ یہ کہ اسلام دینِ دعوت اور قرآن ایک دعوتِ عمل ہے۔ ان کی تحریر اسلام کو نسل و طبقہ کی ملکیت ہٹیں بلکہ انسانیت کی میراث قرار دیتی ہے، ان کے یہاں اسلام فکر معاش اور زادِ معاد سے عبارت ہے، وہ اقتصاد پر بات کرتے ہیں تو محسوس ہوتا ہے کہ اکیسویں صدی کا کوئی ماہرِ معاشیات بنیادی نکات کی وضاحت کر رہا ہے وہ انسانی معاشرہ کی فلاح و بہبود پر گفتگو کرتے ہیں تو اندازہ ہوتا ہے اس دور کا کوئی عالم عمرانیت پر بحث کر رہا ہے وہ عقل و منطق اور قلب و دماغ کے امتزاج کے ساتھ جب مسائل پر بحث کرتے ہیں تو یہ خیال ہوتا ہے کہ انتہائی ذی علم اور عبقری شخص کی بلندیوں سے انسانوں کو مخاطب کر رہا ہے وہ جب شریعت کے اسرار و حقائق پر زبان کھولتے ہیں تو ایک ایک لفظ دل و دماغ کی گہرائیوں میں اترتا چلا جاتا ہے چنانچہ آگے چل کر فکرِ ولی اللہی کے فیض یافتگان

اور مسترشدین ہی کے حلقے سے اصلاح و تذکیر اور دعوت و تبلیغ کا ملک گیر کام حضرت سید احمد شہیدؒ کی تحریک کی شکل میں روشناسِ عالم ہوا جس کا ایک رخ ظلم و استبداد اور جبر و زیادتی کے مقابلے میں پرچمِ جہاد بلند کرنا تھا اور دوسرا رُخ یہ تھا کہ سید صاحبؒ کے ہاتھوں کتنے ہی بندگانِ خدا نے کلمۂ حق پڑھا اور دعوتِ اسلام قبول کی جہاں اِن افراد کی اصلاح و تذکیر کا سلسلہ شروع ہوا جنہوں نے مسلم گھرانوں میں آنکھ کھولی تھی اور نسلی طور پر ایمان کی چنگاری جن کے سینوں میں دبی ہوئی تھی۔ وہیں کفر و شرک اور الحاد و دہریت کی آغوش میں پروردہ بے شمار لوگوں کو قبولِ ایمان کی توفیق ملی۔

حقیقت یہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام کی آمد کا منشاء دنیا میں نظامِ عدل کا قیام آخرت میں نجاتِ ابدی کا حصول ہے اس لئے حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تک ہر نبی کی یہی دعوت اور یہی پیغام رہا ہے پھر نبی آخر الزماں کے توسط سے اس آخری امت کو خاص طور پر مخاطب بنا کر فرمایا گیا ہے۔

كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَامُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ

ترجمہ:۔ یعنی تم بہترین امت ہو جسے انسانوں کے لئے کھڑا کیا گیا ہے جو ان کو بھلائیوں کا حکم دیتے ہو اور برائیوں سے روکتے ہو۔ یعنی امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا کام عملی طور پر امت کے اندر بھی مطلوب ہے اور باہر بھی امر بالمعروف سے مراد وہ تمام اچھائیاں ہیں جو ایک مسلمان معاشرہ میں ہونی

چاہئیں اور نہی عن المنکر سے وہ برائیاں مراد ہیں جن سے مسلمانوں کی جماعت کا محفوظ رہنا ضروری ہے یہ تو اس آیت کا وہ مفہوم ہوا جسے اصلاح و تذکیر کے عنوان سے تعبیر کیا جاتا ہے اور اس آیت کا دوسرا مفہوم اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ کے جملے سے نکلتا ہے کہ مسلمانوں کی جماعت اس کام کے لئے کھڑی کی گئی ہے کہ وہ انسانوں کو ان بنیادی بھلائیوں کی تبلیغ کرے جن کا اسلام حکم دیتا ہے اور ان بنیادی برائیوں سے بچنے کی ہدایت کرے جن میں نقصان و خسران ہے کہ یہی دین کی دعوت اور اسلام کی تبلیغ ہے جب کہ اصلاح و تذکیر کا کام تو ماشاء اللہ عالمگیر ہو گیا ہے مگر دعوتِ اسلام کا کام بلاشبہ محتاجِ توجہ ہے امت پر اس کی جو ذمہ داری ڈالی گئی ہے وہ اس کی بجاآوری سے بحیثیت مجموعی غافل ہے۔

امّتِ محمدیہ نے جب جب اور جہاں جہاں اس ہدایت پر عمل کیا اس کے نتائج و ثمرات سامنے آئے اور جہاں اس میں اضمحلال برتا وہیں اس کا خمیازہ بھگتنا پڑا گذری ہوئی چودہ صدیاں اس کی شاہد عدل ہیں۔

الحمد للہ کہ عصرِ رواں میں "دعوتِ اسلام" کا یہ سوز دروں حق تعالیٰ نے ہمارے محترم مولانا محمد کلیم صدیقی صاحب کو عطا فرما کر توفیقِ عمل سے نوازا مولانا موصوف جس اخلاص و لگن سے نورِ ہدایت سے محروم قلوب میں شمعِ ہدایت روشن فرما رہے ہیں وہ بذاتِ خود اس کی ناقابل انکار دلیل ہیں کہ قائلین "لا الہ الا اللہ" احوال و ظروف کی بے پناہ شدتوں کے باوجود ارشادِ نبوت ہے "لا طائفۃ من امتی منصورین علی الحق"

کے مطابق ایسے مخلصین سے کبھی خالی نہیں ہو گی کہ جو اسباب سے نہیں بلکہ مسبب الاسباب کی نصرتوں سے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی وہ خدمت انجام دیں گے کہ جس کو کبھی ملتِ اسلام بھلا سکے گی اور نہ تاریخِ اسلام اسے کبھی فراموش کر سکے گی۔

"کیا مسلم قوم کے لئے اب بھی وقت نہیں آیا کہ وہ اقوام کی دریوزہ گری چھوڑ کر اپنے روایتی استغنا اور غیر تمندی کی بنیادوں پر کھڑی ہو اور اپنے اساسی مقصد (دعوت الی اللہ) کو سنبھالے جس سے اس کی حقیقی برتری کا جلوہ دنیا پھر ایک بار دیکھ لے جو صرف دعوتِ دین ہی کے راستہ سے نمایاں ہو سکتا ہے۔"

اس لئے میری ناچیز رائے یہ ہے کہ اگر سب نہیں تو کم از کم اربابِ علم و بصیرت کی ایک جماعت سارے موہوم منصوبوں کو چھوڑ کر دعوت الی اللہ کے لئے کمربستہ ہو جائے اور اپنوں سے گذر کر دوسری اقوام کے ساتھ انتہائی خیر خواہی، اعلیٰ ترین شفقت و ملاطفت اور کامل ترین دلداری اور دلپذیر عنوانوں سے انھیں دینِ حق کی طرف مائل کرنے پر لگ جائے اور اس کی زندگی کا واحد نصب العین غیروں کے سامنے اسلام پیش کرنا اور انھیں دین حق کی دعوت دینا ٹھہر جائے وہ نہ رسمی تنظیموں کی فکر میں پڑے اور نہ عہدوں کی الجھنوں میں پھنسے کہ یہ سب تفریق و تخریب کے راستے ہیں بلکہ ایک مرکز بنا کر سادگی و بے تکلفی اور بے غرضی کے ساتھ اپنی ساری صلاحیتیں دعوت الی اللہ میں صرف کرنے کے لئے مستعد اور چُست ہو جائے۔

(حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب رحمۃ اللہ علیہ)

دعوتی کام کی اہمیت
اور اس کی حکمتِ عملی اور ہمدردی

• حضرت مولانا محمد رابع حسنی ندوی
مہتمم دار العلوم ندوۃ العلماء، لکھنؤ

امتِ محمدیہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والتسلیم کو اپنے سے پہلے کی مسلمان امتوں پر یہ امتیاز حاصل ہے کہ سابقہ امتوں میں انبیاء علیہم السلام کے بھیجے جانے کا سلسلہ قائم تھا۔ اللہ تعالیٰ ایک نبی کے بعد دوسرا نبی بھیجتا تھا جو دینِ صحیح کی دعوت کا کام کرتا تھا۔ ہر نبی کے امتی اپنے نبی کے کام میں ہاتھ بٹاتے تھے اور دعوتِ دین کے کام میں شرکت کرتے تھے۔ لیکن حضور مقبول حضرت محمد مصطفیٰ صلے اللہ علیہ وسلم کے بعد نبیوں کا بھیجنا موقوف کیا گیا اور وہ کام جو پے بہ پے نبی بھیجکر کرایا جاتا تھا، چونکہ آخری نبی کے آجانے سے دین مکمل ہوگیا اس کی رُو سے آخری نبی کے لائے ہوئے آخری مقامِ خداوندی کو قیامت تک جاری رہنا ہے اس لئے اب جو کام ہونا تھا وہ اسی دین کے اندر ہونا تھا لہذا اس

کے لئے اب آپ کے بعد قیامت تک کی نیابت آپ کی امت کے سپرد کی گئی قرآن مجید میں حکم آیا ہے :

وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ اُمَّةٌ يَّدْعُوْنَ اِلَى الْخَيْرِ وَيَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۔

"تم میں ضرور ایک امت یعنی ایک بڑی تعداد میں لوگ ہونے چاہئیں جو دعوت الی الحق کا کام کریں۔ اچھی بات کا حکم دیں بری بات سے منع کریں۔ اور یہی لوگ کامیاب ہوں گے" (سورۃ آل عمران ۔۱۰۴) اور فرمایا :۔ كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ ۔" فرمایا "تم واقعتاً بہترین امت ہو جو لوگوں یعنی سب انسانوں کے لئے بھیجی گئی ہو ۔ تم اچھی بات کا حکم دیتے اور بری بات سے منع کرتے ہو اور اللہ پر ایمان رکھتے ہو" ۔(آل عمران ۔۱۱۰)

اس آیت میں قابلِ توجہ بات یہ ہے کہ اس کام پر امت کے افراد کو باقاعدہ مامور کیا گیا ہے نیز فرمایا کہ تم اللہ پر ایمان رکھتے ہو ، اور فرمایا کہ تم بہترین امت اور تمام انسانوں کیلئے مامور کئے گئے ہو۔ اس سے ظاہر ہوا کہ اس کام پر امت کا مامور ہونا پھر بہترین جماعت و امت ہونا ، پھر ایمان کی صفت سے باقاعدہ متصف ہونا تین خاص پہلو ہیں جن کو نمایاں فرمایا گیا ہے ۔ یہ وہ ذمہ داری ہے جو امتِ محمدیہ کے لئے بڑا تمغۂ امتیاز ہے لیکن یہ اسی وقت صحیح اور مطابقِ واقعہ ہو گا جب مسلمان اپنی ذمہ داری کو پورا کریں اور یہ ذمہ داری دینی دعوت کا کام انجام دینے کی ہے ۔ الحمد اللہ مسلمانوں کے ہر دور میں اور ہر ملک میں

یہ کام کسی نہ کسی مقدار میں انجام دیا جاتا رہا ہے۔ بس فرق اگر کوئی ملیگا تو اس کی کمی بیشی کا۔ اور قرآنی اشاروں سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس کام میں کمی وبیشی کی بنیاد پر امّت کے فروغ وعزت میں کمی بیشی ہوتی رہی ہے چنانچہ جب اور جہاں دعوت کا کام ڈھیلا پڑا اور کم ہوا یا متروک ہوا وہاں اسی کے اعتبار سے مسلمانوں کی عزت ومقام کا حال بنا۔

اندلس جو ایک جنتِ ارضی کے مانند تھا اور جہاں مسلمانوں کی علمی و دعوتی ترقی اس معیار کو پہونچی تھی کہ اُس وقت ساری دنیا اُس کو دیکھ کر مرعوب و متأثر تھی اور یورپ کی موجودہ علمی و مادّی ترقیات کا آغاز وہیں کی خوشہ چینی سے ہوا جس کو تمام ماہرینِ تاریخ علم و تمدن مانتے ہیں۔ وہاں کے مسلمانوں نے سب کچھ کیا تھا۔ لیکن دعوتی فریضہ انجام دینے میں کمی کی تھی۔ چنانچہ وہ وہاں آخر تک اپنی چھوٹی تعداد میں رہے اور جب اکثریت و اقلیت کے اصول کے دائرہ اثر میں آئے تو اولاً مجبور و مقہور ہوئے پھر بالآخر ملک سے ہجرت کرنا پڑی۔ لیکن برِصغیرِ ہند و پاک میں اگرچہ اندلس ہی کی طرح مسلمانوں کی حکومت سات سو سال رہی اور یہاں حکمرانوں نے عوام کو اپنا ہم نوا بنانے کے لئے طرح طرح کے سیکولر طریقے بھی اختیار کئے حتیٰ کہ بعض بادشاہوں نے یہاں اکثریتی عوام کے مشرکانہ مذہب کی متعدد باتوں کو اسلام میں ملا کر ایک مشترک مذہب بھی بنایا مزید یہ کہ یہاں کے اکثریتی مذہب کے اہم لوگوں میں خسر داماد کے رشتے بھی قائم کئے۔ لیکن اسکا نتیجہ غیروں کیطرف سے بجائے قدردانی کے آج یہ ہے کہ خوب گالیاں مل رہی ہیں اور مسلمان بادشاہوں کو ہندوؤں پر ظلم و تعدی کا مرتکب بتایا جارہا ہے لیکن اسی کے ساتھ ساتھ یہاں اندلس کے برعکس

دین کے علمبرداروں اور داعیوں نے اپنی اپنی جگہ ملک میں پھیل کر دنیاوی اور سیاسی منافع سے الگ رہتے ہوئے جم کے دعوت کا کام کیا۔ آج انہیں کی برکت ہے کہ اس برصغیر میں مسلمانوں کی اچھی پوزیشن ہے اور دینی علمی کام ہے اور انہی کی کوششوں کا نتیجہ ہے کہ جبکہ اس برصغیر میں باہر سے آنے والے مسلمانوں کی کل تعداد چالیس ہزار سے زیادہ نہیں بنتی لیکن اب ان کی اس برصغیر میں تعداد چالیس بیالیس کروڑ ہے۔ ۱۳، ۱۴ کروڑ ہندوستان میں ۲۶۔۲۷ کروڑ پاکستان و بنگلہ دیش میں یعنی باہر سے آنے والوں کو دیکھتے ہوئے ایک اور دس ہزار کا فرق رکھتی ہے یعنی ایک آدمی اگر باہر سے آیا ہوا ہوگا تو ۹ ہزار ۹ سو ۹۹ یہیں اسی ملک کے ہیں ان میں سے کچھ تو وہ ہونگے جو باہر سے آنے والوں کی نسل سے ہیں۔ لیکن اکثر و بیشتر وہ لوگ ہیں جو اسلام کی محبت و انسانیت نوازی کی اداؤں کو دیکھ کر حلقہ بگوش اسلام ہونے والوں کی اولاد ہیں، دین کے علمبرداروں اور داعیوں کی بے غرض کوششوں کے اثر سے آج اس برصغیر میں مسجدوں کی تعداد لاکھوں تک ہو چکی ہے، اور مدرسے و مکاتب ہزاروں کی تعداد میں ہیں جن سے علم دین کی شعاعیں قریب و دور پھیلتی رہی ہیں حتیٰ کی ان کا فیض برصغیر سے نکل کر ایشیا کے وسطی شمالی و مشرقی ملکوں تک پہنچتا رہا ہے اور امتِ اسلامیہ کے علومِ دینیہ و ثقافیہ میں ان مسلمانوں کا جو وقیع حصہ ہے وہ بھی قابلِ فخر ہے دعوت کا کام مسلمانوں کا اصل امتیاز اور اہم ترین فریضہ ہے اور اس کام سے وابستگی سے ان کی بقاء و ترقی وابستہ ہے اس امتیازی خصوصیت میں جب بھی کمی ہوگی وہ نقصان کا باعث ہوگی۔

دعوت کے کام میں جو اجر بتایا گیا ہے وہ شاید ہی کسی اور عمل میں بتایا گیا ہوگا۔ دعوت کے

نتیجہ میں جو کسی شخص کی اصلاح اور عملِ صالح کو اختیار کرنے کی صورت پیدا ہوتی ہے، اور عمل کرنے والے کو اس پر جو اجر و ثواب ملتا ہے۔ اس کے بقدر دعوت دینے والے کو بھی ملتا ہے۔ اس مضمون کی کئی حدیثیں آئی ہیں۔ دعوت وہ طریقہ ہے جس کے ذریعہ ایک آدمی صرف اپنے ہی عمل کے ثواب کا مستحق نہیں ہوتا بلکہ ان تمام لوگوں کے ثواب کا بھی مستحق بن جاتا ہے جو اس کے کہنے اور متوجہ کرنے سے حق قبول کرنے والے اور عملِ خیر کرنے والے بن گئے وہ دو چار بھی ہو سکتے ہیں، سیکڑوں اور ہزاروں بھی ہو سکتے ہیں، اس طرح امت میں بعض بعض حضرات کے ثواب کا اندازہ کرنا مشکل ہو جاتا ہے، جن کی دعوت کے اثر سے ہزاروں اور لاکھوں کی اصلاح ہوئی۔ اس سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ حضور محمد صلے اللہ علیہ وسلم کو کتنا ثواب حاصل ہو رہا ہوگا۔ خود ان کے عمل کا ثواب اتنا زیادہ ہے کہ اس کا اندازہ لگانا مشکل ہے، پھر ساری امت کے اعمال کے ثواب کے برابر بطورِ مزید ان کو ملے گا۔ کیونکہ سب اصلاً ان ہی کی دعوت کا نتیجہ ہے۔

لیکن دعوت کا کام ایک طرف تو بڑے اجر و ثواب کا کام ہے، دوسری طرف یہ کام بڑی دانائی، حکمتِ عملی اور نفس کشی کا کام بھی ہے۔ اس کام کے ساتھ خود اپنے کو بھی معیاری صلاح و احتیاط پر رکھنے کی ضرورت پڑتی ہے، کیونکہ بے عمل کی دعوت کا اثر مدعو پر بہت کم پڑتا ہے۔ اور اسی طرح مدعو کے حالات و مزاج کو سامنے رکھتے ہوئے حکمت و موقع و محل کا لحاظ کر کے بات کرنا ہوتی ہے، اس سلسلہ میں اپنی راحت و پسند کی قربانی بھی دینا پڑتی ہے، ان باتوں کی رعایت کرنے پر بعض وقت بغیر کچھ

کے بھی اثر پڑجاتا ہے۔ بعض وقت صاف طریقہ سے بات کہنے کیلئے مناسب وقت کے انتظار میں بڑا صبر کرنا پڑتا ہے اور نصیحت کرنے پر سخت وسست بھی سننا پڑتا ہے اور اس کو جھیلنا پڑتا ہے۔

ظاہر ہے کہ اس صورت میں یہ کام مشکل اور مجاہدہ کا کام بن جاتا ہے۔ لیکن اس کے لئے جو اجر بیان کیا گیا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کی خوشنودی حاصل ہوتی ہے اس کا دھیان کرنے پر ساری زحمت کافور ہو جاتی ہے۔

مسلمانوں کو خیر وصلاح کی طرف دعوت دینے میں اتنی زحمت وحکمت کی ضرورت نہیں ہوتی جتنی غیر مسلموں کو حق کی راہ پر لانے میں ہوتی ہے، وہاں اس کام میں زیادہ حکمتِ عملی، خوش اخلاقی اور موقع ومحل کے لحاظ کی ضرورت ہوتی ہے۔ حضرت نوح علیہ السلام نے نو سو پچاس سال محنت کی، اور توجہ وبرداشت کے ساتھ کام میں لگے رہے حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے دو دہائی سے زیادہ وقت اس کام میں صرف کیا، طرح طرح کی ایذارسانی برداشت کرنا پڑی، لیکن بہت دردمندی اور بردباری کے ساتھ کام میں لگے رہے، آپ پر گندگی پھینکی گئی اور آپ مشتعل نہیں ہوئے، آپؐ کو پاگل، جادو اور مُفسِد کہا جاتا اور آپؐ صبر وسکون کے ساتھ سب سنتے اور نظر انداز کرتے۔ پھر مستزاد یہ کہ کہنے والے خاندان کے ہی لوگ تھے۔ اور آپؐ خاندانی عزت واثر میں ان کہنے والوں سے کم بھی نہیں تھے۔ اگر چاہتے تو سخت جواب دیتے اور دانت کھٹے کر دیتے لیکن آپ نے دعوت کی مصلحت کی خاطر برداشت کیا۔ اور جب بھی موقع مناسب پایا بڑے سے بڑے مخالف سے مل کر بہت خوش اسلوبی سے بات کہی، لیکن آخر میں جب ان عزیز واقارب نے مکّہ میں آپکا رہنا بھی مشکل بنا دیا تو اپنے

سے کس قدر دور ہوتی ہے مُلحد کو ترغیب دینا ہوتا ہے کہ وہ مذہب کے تسکین بخش ہونے کی صفت کو تجربہ کر کے تو دیکھیں ذرا اس کو سمجھنے کی تو کوشش کریں، دوسری طرح کے رو گرداں اشخاص وہ ہوتے ہیں جو مذہب کو تو مانتے ہیں اور خدا کو بھی مانتے ہیں لیکن راہ حق و دینِ صحیح سے منحرف ہوتے ہیں وہ آخری نبی اور آخری دین کو نہ جاننے کی وجہ سے ان کو مانتے نہیں ہیں خدائے واحد پر انحصار ان کے مذہب میں نہیں ہوتا ایسے اشخاص کو دینِ حق سے قریب لانے کی ضرورت ہوتی ہے تاکہ وہ قریب ہو کر دینِ حق کا توحید و رسالت کا مطالعہ کر سکیں اور اس کی خوبی کو سمجھ سکیں ایسے اشخاص کے ساتھ محبت سے پیش آنا ہوتا ہے، اور حسنِ سیرت سے ان کو اپنے سے قریب کرنا ہوتا ہے ان سے ایمان کی بات بتانا ہوتی ہے ایمان کی دعوت دینا ہوتی ہے ایمان وہ جملۂ حق ہے جو ہر مذہب کا ماننے والا سنتا اور دھیان دیتا ہے اس لئے کسی بھی شخص سے ایمان کے حوالہ سے بات کی جاسکتی ہے وہ اس کو آسانی سے سُنے گا اور اگر اس کے دل کو یہ بات چھو گئی تو اس سے متاثر ہوگا۔ ایمان کا تعلق دل سے ہے دلائل و حجت کا تعلق عقل سے ہے، عقل خوب پینترے جانتی ہے اس کو شکست دینا آسان نہیں ہوتا لیکن دل کو جب بات اچھی لگ جائے تو دل مائل ہو جاتا ہے وہ دلائل کے چکر میں زیادہ نہیں پڑتا حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے جب کفار کے سامنے بات رکھی تو خالق اور پروردگار کو ایک ماننے کی بات رکھی اور اسی کے ساتھ انسانوں کے ساتھ ہمدردی مظلوموں کی مدد مہمان کی خاطر داری مسافر کی مدد جیسے کاموں کی تلقین کی اور اس کی دعوت دی یہ وہ حکمت اور طریقہ تھا جو دلوں کو جلدی متاثر کرتا ہے غیر مسلموں کو قریب کرنے کے لئے اس کی

پروردگار کی اجازت وحکم سے ہجرت فرمائی ۔ اور مکہ چھوڑتے ہوئے وطنِ عزیز کو خیر باد کہنے کا جو اثر طبیعت پر ہوتا ہے وہ برداشت کیا۔ جو آپ کے اس جملہ سے ظاہر ہوتا ہے جو آپ نے وطن چھوڑتے ہوئے فرمایا کہ اے مکہ ہم تم کو نہ چھوڑتے لیکن تمہارے رہنے والوں نے ہم کو رہنے نہیں دیا۔ مکہ آپ کا وطن ہی نہ تھا بلکہ کعبہ کی وجہ سے قلب و دماغ کا مرکز بھی تھا لیکن دعوت دین کی خاطر آپؐ نے اس کو چھوڑا۔ کوئی کشمکش نہیں کی، اور نہ انتقام لینے کو سوچا، کیونکہ اس سے دعوت کا کام متاثر ہوتا۔ پھر مدینہ جاکر چند برس کی جد وجہد کے بعد صلح حدیبیہ یعنی نفس کشی کا کام کیا تاکہ دشمنوں کی دشمنی کچھ دنوں کیلئے موقوف کرسکیں۔ اور اس طرح مسلمان دین کی دعوت پُرسکون اور آپسی ہمدردی کے ماحول میں پیش کرسکیں، چنانچہ اس کا غیر معمولی اثر پڑا کہ ان دو سالوں میں جتنے لوگ مسلمان ہوئے وہ اس سے قبل کی ساری مدت میں مسلمان ہونے والوں سے زیادہ تھے۔

جب معاشرہ مشترک طرز زندگی کا ہو۔ اور اقتدار اور حکومت کا اس سلسلہ میں مفید کردار ہو تو صرف محبت و ہمدردی اور دل سوزی ہی ؛ ؛ ،

اور حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں، اس کی اعلیٰ مثالیں ہیں حق سے روگرداں لوگ دو طرح کے ہوتے ہیں ایک تو وہ جو سرے سے مذہب ہی کو نہیں مانتے جن کو دینی اصطلاح میں ملحد کہا جاتا ہے ان کو حق کی طرف مائل کرنے کے لئے مذہب کی خوبیوں اور برکتوں اور نعمتوں سے روشناس کرانا ہوتا ہے، ان کو بتانا ہوتا ہے کہ بے مذہب بے خدا ہونے کی صورت میں زندگی کس قدر خشک اور بے مزہ ہو جاتی ہے اور سکونِ قلب

نقل کی جاسکتی ہے ہمدردی وانسانیت نوازی اور ایمان باللہ وحدہٗ، ایمان بالرسول خاتم المرسلین کو ملانے سے وہ عظیم دعوت بن جاتی ہے جس میں ایک خاص برکت اور تاثیر ہے، یہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی اس سنت کی پیروی ہے جو آپ نے مکہ مکرمہ کے قیام کے دوران اختیار فرمائی تھی۔ آپ کو ایذائیں دی گئیں لیکن آپ نے صبر کیا، سخت سست کہا گیا لیکن آپ نے براشت کیا اور اخلاق ومحبت کے ساتھ ہمدردی اور حکمت کے ساتھ کام جاری رکھا، اور ایک ایک کر کے لوگ متاثر ہوتے گئے۔ اور جس نے اثر لیا وہ آپ کا گرویدہ ہوگیا۔ دراصل دعوت کے کام میں مدعو کے دل میں اثرات کی ضرورت ہوتی ہے اپنے کو اسکا خیرخواہ اور مخلص محسوس کرانے ضرورت ہوتی ہے، کیونکہ انسان اپنے مخلص وخیرخواہ کی بات سنتا ہے، اور جس کو وہ مخلص وخیرخواہ نہ سمجھے اس کی بات پر دھیان ہی نہیں دیتا۔

حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے دعوت کے کام کے سلسلہ میں جو ہدایات یا وضاحتیں فرمائی ہیں ان سے بھی پتہ چلتا ہے کہ یہ کام خیرخواہی کے جذبہ کے بغیر نہیں ہوسکتا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی خیرخواہی اتنی محسوس کرائی ہے کہ حیرت ہو جاتی ہے، عبداللہ بن ابی اپنے قبیلہ خزرج کا بڑا مقبول سردار رہ چکا تھا، قبیلہ کے ساتھ وہ بھی اسلام لایا۔ لیکن اسلام اس کے حلق سے نہیں اترا تھا، وہ اپنے کو مسلمان ثابت کرتا لیکن اندر اندر دشمنی کرتا، ظاہر میں مسلمان ہوگیا تھا اس سے اس کا قبیلہ اس سے ہمدردی رکھتا تھا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بات کی رعایت میں یہ جانتے ہوئے کہ وہ منافق ہے۔ بلکہ اس کی طرف سے آپ کو وقتاً فوقتاً سخت ایذا پہونچتی تھی۔ لیکن اچھا برتاؤ رکھا، بلکہ ایک سفر کے دوران۔

عبداللہ بن ابی نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں کے ساتھ مدینہ کی طرف آتے ہوئے مسلمانوں اور حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی طرف بباطن کا اشارہ کر کے کہا کہ مدینہ پہونچ کر مدینہ کے معزز لوگ اِن گھٹیا اور ذلیل لوگوں کو نکال باہر کریں گے، جس کا صاف مطلب تھا کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم اور دیگر مہاجرین کے لئے وہ کہہ رہا ہے، یہ ایسی بات تھی کہ خود عبداللہ ابن ابی کے بیٹے کو بری لگی انکو یہ خیال ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس باغیانہ حرکت پر ان کے باپ کو سخت سے سخت سزا دے سکتے ہیں، یا خود مسلمان ناراض ہو کر اس کو قتل کر سکتے ہیں وہ حضور علیہ السلام کے پاس آئے اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم! میرے باپ نے ایسی گندی بات کہی ہے اس پر وہ لائق قتل ہو سکتے ہیں، میں خیال کرتا ہوں کہ قتل کا کام اگر کوئی مسلمان کریگا تو میں ان کا بیٹا فرزند ہونے کے ناطے مجھ پر اس کا اثر پڑ سکتا ہے جو میرے ایمان کے لئے مضر ہوگا۔ لہٰذا یہ کام لینا ہو تو مجھ سے ہی لے لیجئے، آپؐ نے فرمایا، نہیں بلکہ میں انکے ساتھ اچھا برتاؤ کرونگا، آپؐ کے اس عمل کا ایسا اثر پڑا کہ جب مدینہ منورہ میں مسلمانوں کا یہ قافلہ داخل ہوا تو عبداللہ بن ابی کے بیٹے راستہ پر کھڑے ہو گئے، اور باپ کی آمد پر تلوار دکھا کر کہا سن لیجئے، معزز و مؤقر حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمان ہیں اور ذلیل اور پست آپ ہیں، اب سن لیجئے آپ مدینہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اجازت کے بغیر داخل بھی نہیں ہو سکتے۔

حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے اپنے وعدہ کو برابر نبھایا کہ عبداللہ بن ابی کے ساتھ

اتا حیات خوش اخلاقی کا ہی معاملہ رکھا، خوش اخلاقی اختیار کرنے کے سلسلہ میں قرآن کی ہدایت یہاں تک آئی کہ اگر کوئی مشرک تمہاری حفاظت میں آئے تو اس کو حفاظت کے ساتھ اپنے پاس ٹھہراؤ، اِس طرح اللہ کا کلام سنے گا پھر اسکو اس کی حفاظت کی جگہ تک پہونچا دو،۔

صوفیائے کرام اور بزرگانِ دین نے دعوتِ دین کی خاطر احکامِ خداوندی اور اسوۂ نبوت کو پوری طرح اختیار کیا۔ اسی کا اثر ہے کہ اس وقت مسلمانوں کی اتنی بڑی تعداد ہے، اس سلسلہ میں ان کے بے شمار واقعات ہیں جن سے ان کی محنت، صبر و برداشت، عام انسانی ہمدردی و خیر خواہی، دوستوں کے ساتھ اخلاص و محبت دشمنوں کے ساتھ بھی رعایت و خیر خواہی کی اعلا مثالیں ملتی ہیں، یہ وہ طریقۂ عمل ہے جس سے دین تو دین ہے دنیا بھی عافیت و خیر کی بن جاتی ہے، چنانچہ ایک شاعر نے کہا ہے ۔

؎ آسائشِ دو گیتی تفسیر ایں دو حرف است
بادوستاں تلطف ، بادشمناں مدار

یہ خوش آئند بات ہے کہ برصغیر میں الحمدللہ دعوت کے کام میں اب بھی مسلمانوں کی ایک تعداد مصروف ہے۔ ان کے میدانِ عمل اور طریقۂ کار میں تنوع ہے ان کے ذریعہ دین کے تعارف ایمان و عمل صالح کی تلقین کا کام انجام دیا جارہا ہے محبت و ہمدردی کے ساتھ لوگوں سے ملتے اور بے غرض ردیہ کے ساتھ کام کرتے ہیں اسی کا نتیجہ ہے کہ ان کے کام کے اثرات بھی غیر معمولی ظاہر ہورہے ہیں، نہ معلوم کتنے ایسے افراد ہیں

کہ دعوت کے ان تک پہونچنے سے قبل مختلف قسم کے حرام کاموں میں اور خدا بیزار زندگی میں مبتلا تھے وہ دعوت کا اثر قبول کرنے کے بعد نہ صرف یہ کہ نہایت صالح مسلمان بنے بلکہ پرُ ہمت اور منہمک داعی بنے ہوتے ہیں۔ لاکھوں آدمی جو آزادانہ زندگی میں مبتلا رہ چکے ہیں وہ اب دیکھنے میں مولوی ملاّ اور عملی طور پر دینی زندگی میں شہر شہر نظر آتے ہیں۔

یہ سب نتیجہ ہے دعوتی زندگی اختیار کرنے کا اور اللہ تعالیٰ کے حکم دعوت کی تعمیل کا اللہ تعالیٰ نے چاہا تو دعوت کی یہ کوششیں جو بے غرض طریقہ سے جاری ہیں۔ خواہ جماعت تبلیغ کی ہوں۔ خواہ دوسری دعوتی عمل رکھنے والی جماعتوں کی ہوں امتِ مسلمہ کی حفاظت و ترقی کے بہترین نتائج پیدا کریں گی اور کم از کم اس امت کے بقاء و تحفظ کا ذریعہ ثابت ہوں گی۔

ایک نومسلم تاجر کا خط

27/8/1992

جناب مولانا صاحب السلام علیکم

بہت دن سے آپ کا دہلی آنا نہیں ہوا۔ دل ملنے کو بہت بے چین ہے میرے پیارے مولانا صاحب میری زندگی ایک غم بن گئی ہے۔ میرے ماں باپ ایمان کے بغیر مر گئے اور وہ دوزخ میں جل رہے ہوں گے۔ آپ ذرا سوچئے، کبھی کبھی پوری رات مجھے نیند نہیں آتی اور روتا رہتا ہوں۔ کبھی دل میں آتا ہے، سارے مسلمانوں کو نوچ کھا جاؤں، میں کیا کروں، کیا کوئی اب بھی علاج ہو سکتا ہے اب بھی مسلمان دین کو سب تک پہنچانے کی فکر نہیں کر رہے ہیں کتنے لوگ ایمان کے بغیر مر جائیں گے۔ بس اسی طرح کی بات دماغ میں آتی رہتی ہے اور بے چین ہو جاتا ہوں۔

آپ ذرا جلدی آیئے، دہلی آنا ہو تو مجھے ضرور خبر کیجئے

والسلام

آپ کا منوج کمار

اسلام کی دعوت اور غیر مسلم حضرات

مولانا سعید الرحمن اعظمی ندوی، صدر شعبۂ عربی ندوۃ العلماء لکھنؤ

امتِ مسلمہ کو اللہ تعالے نے امتِ دعوت و ہدایت بنایا ہے، اور اس کو خیر امت کا لقب عطا کیا ہے۔ اور امر بالمعروف کی ذمہ داری سونپی ہے، انسان کے لئے اس کی انسانی حیثیت کا عظیم ترین تصور اس سے زیادہ گہرا اور ہمہ گیر کسی نبی کی امت یا دنیا کی کسی قوم میں نہیں پایا گیا۔

دینِ اسلام فطرتِ انسانی کا ترجمان ہے، اس کا کردار زندگی، انسانی اور کائنات کی امنگوں کو بڑھانے اور ان کو صحیح رخ پر لگانے میں نہایت اہم اور پائیدار ہے، یہی وجہ ہے کہ اسلام کے آنے سے پہلے انسانی تاریخ کا جو تاریک ترین دور تھا، اس کو نہایت روشن اور تاریخ انسانی کا ایک شاندار باب بنانے میں اسلام نے بہت ہی مفید اور زندہ جاوید کارنامہ انجام دیا جبکہ

اس وقت دنیا کی تمام تہذیبیں اور نظامہائے حیات اور فلسفے اُس جیسے انقلاب کو برپا کرنے میں نہ صرف یہ ہے کہ ناکام رہے بلکہ ان کے ہاتھوں انسانیت کا قتل عام ہوا ، یہ ایک ایسی حقیقت ہے جو روز روشن کیطرح عیاں ہے۔

اسلام ہی دراصل کائنات اور زندگی کے ساتھ انسان کی وابستگی کا تعین کرتا ہے اور اس کے لئے ایک کامیاب زندگی اور معاشرتی انصاف کی راہ ہموار کرتا ہے ، اور زندگی کے مقصد کو واضح طور پر بیان کرکے ان طریقوں کی تشریح کرتا ہے ، جو انسانی تعلقات کو مضبوط بناتے ہیں اور بندے کو معبود کے ساتھ جوڑتے ہیں اور اس کی پاکی وحدانیت اور عظیم قدرت کا یقین اس کے دل میں پیدا کرتے ہیں۔

جب تک انسان کا رشتہ خدا اور اس کے بھیجے ہوئے آخری نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مضبوط نہ ہو حقیقی کامیابی اور چین وعافیت کی ضمانت نہیں مل سکتی نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کے آخری پیغام اسلام کو نہایت ناسازگار حالات میں عام کیا ، اور ہدایت کا فریضہ انجام دیکر عزت وسعادت کی دولت سے مالا مال کیا ، ان کے دلوں کی سیاہی دور کی ، ان کو کتابِ الٰہی اور علم حکمت سکھایا ، اللہ تعالیٰ نے اپنے پاک اور برگزیدہ نبی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا وصف بیان کرتے ہوئے فرمایا۔

"هُوَ الَّذِي بَعَثَ فِي الْأُمِّيِّينَ رَسُولًا مِّنْهُمْ يَتْلُو عَلَيْهِمْ آيَاتِهِ وَيُزَكِّيهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَإِن كَانُوا مِن قَبْلُ لَفِي ضَلَالٍ مُّبِينٍ ۝"

ترجمہ: وہی ذاتِ پاک ہے جس نے اَن پڑھ لوگوں میں سے ایک رسول مبعوث فرمایا جو ان لوگوں کو اللہ کی آیتیں پڑھکر سناتے ہیں، اور ان کو پاک کرتے ہیں اور ان کو کتاب وحکمت کی تعلیم دیتے ہیں۔ اگرچہ وہ لوگ اس سے پہلے کھلی ہوئی گمراہی میں تھے،

اسلام دراصل انسانی مزاج سے پوری طرح ہم آہنگ، اللہ تعالیٰ نے اس کو فطرت کے عین مطابق بنایا، کسی زمانے میں بھی اس میں کسی ردوبدل اور کمی زیادتی کا کوئی امکان نہیں، اس میں انسانی زندگی کے تمام چھوٹے بڑے مسائل کا حل موجود ہے، اس میں زمان ومکان کی کوئی قید نہیں، اسلام کی تعلیمات زندگی کے ہر گوشہ پر حاوی ہیں، خواہ اس کا تعلق انفرادی زندگی سے ہو یا اجتماعی، اور اقتصادی امور سے ہو یا سیاسی حالات اور عائلی مسائل سے ہو یا قومی معاملات سے ہو، کسی حال میں بھی وہ رہنمائی کے منصب سے دور نہیں ہو سکتا اور نہ اس پر قدامت کا کوئی نشان لگایا جا سکتا ہے۔ اس ناقابلِ انکار حقیقت کا ہر سطح پر تجربہ کیا گیا، لیکن سوائے اس کے کہ اس کی ہمہ گیری اور اس کی ابدیت کی ہر شخص شہادت دے کسی قسم کی کوئی اور خلافِ واقعہ بات نہیں کہی جا سکتی۔

ہر شعبہ کے مسلمان خصوصاً اہل علم ودعوت پر یہ ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ وہ جذبۂ خیر خواہی کی بنا پر لوگوں کو اسلام کی دعوت دیں اور اس آسمانی نظامِ زندگی کو اپنانے کا جذبہ دلوں میں پیدا کریں، اس لئے یہ کام صرف دعوت دینے والے کے حق میں مفید نہیں ہے، بلکہ اس طریقۂ زندگی کو اختیار کرنے کی طرف جس کو متوجہ کیا جائے وہ خود اس کے لئے انتہائی سعادت وعزت

کا باعث ہے، اس لئے کہ اگر داعی کے دل میں خیر خواہی کا جذبہ نہ ہو تو وہ کیوں دوسروں کے لئے مشقت برداشت کرے گا۔

خیر امت کے ہر فرد سے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی ذمہ داری مطلوب ہے اس ذمہ داری کو انجام دینے کا مطلب یہ ہوگا کہ اس خراب معاشرے کو بہتر بنا سکیں گے، اور اس کو ہلاکت و بربادی کے خطرات سے بچا سکیں گے، سب سے زیادہ اِس ملک میں رہنے والے مسلمانوں پر یہ حق عائد ہوتا ہے کہ وہ اپنے قول و فعل سے اہلِ وطن کے دلوں کو جیتیں، اور ان کو اسلام کے زیر سایہ لانے کے لئے سنجیدہ کوشش کریں، اپنی زندگی کے جملہ معاملات میں صحیح اسلامی اخلاق اور سچی اسلامی زندگی کا نمونہ پیش کریں، اور ان کو اسلامی زندگی سے قریب کرنے اور اس کی خوبیوں سے آگاہ کرنے اور ایک پاکیزہ زندگی عطاء کرنے کے لئے اپنے دلوں میں تڑپ محسوس کریں،

کس قدر افسوس کی بات ہے کہ ہمارے اس عظیم ملک میں مسلمانوں نے صدیوں حکمرانی کی، انھوں نے اہلِ وطن کے ساتھ رواداری برتی، اور اُن پر اعتماد کیا، اور ان کو اونچے عہدے پر فائز کیا، اور ان کو ہر چیز میں برابر کا شریک گردانا، لیکن ان کو اسلام کا مفہوم و مطلب نہیں بتایا۔ انھوں نے اسلام کی کوئی دعوت ان کے سامنے پیش نہیں کی۔ بلکہ سچ تو یہ ہے کہ اسلام کا کوئی مختصر تعارف بھی کرانے کی زحمت گوارہ نہیں کی گئی، اور اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ مسلم اور غیر مسلم کے درمیان بہت سے معاشرتی معاملات میں خلیج حائل ہو گئی، اور بہت سے غلط رسم و رواج مسلمانوں کے معاشرے میں در آئے

اور اسلامی تعلیمات کے خلاف متعدد معاشرتی معاملات انجام پانے لگے۔

سب سے زیادہ جس بات پر افسوس ہوتا ہے وہ یہ کہ اس قدر طویل مواقع حاصل کرنیکے باوجود ہم نے اپنے وطن کو یہ نہیں بتایا کہ اسلام کیا چیز ہے، اور اس کو کس طرح برتنا چاہیئے۔ اور اس کی کیا کیا خصوصیات ہیں، اگر ہم نے اسلامی زندگی کی نمائندگی کی ہوتی، اور عملی حیثیت سے اس کا نمونہ پیش کیا ہوتا تو یہ ایک خاموش دعوت ہوتی، جس کا اثر ہمارے ساتھ رہنے والے پڑوسیوں پر پڑتا، اور اگر وہ اسلام قبول نہ کرتے جب بھی اسلام کی صحیح صورت اور اس کی خوبیوں سے واقف ہوتے، لیکن ایسا نہ ہوا، اور اسلام کا تعارف غیر مسلم حضرات سے نہیں کرایا گیا، یہاں تک صدیوں کے بعد آج ہمارے ملک کے غیر مسلم حضرات یہ نہیں جان سکے کہ اسلام کس مذہب کا نام ہے، اور اس کی کیا حیثیت ہے، اور زندگی اور کائنات کے بارے میں اس کا کیا رویہ اور اعلیٰ اخلاق و سیرت کی تعمیر میں اس کا کیا کردار ہے؟ وہ اذان کا مطلب نہیں سمجھ سکے، اور نہ مسجدوں کی اہمیت اور ان کے اندر نماز کی عبادت کا مفہوم ان کو معلوم ہوسکا۔

غیر مسلم حضرات کا اعلیٰ تعلیم یافتہ طبقہ باوجود اپنی ذہانت اور معاملہ فہمی کے یہ نہ جان سکا کہ ہم اذان اور نماز میں جو تکبیر کہتے ہیں، اور اللہ اکبر پکارتے ہیں اس سے کیا مراد ہے اور کس کی دہائی دی جاتی ہے، نہ جانے کتنے لوگ یہ سمجھتے رہے اور آج بھی سمجھتے ہیں کہ اکبر سے مراد اکبر بادشاہ ہے۔ اِنا للہ واِنا الیہ راجعون۔"

یہاں بات بھی دلچسپی سے خالی نہ ہوگی کہ باوجود ایک مخلوط معاشرے

کے جس میں مسلم اور غیر مسلم حضرات ساتھ ساتھ رہتے ہیں اور زندگی کے بہت سے معاملات میں ایک دوسرے کے شریک ہیں اپنے مسلمان پڑوسیوں اور ساتھیوں کا نام۔ صحیح تلفظ سے نہیں لے سکتے، اس پر غور کریں تو ان کا قصور کم ہے، اور ہماری کوتاہی کو زیادہ دخل ہے۔

ہم نے اسلام کا تعارف پیش کرنے کی بہت کم فکر کی، اور اسلام کی دعوت دینے، اور اسلامی زندگی اور اسلامی تہذیب سے آشنا کرنے —— میں ہم نے کوئی مثبت رول نہیں ادا کیا، کبھی ایسا بھی ہوا کہ ہم نے اسلام کو اپنی ذاتی ملکیت تصور کر لیا، اور اس ملکیت میں دوسرے غیر مسلم کو شریک کرنے کی ضرورت نہیں سمجھی، اور نہ اپنے دل میں اس کے لئے آمادگی پائی۔

اس راہ میں عام طور سے نسبی اونچ نیچ کا تصور اور ذات برادری کی تفریق حد سے زیادہ نقصان دہ ثابت ہوئی، اور اسلام کی برتری اور فضیلت بیان کرنے کے بجائے اپنی برتری اور فضیلت ثابت کرنے میں لگ گئے نتیجہ یہ ہوا کہ ہم نے اپنی دعوتی اور تبلیغی توانائیوں کو غیر ضروری باتوں میں صرف کیا، اور اسلام کی صحیح نمائندگی نہیں کر سکے، اور نہ اپنی غیرت ایمانی کا ثبوت پیش کر سکے۔

خدا کا شکر ہے کہ اب پوری دنیا میں ایک اسلامی بیداری پیدا ہو چکی ہے، لوگ حقیقت پسندی کی عینک سے اسلام کا مطالعہ کر رہے ہیں، اور اس کی حقانیت اور ہمہ گیری کا اعتراف کرنے لگے ہیں، یورپ اور امریکا میں ایک بڑا طبقہ اسلام کو قبول کر کے زندگی کی مایوسی سے نجات پا چکا ہے، اور وہ اسلام کی تعلیمات کو سینے سے لگا کر عملی نمونہ پیش کر رہا ہے، اس بیداری کا اثر ہر ملک

اور دنیا کے ہر خطّہ میں موجود ہے اس سے اہل علم کو دعوت کے کاموں میں مشغول رہنے والے حضرات کے لئے ایک عظیم اور نادر موقع فراہم ہو رہا ہے کر وہ اسلام کی دعوت غیر مسلم حضرات کے سامنے بکھر جائیں اور ان کے سامنے ایسا عملی نمونہ پیش کریں کہ وہ نہایت یقین اور اعتماد کے ساتھ اس دین کو اختیار کرنے کی طرف متوجہ ہو جائیں۔

اس وقت دنیا میں جو پیچیدہ مسائل درپیش ہیں، اور امن وامان کی صورتِ حال جسطرح تباہ ہو رہی ہے، اسکا علاج صرف اسلام قبول کرنے اور اسکی دعوت کو اپنانے ہی میں ہے۔ ہمارے ملک میں جتنے بھی مسائل قومی اور سیاسی سطح پر ظاہر ہوتے رہتے ہیں، اور اس کا حل تلاش کرنے میں ناکامی ہوتی ہے، اس کی وجہ یہی ہے۔ کہ ہم اس کے صحیح سرچشمہ سے ناآشنا ہیں۔ اور اسلام کے بتائے ہوئے راستے سے بہت دور ہیں۔

میں سمجھتا ہوں کہ ملکوں اور قوموں کے ساتھ صحیح ہمدردی اور خیر خواہی یہی ہوگی کہ ہم ان کے سامنے اسلام کی دعوت پیش کریں اور ان کے لئے ایمان و یقین کی روشنی فراہم کریں۔ تاکہ وہ حالات اور مسائل کی بھول بھلیوں سے نکل کر اسلام کی شاہراہ پر گامزن ہوں۔

جو لوگ اس فریضہ کو انجام دیں گے، وہی فاتحِ عالم قرار پائیں گے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ "ان تنصروا اللہ ینصرکم ویثبت اقدامکم" قابل صد رشک ہیں وہ لوگ جنکو اللہ تعالیٰ نے اسلام کی دعوت کو غیر مسلموں میں عام کرنے کی توفیق عطا فرمائی ہے، اور اسلام کا تعارف کرانے کی راہ میں اپنی اپنی توانائیاں صرف کر رہے ہیں یہ وقت کا بہت بڑا فریضہ ہے اور موجودہ حالات میں تمام مسائل کا واحد حل ہے،

دعوت کیوں اور کیسے؟
تربیتی نصاب کا خاکہ

ڈاکٹر نثار احمد فاروقی
صدر شعبۂ عربی دلی یونیورسٹی

حجۃ الوداع کے موقع پر میدانِ عرفات میں جبلِ رحمت کی چٹان پر کھڑے ہوکر رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے جو خطبہ ارشاد فرمایا تھا اسے انسانیت کا پہلا منشور آزادی اور حقوقِ انسانی کا پہلا اعلامیہ کہا جاسکتا ہے۔ اس خطبے کے آخر میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حاضرین کے مجمع سے بلند آواز سے دریافت فرمایا تھا: "کیا میں نے اللہ کا پیغام تم سب تک پہنچا دیا ہے؟" سب نے یک زبان ہوکر کہا تھا: جی ہاں۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے آسمان کی طرف دیکھ کر تین بار فرمایا: اے اللہ تو گواہ رہنا اور حاضرین سے ارشاد ہوا کہ جو لوگ یہاں موجود ہیں انھیں چاہیے کہ وہ اللہ کا پیغام ان لوگوں تک پہنچا دیں جو یہاں نہیں ہیں۔

اس مبارک و مقدس مجمع میں مسلمانوں کی تو کثیر تعداد موجود ہی تھی صرف نواحی علاقوں میں یا مدینہ منورہ میں کچھ ہی مسلمان کسی عذر یا مجبوری یا ضرورت

کی وجہ سے رہ گئے ہوں گے ، اس لئے ہم بجا طور پر یہ مطلب سمجھ سکتے ہیں کہ فرمان رسالت " فلیبلغ الشاھد الغائب " میں غائب سے غیر مسلمین ہی مراد تھے جن کی آبادی دنیا کے دور دراز علاقوں میں پھیلی ہوئی تھی اور جن تک اللہ تعالیٰ کا پیغام پہنچانا اس فرمان رسالت کے بعد اب ہر مسلمان کی ذمہ داری ہو گئی تھی ۔ قرآن کریم سے ثابت ہے کہ اللہ کی طرف بلانا سب سے اچھی بات ہے ، اور حضرت رسالت کی امت کا منصب یہ ہے کہ وہ انسانیت کو نیکی کی طرف بلائے اور بری باتوں سے روکے جیسے قرآن کریم نے یوں کہا ہے :-

و لتکن منکم امۃ یدعون الی الخیر	اور تم میں ایسی امت ہونی چاہئے جو خود بر کت کی دعوت دے پسندیدہ کاموں کا حکم دے اور
یامرون بالمعروف وینھون	
عن المنکر	ناپسندیدہ باتوں سے روکے ۔

اسی کا نام دعوت و تبلیغ ہے ۔

دعوت کا لغوی مفہوم ہے بلانا جسے انگریزی میں ۔ To Invite کہا جاتا ہے ۔ یعنی آپ غیر مسلموں کو اپنی مجلس میں بلائیں ، ان سے رابطہ قائم رکھیں ترسیل کا فقدان یعنی Communication Gap.... نہ ہو انھیں یہ معلوم ہوتا ہے کہ آپ کے اعمال کیا ہیں ؟ عبادات کیا ہیں وغیرہ ۔ ہندوستان میں یہ خلیج بہت چوڑی ہو چکی ہے اس لئے مسلم دشمن گروہ ایسا پروپگنڈہ کرانے میں کامیاب رہتے ہیں کہ مسجدوں میں ہتھیاروں کا ذخیرہ کیا جاتا ہے یا سماج مخالف منصوبے بنائے جاتے ہیں ۔ ١٩٦٥ء میں ہندوستان اور پاکستان کی جنگ کے زمانے میں ایک خبر یہ بھی چھپی تھی کہ راجوری کی ایک مسجد پر بارہ بجے دن میں

پاکستان نے بم گرایا جس سے اتنے مرد اور اتنی عورتیں نماز پڑھتے ہوئے مارے گئے۔ یعنی ہمارے خبریں بنانے والوں کو یہ خبر نہیں تھی کہ دن کے بارہ بجے کہیں کوئی نماز نہیں ہوتی۔

دعوت کا پہلا فائدہ یہ ہوگا کہ غلط فہمیاں دور ہونگی، اسلامی عقائد اور اعمال اور معاملات کے بارے میں غیر مسلموں کو واقفیت ہوگی۔ اس سے کسی درجہ میں ہمدردی اور مفاہمت رواداری کی راہیں کھلیں گی، ایسا ہوگا تو برسوں سے دلوں میں بیٹھی ہوئی اور بٹھائی ہوئی نفرت اور کدورت بھی دور ہوگی، پھر دعوت کے اگلے مرحلوں کے لئے زمین ہموار ہوگی اس لئے پہلا ہدف یہی ہونا چاہئے کہ Communication gap دور ہو اور باہمی رابطے کا ایک Channel بنے، اس کے لئے طریق کار سب جگہ ایک سا نہیں اختیار کیا جاسکتا۔ جن لوگوں کو خطاب کرنا ہے ان کی سطح فہم وادراک کا لحاظ رکھنا ضروری ہے ان کے معمولات اعتقائد، رسوم وشعائر، میلان وعواطف، ضروریات واحتیاجات سب پر نظر رکھنی ہوگی، جو تعلیم یافتہ ہیں ان سے رابطہ دوسرے انداز کا ہوگا، غیر تعلیم یافتہ سے بات دوسرے طریقہ سے کی جائے گی، ان میں بھی ایک وہ طبقہ ہوگا جسے سماجی امتیاز اور سہولتیں حاصل ہیں دوسرا وہ ہوگا جس کا استحصال کیا جاتا ہے جو قرآن کی اصطلاح میں مستضعفین ہیں ان کے درمیان رہ کر ان کے مسائل کا عملی حل پیش کرنا ہوگا۔

اس کے لئے سب سے پہلے زمین ہموار کرنی ہوگی یعنی کسی ایک دیہی قصباتی یا شہری علاقے کا انتخاب کر کے وہاں چند رضا کاروں کو متعین کیا جائے

جو اس علاقے کا پورا جائزہ لے کر جامع رپورٹ تیار کریں جس میں درج ذیل باتوں کی وضاحت کی گئی ہو۔

زیر نظر علاقے کا جغرافیہ اور رقبہ

اس علاقے کی کل آبادی کتنی ہے۔ کس مذہب کے ماننے والے کتنے ہیں؟

تعلیم کا تناسب کیا ہے۔؟ اسکول ر کالج، مدرسے اور مکاتب کتنے ہیں، ؟۔ اس علاقے کے باشندوں کی مذہبی اور سماجی رسمیں کیا ہیں۔؟

ان کے توہمات اور معتقدات کی نوعیت کیا ہے۔؟

علاقے کی اقتصادی حالت کیسی ہے؟ ذرائع معاش کیا ہے۔؟

آبادی کا کتنا حصہ زندگی کی بنیادی ضرورتوں اور سہولتوں سے محروم ہے۔

ان کی مادری زبان کیا ہے اور اس کا لٹریچر کس نوعیت کا ہے؟

یہ تفصیلی رپورٹ ایک ماہ تک اس علاقے میں گھوم پھر کر تیار کی جائے اور اسے دعوت کے طریق کار اور ترجیحات کا تعین کرنے کے لئے ماہرین کی ایک کمیٹی کے سامنے پیش کیا جائے وہ کمیٹی یہ فیصلہ کرے گی کہ دعوت کا کام مرحلہ وار کس طرح انجام دینا ہے۔ جو اس علاقے کی شدید اور فوری ضرورتیں ہوں انھیں ترجیح دی جائے خواہ اس کا دینی دعوت سے براہ راست کچھ تعلق نہ ہو مثلاً کسی علاقے میں مدرسہ راسکول نہیں ہے یا پانی کی قلت ہے یا مریضوں کو علاج کے لئے دور تک جانا پڑتا ہے مقامی طور پر سہولت میسر نہیں تو ان امور کی طرف پہلے توجہ کی جائے اس سے مقامی باشندوں میں ہمدردی پیدا ہوگی۔ دعوت کے لئے سو رہ، رضا کاروں کا جو گروہ کہیں جائے ان میں یا ان کے ساتھ

ایک حکیم یا ڈاکٹر بھی رہے تو اس کا بہت اچھا اثر ہوگا۔ معمولی عوارض کے لئے دوائیں تقسیم کی جائیں وغیرہ۔

ایسے علاقوں میں جہاں توہمات، خرافات، ناپسندیدہ رسوم و عادات برسوں سے پھیلی ہوئی بلکہ آبادی کے رگ وریشے میں پیوست ہوں وہاں ردِ بدعت کے داعیہ کو وقتی طور پر دبا کر رکھا جائے ورنہ کام کرنا دشوار ہوجائے گا۔ بلکہ ابتدا میں اگر ایسی ناپسندیدہ رسموں میں شریک بھی ہونا پڑے تو۔ اِلَّا مَنْ اُکْرِہَ وَقَلْبُہٗ مُطْمَئِنٌّ کی رخصت پر عمل کرلیا جائے۔ وہ مرحلہ بہت دیر میں آئے گا جب بدعات و توہمات کار داور ان کی مذمت سننے کا ظرف ان لوگوں میں پیدا ہوجائے گا، جب یہ ہوجائے گا تو وہ خود ہی اِن مذموم رسموں کو بند کردیں گے۔

اصل میں ایسے غیر مسلم علاقوں میں دعوت کی فضا کو ساز گار بنانے کے لئے دینی دعوت سے زیادہ Social work کی ضرورت ہوگی۔ یہ اگر صحیح طور پر کیا جائے تو سارا ماحول موافق ہوجائے گا اور دعوت میں کوئی دشواری نہیں پیش نہیں آئے گی۔ ہمیں یہ تاثر دینا ہوگا کہ انسانیت کی اور سماج کی خدمت کرنا ہماری پالیسی یا حکمت عملی نہیں بلکہ ہمارا عقیدہ اور ہمارے دین کا تقاضا ہے۔

سوشل ورک سے فضا کو ساز گار بنا لینے کے بعد دوسرا مرحلہ تعلیم و تربیت کا ہے۔ اس کے لئے صرف اسکول ، مدارس قائم کردینا ہی نہیں، چھوٹے چھوٹے جلسے، تقریبات، دلچسپ پروگرام بھی ہوں، کبھی حلقہ بنا کر انھیں اچھی کہانیاں، سبق آموز حکایات یا بزرگوں کے ملفوظات سنائے جائیں ایسے بزرگوں کا تذکرہ ترجیح کے

ساتھ ہو جن کے نام سے وہ لوگ واقف ہوں مگر ان کی خدمات سے بے خبر ہوں مثلاً ۔ راجستھان میں حضرت خواجہ معین الدین اجمیری علیہ الرحمہ، حضرت صوفی حمید الدین سوالی ناگوری وغیرہ یا ہریانہ میں حضرت بو علی شاہ قلندر، حضرت عوث علی شاہ قلندر، حضرت جلال الدین کبیر الاولیاء، حضرت شمس الدین ترک، حضرت جلال الدین تھانیسری وغیرہ ما ۔

اسکول یا مدارس میں ابتدائی دو سال تک زبانیں سیکھنے پر توجہ رکھی جائے ہندی کے علاوہ اردو پڑھنا آجائے کہ ہمارا بیشتر دینی سرمایہ جو ہماری ضرورت پوری کرسکتا ہے اردو میں دستیاب ہے اور اردو، سیکھنے کے بعد وہ مدعو حضرات ہند اسلامی ثقافت سے قریب تر ہو جائیں گے۔

اس طرح کے اگلے اور کسی قدر بلند مرحلے میں مثلاً درجہ پنجم کے بعد عربی زبان اس طرح سکھائیں کہ اس کے الفاظ ادا کرنے کے لئے ان کا لب ولہجہ اور تلفظ بڑی حد تک صحیح ہو جائے اور وہ صحیح مخارج کے ساتھ قرآن کریم پڑھ سکیں ۔

ہندوستانی ذہن تاریخی حقائق سے مانوس نہیں ہے ۔ اس کے سامنے ۔ مستند تاریخی واقعات بیان کئے جائیں تو اس پر اثر نہیں کرتے ایک کان سے سن کر دوسرے کان سے اڑا دیتا ہے اس لئے کہ وہ تاریخی شعور consciousness of history سے محروم ہے ۔ البتہ اگر اسے بے سر دپا، قصے دیومالا کی کہانیاں اور اساطیر سنائے جائیں تو اس کا دل اور دماغ دونوں بڑے چاؤ سے قبول کرتے ہیں ۔ اسی لئے اچھا خاصا پڑھا لکھا اور سمجھ دار طبقہ بھی اس پر یقین رکھتا ہے کہ رامائن کا قصہ وجود میں آیا تھا، اس کے سب کردار حقیقی ہیں، رام چندر ایک خاص جگہ پر اجودھیا

میں پیدا ہوئے تھے جیسے گربہ گرہ کہتے ہیں وغیرہ۔ دنیا کی کوئی منطق اور تاریخ کی کوئی شہادت انھیں اس عقیدے سے نہیں ڈگا سکتی، اس لئے ہمارے داعیوں اور رضا کاروں کو پہلے نفسیات کا فائدہ اٹھانا ہوگا کہ چھوٹی چھوٹی مجلسوں میں انبیاء کے قصے سیرۃ نبوی کے محیر العقول واقعات، معجزات، درویشوں کے کرامات اور خوارق عادات بیان کرکے ان کی توجہ کو جذب کریں اور پھر آہستہ آہستہ تاریخی شعور کی طرف موڑتے رہیں اس کے لئے وقت درکار ہوگا، مگر پہلے ہی دن سے اگر مستند اور غیر مستند روایات کے چکر میں پڑ گئے تو ان کی توجہ کو اپنی طرف کھینچ نہ سکیں گے۔

قصہ گوئی اور داستان طرازی سے حسب ضرورت فائدہ اٹھانے کے ساتھ ہی عام دلچسپی کے مشاغل یعنی (public entertainment) کے طریقوں سے بھی کام لیا جائے۔ مثلاً مشاعرہ، یا کسی سبق آموز کہانی پر مبنی ڈراما یا تمثیل وغیرہ اس کا فیصلہ علاقہ کی ضرورت اور میلان کی نسبت سے ہوسکتا ہے۔

غیر مسلموں کی بڑی تعداد جادو، ٹونے، جیوتش، منتر، تعویذ گنڈے پر اعتقاد رکھتی ہے۔ اسی لئے پاکھنڈی لوگوں کے جال میں آسانی سے گرفتار ہو جاتی ہے۔ دیہات میں اس کا اثر اور بھی زیادہ ہے مردوں سے زیادہ عورتیں اس فریب کا شکار ہو جاتی ہیں، اس کے خلاف سیدھی لڑائی سے مخالفت پیدا ہونے کا امکان ہے اس کا تدارک بھی حکمت سے مرحلہ وار کرنا ہوگا۔

تعویذ اور عملیات کی حد تک صالح طریقوں سے فائدہ اٹھایا جاسکتا ہے اس کا عام لوگوں پر فوری گہرا اثر ہوگا، اسی کے ذریعہ دعوت کا مقصد بھی حاصل کیا جا سکتا ہے۔ حضرت خواجہ نظام الدین اولیا رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے پیر و مرشد حضرت

باباؔ فرید الدین مسعود گنج شکر قدس سرہ سے عرض کیا کہ بہت سے لوگ میرے پاس آتے ہیں اور تعویذ طلب کرتے ہیں، انھیں تعویذ لکھ کر دیں یا نہ دیں؟ آپ کا حکم کیا ہے، حضرت بابا فرید الدین علیہ الرحمہ نے فرمایا: کوئی کام نہ میرے اختیار میں ہے نہ تمھارے اختیار میں، سب کچھ اللہ ہی کرتا ہے، تعویذ بھی اللہ کا نام لکھ کر دے دیا کرو۔ لوگ اتنی کثرت سے تعویذ کی طلب میں آتے تھے کہ لکھتے لکھتے حضرت نظام الدین کی انگلیاں دُکھنے لگتی تھیں۔ کسی ایسے علاقے میں کام کرنے والے ہمارے داعی رضا کار بھی اسے دعوتی رنگ دے سکتے ہیں مثلاً انھیں ورد کرنے کے لئے کوئی چھوٹا سا کلمہ یا اسمائے حسنیٰ میں سے کوئی اسم بتا دیا جائے کہ اسے فلاں وقت اتنی تعداد میں پڑھ لیا کریں یا تعویذ دیں تو خود اس کا کوئی معاوضہ طلب کرنے کی بجائے یہ شرط لگا دیں کہ اس کا اثر جب ظاہر ہو تو کسی بھوکے کو کھانا کھلائیں یا کسی یتیم بچے کی پرورش اپنے ذمہ لیں، یا کسی غریب طالب علم کی اسکول کی فیس ادا کریں، یا پبلک کے فائدے کے لئے کہیں نل لگوا دیں۔ ایسی شرط کا فیصلہ طالب کی حیثیت اور استطاعت کے اعتبار سے ہو سکتا ہے۔

جس علاقے میں کام کرنے کے لئے زمین ہموار کی گئی ہے جب وہاں کچھ لوگوں کی طرف سے اعانت ملنے لگے تو ہفتہ وار اجتماع شروع کیا جائے اور اس میں ہر ہفتہ کسی ایک موضوع پر گفتگو اور سوال جواب ہوا کریں۔ ابتدا میں ایسے موضوعات کا انتخاب ہو جن کا تعلق عام لوگوں کے مسائل سے ہے۔ مثلاً یہ کہ دنیا کے دوسرے مذاہب اور فلسفوں میں انسان کا تصور کیا ہے؟ اسی کے ذیل میں اسلام کے عقیدہ شرف آدم، تکریم بنی آدم وغیرہ آجائے گا۔ انسانوں کی مساوات پر غیر معمولی طور سے زور دیا جائے اس

لئے کہ برہمن واد نے انسانیت کی طبقاتی تقسیم کر کے اکثریت کے تحت الشعور میں کمتری کا احساس پیدا کر رکھا ہے۔ اس طرح پسماندہ لوگوں میں اسلامی تعلیم کی برتری ثابت کی جائے، توہمات، خرافات اور غیر معقول باتوں سے ان کو نکالنے کے لئے بھی تدریجی کوشش ہو، کسی عام طور پر پھیلے ہوئے فاسد عقیدے پر براہ راست شدید حملہ نہ کیا جائے اس کو انگیز کرتے ہوئے اس سے نکلنے کی راہیں سلجھائی جائیں۔

آج دنیا بھر میں حقوقِ انسانی Human rights کے ڈنکے بجائے جا رہے ہیں۔ ایسی محفلوں میں لوگوں کو بتایا جائے کہ حقوق انسانی کیا ہیں؟ دوسری تہذیبوں نے ان کی نگہداشت کہاں تک کی ہے اور کہاں تک انھیں پامال کیا گیا ہے، اسلام نے بنیادی حقوق انسانی کا کیا تصور پیش کیا ہے وغیرہ۔

اسی پر قیاس کر کے مختلف مذاہب اور تہذیبوں میں عورت کے حقوق اس کا سماجی مرتبہ وغیرہ زیر بحث لائے جائیں اور تقابلی مطالعہ کر کے بتایا جائے کہ اسلام نے عورت اور مرد کو حقوق انسانی میں برابر کا حصہ دیا ہے۔ اسی کے ضمن میں عورتوں پر مظالم کمسنی کی شادی، جہیز کے مطالبات اولاد نرینہ نہ ہونے پر اس کی بے قدری وغیرہ موضوعات پر گفتگو کی جائے۔ (discourse) کے بعد براہ راست توحید، قرآن و علوم قرآنیہ، سیرۃ طیبہ، سلسلہ نبوت، نظریہ آخرت، سزا، و جزا، وغیرہ۔ موضوعات تفصیل سے سامنے لائے جائیں، اولیاء اللہ کے حکایات اور ملفوظات سنائے جائیں کبھی کسی آیت یا حدیث کی تشریح کرتے ہوئے گفتگو کی جائے۔ جب اس طرح کے موضوعات سے متعلق کم از کم چالیس (۴۰) مجلسیں کچھ لوگوں نے پابندی شرکت کر کے دیکھ رکھی ہوں تو ان کے سامنے عملی مظاہرے (demonstration.

کئے جائیں یعنی نماز پڑھ کر دکھائیں، نماز کے کلمات یاد کرائیں، ان کا مطلب انھیں کی زبان میں سمجھائیں، قرآن کریم کی چھوٹی سورتوں کی تلاوت کریں اور مفہوم کو تشریح کر کے بتائیں۔

اس کے بعد اور سب سے آخر میں وہ مرحلہ آنا چاہیے کہ انھیں بدعتوں سے، توہمات، فضول رسموں سے، خوف سے پیدا ہونے والے عقیدوں سے آگاہ کریں، ان کو دین کی خالص شکل اور عقائد سے آگاہ کریں۔

(۲)

یہ چند باتیں دعوت کے طریق کار سے متعلق تھیں ان میں سے ہر پہلو کی مزید وضاحت اور تشریح ہو سکتی ہے، لیکن اب ہمیں دیکھنا یہ ہے کہ جن رضا کاروں کو دعوت کے لئے تیار کیا جانا ہے ان کی تربیت کا۔

نصاب کیا ہو؟ اس کا حتمی فیصلہ تو ماہرین پر مشتمل ایک کمیٹی مناسب غور و خوض کے بعد کرے گی، یہاں چند تجاویز پیش کرتا ہوں۔

یہ دو سالہ تربیتی کورس ہے اس کا درس ہفتہ میں پانچ (۵) دن ہوا کرے۔

جمعرات کو کھیل کود اور ورزش کے لئے مخصوص کیا جائے۔ جمعہ کی تعطیل ہو۔

تدریس کے دنوں میں صبح کے چار گھنٹے درس کے ہوں۔ شام کو دو گھنٹے خطابت وغیرہ کی مشق، یا باہمی تبادلہ خیال یا کسی خاص موضوع پر مواد جمع کرنے کے لئے رکھے جائیں، ہر طالب علم کے لئے ایک ماہ میں کم از کم ۲۴ گھنٹے کتب خانے کے اندر بیٹھ کر مطالعہ کرنا لازمی قرار دیا جائے اور اس کا ریکارڈ کتب خانہ میں ایک رجسٹر میں محفوظ رکھا جائے کہ کون طالب علم کس وقت سے کس وقت تک کتب خانہ

میں موجود رہا۔

تربیتی نصاب کو (۸) موضوعات میں تقسیم کیا جائے۔ ہر سال کے (۴) پرچے امتحان کے ہوں جن کی ترتیب اس طرح ہو سکتی ہے :۔

پہلا پرچہ : ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ دعوت کے نقطۂ نظر سے قرآن کریم کا مطالعہ

دوسرا پرچہ :۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ دعوت نقطۂ نظر سے سیرۃ طیبہ کا مطالعہ

تیسرا پرچہ :۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ عربی زبان

چوتھا پرچہ :۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ہندی زبان / غیر ہندی علاقوں میں اس منطقے کی زبان مثلاً، بنگالی، تامل وغیرہ

پانچواں پرچہ :۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ انگریزی زبان

چھٹا پرچہ :۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ مذاہب عالم کا عمومی مطالعہ اور تقابلِ ادیان

ساتواں پرچہ :۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ دعوت کے لئے کسی ایک علاقہ کا خصوصی مطالعہ (اس میں طلبہ کے گروپ بنا لئے جائیں گے۔

آٹھواں پرچہ :۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ زبانی امتحان اور صلاحیت ذاتی کا جائزہ

Personality Assessment

And viva voce

ان میں ابتدائی چار پرچے سال اول کے اور دوسرے ۴ پرچے سال دوم کے ہوں گے ہر پرچہ (۱۰۰) نمبروں کا ہوگا۔ کامیاب ہونے کے لئے مجموعی طور پر (۵۰) فیصد نمبر حاصل کرنا ضروری ہے۔

ان میں بعض پرچوں میں انتخاب option کی گنجائش رکھی جائیگی۔ مگر چوتھا

اور چھٹا پرچہ لازمی ہو۔ چھٹے پرچے میں option کے لئے مذاہب کے گروپ بنائے جاسکتے ہیں، جیسے آریائی مذاہب، سامی مذاہب وغیرہ۔

ان پرچوں کی تدریس کا جامعۃ الامام میں مستقل انتظام ہوگا ہی، اس کے علاوہ ایسے صحیح العقیدہ ذی استعداد اسکالرز، مدارس اور جامعات سے مدعو کیے جائیں جو ایک ایک ہفتہ جامعہ کے مہمان رہ کر کسی موضوع پر ہر ۔ ۵ خصوصی لکچر دیں اس کے لئے مہمان اسکالرز کو بطور اعزازیہ کچھ معاوضہ بھی دیا جائے۔

ان رہنما خطوط پر غور و فکر ہوسکتا ہے اس میں ترمیم، اصلاح اور اضافے کی بھی گنجائش ہے، مگر بنیادی بات یہ ہے کہ اگر کام غیر مسلموں میں کرنا ہے تو دعوت کے اس پروگرام کو ظاہری طور پر دینی رنگ نہ دیا جائے اس کے باطن کو دینی بنادیا جائے، ظاہر میں یہ صرف سماجی خدمت social work ہی رہے تو ان شاء اللہ اس کے بہت اچھے ثمرات ظاہر ہوں گے۔

خالق کائنات نے انسان کے خمیر اور تخلیق میں یہ مادہ رکھا ہے کہ جب وہ کسی دوسرے کو کسی بھلی بات کی دعوت دیتا ہے تو خود اس کے اندر وہ بات پیدا ہو جاتی ہے اور جب کسی برائی سے دوسرے کو منع کرتا ہے تو پھر اس برائی سے رکنے کی خود بھی توفیق ہو جاتی ہے اس لیے مالک حکیم و خبیر نے دعوت دین یا امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کو مسلمان کا فریضہ بنا کر جہاں دین اسلام کی اشاعت، اور پوری انسانیت تک پہنچانے کا نظم فرمایا وہیں ایک کمزور مسلمان کے لیے بھی دعوت دین کے ذریعہ اپنی اصلاح کا آسان سامان مہیا فرمادیا۔

مولانا محمد کلیم صدیقی

موجودہ حالات میں مسلمانوں کی ذمہ داری

مفتی ظفیر الدین صاحب مفتاحی
دار الافتاء، دار العلوم دیوبند

الحمد للہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علی سید المرسلین وعلیٰ آلہ واصحابہ اجمعین

زمانہ پوری تیزی کے ساتھ آگے کی طرف رواں دواں ہے، ممالک اور ان میں بسنے والوں میں تبدیلی بھی اسی رفتار سے جاری ہے۔ آج سے پچاس سال پہلے جس کا تصور بھی مشکل تھا آج دنیا اس کا مشاہدہ کر رہی ہے اور ہر دن جو آتا ہے اپنے جلو میں انقلاب اور تبدیلی لے کر آتا ہے جس کے اثرات انسانی مزاجوں پر ناگزیر طور پر پڑتے ہیں، تعلیمی مسئلہ بھی رو بترقی ہے پہلے کے اعتبار سے آج تعلیم حاصل کرنے والوں کی تعداد کئی گنا زیادہ ہے، اسی طرح تعلیمی ادارے بھی ترقی پذیر ہیں خواہ دنیوی تعلیم کے ادارے ہوں یا مذہبی تعلیم و تربیت کی درسگاہیں۔

یہاں اسکولوں کالجوں، یونیورسٹیوں کی تعداد میں بھی بہت کافی اضافہ

ہوا ہے، اور اسی اعتبار سے مدارس اور جامعات میں بھی اضافہ ہوا ہے۔ آج کوئی بڑی آبادی کی ایسی نہیں ہے جہاں تعلیم کا انتظام نہ ہو، یہی حال ان تعلیم گاہوں کے نظم و نسق کا بھی ہے۔ اس میں صفائی ستھرائی اور سہولت و راحت کے سامان بھی دن بدن بڑھتے جارہے ہیں لائبریری اور لکھنے پڑھنے کے سامان میں بھی اضافہ ہے، اساتذہ، طلبہ اور ملازمین کا معیار زندگی بھی بلند ہوا ہے اور ہوتا جارہا ہے۔ مگر قناعت، اور استقامت و استقلال میں کمی آئی ہے مگر دوڑ دھوپ اور کدو کاوش زیادہ دیکھنے میں آتی ہے، زبان ہر وقت شغل گویائی سے دوچار ہے لیکن عمل کا دور دور پتہ نہیں ملتا، نصاب کی کتابوں کی تعداد میں اضافہ ہوا ہے مگر استعداد اور اہلیت کا جائزہ لیا جائے تو مایوسی ہوتی ہے۔

زبان دانی کا امتحان آپ جس وقت چاہیں لیں اس کی تصدیق کر سکتے ہیں یہی حال گرامر اور صرف و نحو میں ہے قواعد سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ کوئی لگاؤ باقی نہیں رہ گیا ہے۔ انگریزی اور عربی دونوں مکتب فکر میں کم و بیش یکساں حالت ہے، تجزیہ کرنے سے اندازہ ہوتا ہے کہ کمیت کے اعتبار سے پڑھنے والوں میں بلاشک کافی اضافہ ہوا ہے مگر کیفیت اور استعداد کے لحاظ سے نتیجہ کچھ زیادہ امید افزا معلوم نہیں ہوتا یہی حشر بڑے چھوٹوں میں لحاظ و پاس، تعظیم و تکریم شفقت و محبت اور حسن ادب کا ہے یعنی یہاں بھی زوال ہی زوال ہے۔ حد یہ ہے کہ اساتذہ کا احترام و اکرام بھی دلوں سے رخصت ہوتا جارہا ہے۔ والدین اور بڑی عمر والوں کے ساتھ جو شرافت دکھانی چاہیئے اس میں نمایاں کمی محسوس ہوتی ہے۔ خود طلبہ میں باہم جو انس و محبت اور اخلاص چاہیئے وہ بھی باقی نہیں ہے کردار کی بلندی، اخلاق کی پاکیزگی، معاملات کی صفائی

کا بھی دن بدن دم گھٹتا جا رہا ہے، وقار و سکینت اور بلند حوصلگی کا نام و نشان بھی مٹتا ہوا نظر آ رہا ہے۔

یہ ایک عام جائزہ ہے۔ جو انگریزی اور سرکاری اداروں میں بھی ہے اور قومی وملّی مدارس دینیہ میں بھی۔ یہ سب دراصل ملکی حالات و سیاست کا اثر ہے۔ ملک آزاد ہوا، غلامی کی زنجیر ٹوٹی چاہیئے یہ تھا کہ آدمی کا شعور بیدار ہوتا، ذہن و فکر میں تعمیری انقلاب آتا اور محنت و کاوش کی دُھن پیدا ہوتی۔ ہر طرح کی برائی سے نفرت اور ہر اچھائی کی رغبت ہوتی مگر یہاں بھی معاملہ الٹا ہی سامنے آ رہا ہے۔

جب ہم چراغ اور لالٹین کی روشنی میں پڑھتے تھے مٹی کے بنے ہوئے کمروں میں رہتے تھے اور موٹا کھاتے تھے اور موٹا پہنتے تھے تو ہماری علمی استعداد کا لوہا مانا جاتا تھا ہماری تہذیب، شائستگی اور خوش سلیقگی کی تعریف ہوتی تھی، حقیقت یہ ہے کہ اس وقت ہماری جیبوں میں پیسے کم ہوتے تھے، مگر دماغ بلند تھا۔ سوچنے کا انداز بہت بہتر تھا، ذہن کام کرتا تھا اور جس فن کا ذوق پیدا ہو جاتا تھا دنیا ہمارے کاموں پر اطمینان کا اظہار کرتی تھی، پوری آبادی میں دو چار پڑھے لکھے ذہنی انقلاب لانے کے لئے کافی ہوتے ہیں۔

یہ شکوہ تو درست ہے کہ دینی درسگاہوں میں نئے علوم وفنون کے پڑھنے پڑھانے کا نہ کوئی نظم ہے اور نہ اس طرف کوئی دھیان ہے، لیکن جو کچھ ہمیں پڑھایا جاتا ہے، سوال یہ ہے کہ اس میں کیوں ہم اونچے درجہ کی استعداد فراہم نہیں کرتے؟ تفسیر و حدیث، فقہ و کلام، اصول تفسیر اور اصول حدیث سے عربی خواں طلبہ میں شغف پیدا کیوں نہیں ہوتا؟ پرانے زمانہ میں تعلیم اور اس کی سہولتوں کا یہ انتظام

نہیں تھا جو آج نظر آرہا ہے اس وقت طلبہ کی آسائش و راحت کے اس قدر ساماں نہیں تھے مگر ان تمام باتوں کے باوجود کیسے لوگ پیدا ہوئے ہے، آج دنیا اس کی مثال پیش کرنے سے قاصر ہے، محدث، مفسر، فقیہہ اور متکلم کا شمار کرنا مشکل تھا، بڑے بڑے مصنف، مؤلف، ولیِ کامل، مبلغِ اسلام اور مخلوقِ خدا کے خدمت گذار رہنما پیدا ہوئے جن کے دینی، علمی، اصلاحی، سماجی اور قومی کارناموں سے تاریخ بھری پڑی ہے۔

ہندوستان میں درس وتدریس اور تصنیف وتالیف کے دو تین مکتب فکر بہت مشہور گزرے ہیں، مولانا فضلِ امام، فضلِ حق اور مولانا عبدالحق خیرآبادیؒ کا سلسلہ دوسرا فرنگی محلی علماؤں کا سلسلہ جو —— مولانا نظام الدین سہالویؒ سے شروع ہوکر حضرت مولانا عبدالحئی فرنگی محلی تک پہونچا اور پھر بعد تک چلتا رہا، اس علمی خاندان سے کیسے کیسے باکمال علماء اٹھے پھر حضرت شاہ ولی اللہؒ شاہ عبدالعزیز، شاہ عبدالقادر اور شاہ رفیع الدین رحمہم اللہ کا سلسلہ، جہاں سے علمِ حدیث کی خصوصی طور پر برصغیر میں اشاعت ہوئی۔ اور آج بھی ہندوستانی علماءِ حدیث کا سلسلہ شاہ ولی اللہؒ پر جاکر منتہی ہوتا ہے۔

ان سے پہلے شیخ عبدالحق محدث دہلوی، مولانا نورالحق اور اس خاندان کے دوسرے مشہور روزگار علماء ہوئے جن کی علمِ حدیث میں نمایاں تصانیف ہیں۔

۱۸۵۷ء کے بعد حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ مولانا محمد قاسم نانوتوی قدس سرہٗ اور حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کے سلسلہ کی کڑی دارالعلوم دیوبند، مظاہر علوم سہارنپور اور دوسرے ملک وبیرون ملک میں پھیلے ہوئے مدارس ہیں۔ جو مغلیہ سلطنت کے ختم ہونے اور دوسرے اوپر ذکر کئے گئے مکاتبِ فکر کے مٹ جانے یا گمنام ہوجانے کے بعد اللہ تعالیٰ

کی رحمت سے وجود میں آئے۔ اور واقعہ ہے کہ بانیِ دارالعلوم حضرت مولانا نانوتویؒ مدارس دینیہ کے قائم کرنے اور چلانے کا جو نیا نسخہ قوم وملت کو عطا کر گئے تھے اس پر چل کر اس مکتبِ فکر نے بڑی ترقی کی، اس کی بڑی اشاعت ہوئی اور علوم دینیہ اور دینِ قیم کی ان مدارس سے بڑی خدمت انجام پائی۔

کوئی اندازہ لگا سکتا ہے کہ دیوبند کی اس دینی درسگاہ سے کیسے خدا رسیدہ جاں نثار، پاکباز اور فنافی العلم اور ساتھ ہی فنافی اللہ علما اٹھے، حدیث کا چرچہ جو بقول علامہ رشید رضا مصری عرب، شام، عراق، یمن، حجاز اور دوسرے ممالکِ اسلامیہ میں دم توڑ چکا تھا، دیوبند نے اس نازک وقت میں قال اللہ قال الرسول ﷺ کا غلغلہ بلند کیا اور یہ آواز مشرق ومغرب اور شمال وجنوب میں بڑی تیزی کے ساتھ پہونچ گئی اور پھر ہر جگہ، ہر گوشہ میں پھیلتی وبڑھتی ہی چلی گئی اور آج تک بڑھتی ہی پھیلتی ہی جارہی ہے اور ان شاء اللہ قیامت تک اس کا دائرہ بڑھتا ہی جائیگا۔

زمانے کے تقاضے کے مطابق دارالعلوم دیوبند، اس کے بانیوں اور اساتذہ نے کتاب وسنت کی تعلیم وترویج کے ساتھ ملک کی آزادی میں بھی بھرپور حصہ لیا۔ اور اس وقت چین سے بیٹھنا پسند نہیں کیا جب تک ملک آزاد نہ ہو گیا۔ اس سلسلہ میں قید وبند، جلاوطنی اور زدوکوب ہر طرح کے مصائب برداشت کئے۔

انگریزی دورِ حکومت تک برائے نام سبھی مذاہب کی تعلیم کا سرکاری طور پر انتظام تھا۔ اسکول کالج اور یونیورسٹیوں کے نصاب میں اخلاق واعمال اور عقائد سے متعلق کچھ اسباق دئے جاتے تھے۔ لیکن اگست ۱۹۴۷ء میں جب ملک آزاد ہوا اور ملک تقسیم ہوا تو قدرۃً نظامِ تعلیم میں تبدیلی ہوئی اور انقلاب کے بعد آزادی...

بھی تھی، ملک کا نظام سیکولر بنا جسکا ماحصل یہ تھا کہ حکومت کا کوئی مذہب نہ ہوگا اور نہ حکومت کسی مذہب کی تعلیم کی ذمہ داری قبول کرے گی البتہ بطورِ خود مذہبی تعلیم پر حکومت کوئی پابندی بھی عائد نہیں کرے گی، بلکہ اس کی پوری اجازت ہوگی اور اسی کا نتیجہ ہے کہ آزادی کے بعد مسلمان فکر مند ہوئے اور بکثرت دینی مدارس وجود میں آنے لگے بغیر کسی نظام خاص اور تحریک کے خود بخود مسلمان کو اپنی مذہبی تعلیم کا خیال آیا اور مدارسِ اسلامیہ قائم ہونے لگے خواہ تعلیم میں وہ قوت نہیں رہی جو ہونی چاہیئے لیکن نفسِ مذہبی تعلیم میں ان مدارس نے بڑی خدمت انجام دی جسے آزاد ہندوستان کی تاریخ کبھی فراموش نہیں کر سکتی آزادی اور ملک کی تقسیم کے وقت سابق صدرِ شعبۂ دینیات حضرت مولانا مناظر احسن گیلانی نے بڑے یقین واعتقاد کے ساتھ فرمایا تھا کہ ہندوستان میں مسلمانوں کا مستقبل روشن ہے، پاکستان میں اونٹ کس کروٹ بیٹھے گا؟ وہ زمانہ بتائے گا لیکن یہ بات صاف نظر آرہی ہے کہ ہندوستان میں مسلمان نئے ماحول کے ردِ عمل میں مذہب کا دلدادہ ہوگا اسلام سے اسے پہلے کی طرح بلکہ اس سے کچھ زیادہ ہی شغف رہے گا۔ اس کے تحفظ وبقاء کے لئے وہ اپنا سب کچھ نثار اور قربان کرنے کے لئے تیار رہیں گے خود مٹ جائیں گے مگر اسلام پر آنچ نہیں آنے دیں گے۔

مولانا فرماتے تھے کہ مسلمانوں میں مذہبی احساسات اور ملی جذبات کی بنیاد پر غیر شعوری طور پر پوری قوتِ مدافعت موجود ہے اور ان شاء اللہ آئندہ زمانہ میں بھی یہ باقی رہے گی، جیساکہ صدیوں سے چلی آرہی ہے۔ تاریخ بتاتی ہے کہ ہندوستان میں باہر سے جو قومیں آئیں وہ یہاں آکر تحلیل ہوگئیں لیکن مسلمانوں نے اپنا دینی تشخص

اور اپنی مذہبی انفرادیت باقی رکھی، ان کی دینی غیرت و حمیت میں ایسی مضبوطی ہے کہ اس کے استیصال پر کوئی قادر نہ ہو سکے گا۔ مولانا گیلانی اندلس کا تذکرہ کر کے افسوس کے ساتھ فرماتے تھے کہ مسلمانوں کیلئے وہ اندلس زیادہ پائیدار ہوتا جس میں خواہ الحمراء، الزہراء، قرطبہ، غرناطہ وغیرہ نہ ہوتے مگر مسلمانوں پر آخری امت ہونے کی حیثیت سے جو ذمہ داریاں عائد ہوتی ہیں وہاں کا حکمراں طبقہ اس کو ادا کرتا۔

ماحصل یہ ہے کہ مادی اور نمائشی کاموں کے بجائے اگر اخلاق واعمال، کردار وعقائد، اور سیرت سازی کا الحمراء اور الزہراء کتاب وسنت کی روشنی میں وہاں تیار کرتا تو مسلمان گرداب اور طوفانِ آلام سے دوچار نہ ہوتا۔ حضرت العلامہ سید سلیمان ندویؒ نے ایک دفعہ فرمایا تھا اور درست فرمایا تھا کہ شاہجہاں کے بعد اگر داراشکوہ کی حکومت ہوتی اور عالمگیر مسندِ سلطنت پر جلوہ افروز نہ ہوتا تو گویا مسلمانوں کی حکومت برائے نام رہتی مگر اسلام ختم ہو جاتا جیسا کہ اکبر کے دورِ حکومت میں ہوا تھا، لیکن عالمگیر کے برسر اقتدار آجانے سے اسلام کی جڑیں اس ملک میں گہری ہوگئیں اور وہ توانا ہو گیا گو انکے بعد مسلمانی حکومت باقی نہ رہی۔

علامہ اقبال نے سچ کہا تھا ؂

حکومت کا تو کیا رونا کہ وہ ایک عارضی شئی تھی
نہیں دنیا کے آئینِ مسلّم سے کوئی چارہ

مگر وہ علم کے موتی، کتابیں اپنے آباء کی
جو دیکھیں ان کو یورپ میں تو دل ہوتا ہے سیپارہ

حضرت مولانا گیلانی نے ایک مجلس میں حیدرآباد کا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا تھا کہ ایک دن قاسم رضوی اپنے رضاکاروں کے ساتھ اس مکان کے احاطہ میں آگئے جہاں میرا قیام تھا۔ دیر تک فوجی پریڈ کرتے اور قواعد کرتے اور دکھاتے رہے اسی احاطہ میں مسجد بھی تھی لیکن جب مغرب کی اذان ہوئی تو قاسم رضوی کے سوا ان مجاہدین میں سے کسی نے بھی خانۂ خدا میں آنے کی زحمت گوارہ نہیں کی۔ مولانا فرماتے تھے کہ یہ حال دیکھ کر دل بھر آیا، نہ رہا گیا، میں نے قاسم رضوی سے کہا آج تمہارے مجاہدوں کی قوتِ ایمانی اور غیرتِ اسلامی میں نے دیکھ لی، تمہاری جو فوجی اور حربی قوت و طاقت ہے اس کا حال تو تم جانو، لیکن سوال یہ ہے کہ کیا مسلمان خانۂ خدا اور نماز کو اس طرح چھوڑ کر کامیاب بھی ہو سکے گا۔

یہ ایک حقیقت ہے اور اسے یاد رکھا جائے کہ مسلمان جب تک اپنا دامن اسلام سے وابستہ رکھے ہوتے ہے اس کی کامیابی اسلامی احکام و آئین پر عمل سے بندھی ہوئی ہے اس کو چھوڑ کر کامیاب نہیں ہو سکتا۔

مدارسِ دینیہ نے برصغیر ہند و پاک اور بنگلہ دیش میں دین اور کتاب و سنت کی محافظت و اشاعت کی عظیم خدمت انجام دی ہے یہ درست ہے کہ دارالعلوم دیوبند اور دوسرے مدارس دینیہ نے کوئی لال قلعہ اور

تاج محل تیار نہیں کیا، ایٹم بم اور جوہری بم ایجاد نہیں کئے لیکن اس نے اخلاق وکردار، عقائد و اعمال اور معاملات کے اتنے تاج محل، لال قلعے اور ایٹم بم تیار کر کے پھیلا رکھے ہیں کہ دنیا اسے کبھی شکست دینا چاہے تو اس محاذ پر نہیں دے سکتی، آپ نے نہیں دیکھا اور کیا رات دن نہیں دیکھتے کہ مسلمان اپنا گھر جلتے ہوئے دیکھتا ہے، اپنے بچوں کو اپنے سامنے شہید ہوتے اور ان کی لاشوں کو تڑپتے ہوتے دیکھتا ہے اور صبر و تحمل سے کام لیتا ہے مگر ایمان وعمل کے محل پر ایک چنگاری کو ایک لمحہ کیلئے بھی برداشت نہیں کرتا' شریعتِ محمدیہ کے ایک جزء کی بے حرمتی پر جان نثار کرنے کے لئے آمادہ ہو جاتا ہے، اور کتاب وسنت کی ترویج و اشاعت کے خلاف ایک جملہ سننے کیلئے تیار نہیں، کبھی آپ نے سوچا ہے کہ یہ اسپرٹ کہاں سے آتی؟ آپ یقین فرمایئں یہ دینی مدارس کی سعی اور جد وجہد کا ہی خوشگوار نتیجہ ہے اور اس کے یہ شیریں ثمرات ہیں۔

برصغیر میں اگر مدارس دینیہ نہ ہوتے تو کمیونزم کے اس طوفانی دور میں جب ممالک اسلامیہ بھی بڑی تیزی سے اس کی لپیٹ میں آتے جا رہے ہیں اور وہاں کی نئی نسل دین اسلام سے برگشتہ ہو رہی ہے، برصغیر کے مسلمانوں کا کیا حال ہوتا؟ اکثریت واقلیت کے فلسفہ نے انہیں دبوچ لیا ہوتا، یہاں بھی مسجدیں ویران اور غیر آباد ہوتیں، ان کے مناروں سے اللہ اکبر کی صدایئں شاید بلند نہ ہوتیں۔

اس موجودہ دور میں مسلمانوں اور اسلام کے خلاف وہ کون سا

سیاسی و قومی ہتھیار رہے جو آزمایا نہیں گیا ؟ وہ کون سی تدبیر ہے جو اکبر کے دور کو واپس لانے کے لئے نہیں کی گئی مگر ان کے مقابلہ میں سینہ سپر ہو کر کون لوگ آتے، اور مردِ میدان کون لوگ بنے؟ اِنہیں مدارس دینیہ کے تعلیم یافتہ، فیض یافتہ اور ان سے متأثر دیندار مسلمان تھے اور ہیں جنہوں نے نہ پارلیمنٹ کی ممبری کی ہوس کی، نہ وزارت کی کرسی کے لئے ملّت فروشی کی، اور نہ حکومت کے عہدوں کے لئے دینی کمزوری دکھائی، بلکہ بڑی ہمت سے یہ کہتے رہے، یہ سب ان کو مبارک جو اس کی خواہش رکھتے ہیں، ہمیں کتاب وسنت کی حفاظت اور ان کی خدمت چاہئے اور تبلیغِ دین کا میدان۔

آپ دیکھ نہیں رہے ہیں کہ جامعہ عثمانیہ انقلاب کی زد میں آکر کیا ہوگیا؟ لیکن دارالعلوم دیوبند اور دوسرے مدارس سابق بدستور اپنے مسلک اور مشرب پر قائم ہیں اور اشاعت کتاب وسنت کا فریضہ انجام دے رہے ہیں مسلم یونیورسٹی علیگڑھ پر پے در پے سیاسی ہچکولے آتے، مسلمانوں کو چیخنا، چلانا، رونا، گڑگڑانا پڑا مگر دارالعلوم دیوبند بدستور بلکہ پہلے سے بہت زیادہ بہتر حالت میں اپنے فرائض انجام دے رہا ہے۔ اس کے فضلاء ملک کے گوشہ گوشہ بلکہ بیرونِ ملک کے چپہ چپہ میں پہونچکر دین کی خدمت انجام دے رہے ہیں اس کے بانیوں کا اخلاص، اس کے فیض یافتگان کی دعائیں اور ملت اسلامیہ کا اعتماد ان شاء اللہ اسے اس موجودہ گرداب سے صحیح وسالم نکال لے گا ہم سب کی دعا ہے کہ

رب العالمین دارالعلوم دیوبند اور دوسرے تمام ہی مدارس دینیہ کی حفاظت فرمائے تاکہ وہ دین کے چراغ کو روشن رکھیں اور تاریک دنیا کو روشنی بخشتے رہیں، عصر حاضر کا سب سے اہم تقاضہ اس وقت یہی ہے کہ برصغیر میں بلکہ ساری دنیا میں مسلمانوں کو مسلمان باقی رکھنے اور اسلامی احکام ومسائل اور کتاب وسنت کی اشاعت کے لئے ان کے بقا اور تحفظ کی ذمہ داری قبول کیجائے کیونکہ موجودہ زمانہ چاہتا ہے کہ مذہب مٹ جائے، عقائد مضمحل ہو جائیں، اخلاق وکردار میں پستی آجائے اور معاملات میں انسان انسان باقی نہ رہے اور اس کی اشاعت پر کروڑوں کا سرمایہ خرچ ہو رہا ہے۔

دارالعلوم دیوبند کے سابق شیخ الحدیث وصدرالمدرسین شیخ الہند حضرت مولانا محمود الحسنؒ جب مالٹا سے واپس تشریف لائے تو آپ نے تجربہ کی روشنی میں ضروری سمجھا کہ جدید تعلیم یافتہ حضرات سے تعلق جوڑا جائے اور ان کو دارالعلوم دیوبند کے قریب کیا جائے اور جس طرح دارالعلوم دیوبند آپ کے استاذ محترم حضرت مولانا قاسم نانوتویؒ کی وصیت کے مطابق ایک آزاد تعلیمی مذہبی ادارہ ہے اسی طرح ایک انگریزی یونیورسٹی بھی اسی لائن پر کھولی جائے تاکہ ذہن وفکر کے اعتبار سے جدید تعلیم یافتہ ایک طبقہ مذہب دوست اور اپنے اوپر اعتماد رکھنے والا پیدا ہو۔ یہ خلافت کی تحریک اور ترک موالات کا زمانہ تھا، آپ باوجود ضعف واضمحلال اور بیماری کے علیگڈھ تشریف

لے گئے اور وہاں اپنے ہاتھوں سے جامعہ ملیہ اسلامیہ کی بنیاد ڈالی، وہاں جو خطبہ آپ کا لکھا ہوا تھا آپ کے شاگرد مولانا شبیر احمد عثمانی نے آپ کی موجودگی میں پڑھا اس میں فرمایا۔

"اے نونہالانِ وطن جب میں نے دیکھا کہ میرے درد کے غمخوار جس سے میری ہڈیاں پگھلی جارہی ہیں مدرسوں اور خانقاہوں میں کم اور اسکولوں اور کالجوں میں زیادہ ہیں، تو میں نے اور میرے مخلص احباب نے ایک قدم علیگڈھ کی طرف بڑھایا، اس طرح ہم نے ہندوستان کے دو تاریخی مقاموں دیوبند اور علیگڈھ کا رشتہ جوڑا"۔

یہ واقعہ ہے انگریزی دور حکومت میں عام کھاتے پیتے مسلمانوں کا رجحان جدید تعلیم کی طرف تھا، وہ اپنے بچوں کو مدارس دینیہ کے بجائے اسکولوں اور کالجوں میں بھیجنا پسند کرتے تھے، شیخ الہندؒ نے سوچا کہ یہاں بھی ایک ایسا ادارہ ہونا ضروری ہے جس پر مذہب اسلام کی مضبوط چھاپ ہو،

چنانچہ تعلیم کے سلسلہ میں اظہار خیال کرتے ہوئے تحریر فرمایا تھا:

مسلمانوں کی تعلیم مسلمانوں کے ہاتھ میں ہو اور اغیار کے اثر سے مطلقاً آزاد ہو، کیا باعتبار عقائد وخیالات اور کیا باعتبار اخلاق و اعمال ہم غیروں کے اثرات سے پاک ہوں (خطبۂ صدارت سنہ ۱۹۲۰ء)

یہ نقطۂ نظر تھا جس کے پیش نظر دارالعلوم دیوبند کے صدر المدرسین حضرت شیخ الہند علی گڈھ تشریف لے گئے اور جامعہ ملیہ اسلامیہ کا قیام

عمل میں آیا۔ جب جامعہ ملیہ اسلامیہ نے پچیس ۲۵ سالہ سلور جوبلی منائی تو اس وقت ڈاکٹر ذاکر حسین نے اپنے خطبہ میں اعتراف کیا تھا :

"مجھے وہ وقت یاد ہے اور میرے ساتھیوں کو بھی جب علیگڈھ کالج کی مسجد میں ایک وجود مقدس قید، جلا وطنی ، علالت وتفکراتِ ملی نے جس کی ہڈیاں پگھلادی تھیں جس کے چہرے کی زردی سے معلوم یہ ہوتا تھا کہ غم کی آنچ نے خون کا ایک ایک قطرہ خشک کر دیا ہے جس کی روشن آنکھیں اس یقین کی غمازی کررہی تھیں کہ اگرچہ سب کچھ بگڑا ہوا دکھائی دیتا ہے مگر مردوں کی طرح ہمت کی جاتے تو مددِ خداوندی سے بہت کچھ بن سکتا ہے ، یہ وجود مقدس دیوار کا سہارا لئے بیٹھا ہے ، ناتوانی کے باعث مجمع کو خطاب بھی نہیں کرسکتا ہے ، اور اسکا پیام اس کے شاگرد مولانا شبیر احمد عثمانی سناتے ہیں . صاحبو ! یاد رہے کہ وہ جس دیوار کا سہارا لئے بیٹھے تھے وہ خالی اینٹ پتھر کی دیوار نہیں تھی وہ ایمان محکم اور ایمان کے نتیجہ میں ایک عظیم الشان ملی ماضی کی دیوار تھی اور وہ نہ صرف ان جوانوں کو مخاطب کر رہے تھے جو ان کے سامنے تھے بلکہ ان کا روئے سخن قوم کی ساری نسلوں کی طرف تھا ۔" (یادوں کی دنیا ص۸۵)

گویا جدید تعلیم یافتہ حضرات کو بھی اقرار ہے کہ حضرت شیخ الہندؒ نے علیگڑھ کالج کی جامع مسجد میں قوم کی تمام نسلوں کو مخاطب کر کے کہا تھا کہ تمہاری تعلیم آزاد ہونی چاہئے اور عقائد و اعمال اور خیالات ورجحانات کے اعتبار سے وہ غیروں کے زیر اثر نہ آنے پائیں ۔

یہ الگ بات ہے کہ آزادیٔ ملک کے بعد جامعہ ملیہ نے اپنا وہ کردار اور لائحہ عمل بدل ڈالا جس کا اوپر ذکر کیا گیا ہے مگر عرض یہ کرنا ہے کہ ہمارے اکابر و اسلاف نے بڑی دور اندیشی اور دوررسی سے کام لیا تھا اور چاہا تھا کہ قدیم تعلیم ہو یا جدید، مسلمان آزاد ماحول میں پکے مسلمان بنکر تعلیم حاصل کریں تاکہ آئندہ دنیا کا کوئی انقلاب انکی نسل کو اسلام سے برگشتہ کرنے میں کامیاب نہ ہو سکے، اور کہنا چاہیے کہ فکر و نظر میں بڑی حد تک اس وقت تک کامیاب رہے گو بعد میں زمانہ کے طوفان کا مقابلہ آنے والی نسلوں نے نہیں کیا۔

اس کے ساتھ اسے بھی پیش نظر رکھا جاتے کہ ۱۳۲۸ھ میں جب دارالعلوم دیوبند کا عظیم اجلاس دستار بندی ہوا تھا تو اس موقعہ سے بھی دارالعلوم دیوبند نے علیگڈھ مسلم یونیوسٹی کو اپنے سے بہت قریب کرنے کی تدبیریں کیں اور طے کیا کہ علیگڑھ کے ذہین و فہیم کچھ طلبہ گریجویٹ ہوکر دارالعلوم دیوبند آئیں اور مذہبی تعلیم حاصل کر لیں اور اسی طرح دارالعلوم کے کچھ ذکی اور ذہین طلبہ دورۂ حدیث سے فراغت حاصل کر کے علیگڑھ جائیں اور علوم جدیدہ میں کمال حاصل کریں تاکہ اس طرح ایک ایسی جماعت تیار ہو سکے جو دونوں داروں کے ذہنی فاصلوں کو کم سے کم کرنے میں کامیاب ہوسکے اور ایک دن وہ آتے کہ دونوں بھائی بھائی ہوں اور اس طرح اسلام کو غیر ممالک میں اپنی تبلیغ واشاعت کے لئے قابل و باکمال اشخاص و افراد

بآسانی مل سکیں اور پوری دنیا کی آبادی تک اسلام کا پیغام خوش اسلوبی کے ساتھ پہونچانے میں کامیابی سے ہمکنار ہوں۔ اور دنیا میں جو مادی راستوں سے تباہی و بربادی آرہی ہے دنیا اس سے محفوظ رہ سکے

اس کا اعتراف کرنا چاہیے کہ آزادی کے بعد ملک کے حالات کچھ اس طرح بدلے کہ اس کے تصوّر سے بھی بدن کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں اور آنکھوں تلے اندھیرا چھانے لگتا ہے۔ کہ ہم نے کیا سوچا تھا، لوگوں سے کیا کہا تھا، اور لوگوں سے کس بات کا یقین دلایا تھا اور پھر ہوا کیا؟

ع خواب تھا جو کچھ کہ دیکھا جو سنا افسانہ تھا

سنہ ۱۹۴۶ء سے لے کر سنہ ۱۹۴۸ء تک ایک قیامت تھی جو مسلمانوں پر ٹوٹی اور وہ اس کے تلے پستے، دبتے اور چکنا چور ہوتے چلے گئے، اور کہنا چاہئے کہ وہ سلسلہ اب تک کسی نہ کسی درجہ میں قائم ہے اور زمین و آسمان ششدر و حیران ہیں ۔ واقعہ یہ ہے کہ :۔

ع آنکھ جو کچھ دیکھتی ہے لب پہ آسکتا نہیں

مگر الحمد للہ بایں ہمہ آفات و مصائب مسلمانوں کے اعمال و اخلاق اور ایمان و ایقان میں کبھی کوئی تزلزل پیدا نہیں ہو سکا۔

برصغیر میں مسلمانوں پر بڑی اہم ذمہ داریاں ہیں اور آج جو کچھ ہو رہا ہے ان سے ہم آنکھیں بند کرنا بھی چاہیں تو بند نہیں کر سکتے، اگر ہم سے اپنے فرائض کے ادا کرنے میں کوتاہیاں ہوئی ہیں تو ہمیں اس کا اعتراف کرنا چاہئے، اور آئندہ زیادہ محنت اور مستعدی سے کام انجام دینے کا

عزم کرنا چاہئے کیونکہ موجودہ دور میں مدارسِ دینیہ اور علماءِ اسلام ہی ان ذمہ داریوں کو ادا کر سکتے ہیں ارشادِ نبوی ہے العلماء ورثة الانبیاء او کما قال صلی اللہ علیہ وسلم یہ توطے ہے کہ خاتم النبیین کے بعد نبوت کا دروازہ بند ہوچکا ہے اس کے بعد ساری ذمہ داریاں خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کے جو نائبین اور وارثین کہے جاتے ہیں ان پر ہی عائد ہوں گی۔ جس طرح انبیاء کرام نے کبھی یہ نہیں سوچا کہ قوم ہماری بات سنے گی یا نہیں ؟ اسلام کی آواز امن وسلامتی کا پیغام اور توحید کے اسباق باشندگان دنیا تک پہونچاتے رہے اور سناتے رہے۔ اس اسوۂ نبوئی پر ہمیں بھی عمل کرنا ہوگا۔

حضرت مولانا مناظر احسن گیلانی نے علامہ سید سلیمان ندوی رح کو اپنے ایک خط میں تحریر فرمایا تھا" آپ سے دل کی بات عرض کرتا ہوں دینی خدمات کا شعور دماغ میں جب سے پیدا ہوا ہے ذہنی طور پر میرا دماغ ہمیشہ اس پہلو کو سوچتا رہا ہے کہ ہندوستان کی غیر اقوام تک اسلام کو آگے بڑھانے کی کوئی صورت نکالی جائے۔

میرا خیال ہے کہ موجودہ مسلمانوں کو زندہ کرنے کی کوشش کچھ لاحاصل کوشش ہے۔ ہاں یہ ممکن ہے کہ کوئی تازہ خون اسلام کی رگوں میں کسی راہ سے اگر آجاتے تو ممکن ہے اس کی حرارت سے ان پرانے تھکے ہوتے مسلمانوں میں زندگی پیدا ہو مگر براہ راست ان کو جگانے جھنجھوڑنے کے کام کو قریب قریب مُردوں کو جگانے اور جھنجھوڑنے

کے ہم معنی سمجھ رہا ہوں ،،

پھر آگے موجودہ مسلمانوں سے مایوسی کی وجہ لکھتے ہیں :

"جب حکیم الامت (حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمتہ اللہ علیہ) کی اسّی سال کی حکومت میں یہ سوتے رہے اور کچھ ان کی سمجھ میں نہیں آیا کہ ان میں کون آیا اور کون ان کو چھوڑ کر چلا گیا ؟ تو اب یہ دوسروں سے متاثر ہوں میری سمجھ میں بات نہیں آتی .. یہ خیال تازہ دم فوج کے لانے کا اب بھی دماغ سے نہیں نکلتا ۔ لیکن عمل کی کوئی صورت سمجھ میں نہیں آتی ۔"

خود خاکسار کو بھی اس سلسلہ میں خط لکھا اور ملاقات کے وقت تفصیل سے اس پر اظہار خیال فرمایا۔ مولانا فرماتے تھے کہ اتنی بڑی تعداد میں جہاں ہم رہتے ہیں وہاں ایک بڑی تعداد ان لوگوں کی رہتی اور بستی ہے جو حق کے راستہ سے برگشتہ ہیں ہم نے اپنا فریضہ ادا کرتے ہوتے کوتاہی کی ہے ورنہ یہ کیسے ممکن ہے کہ انہیں ہدایت حاصل نہ ہوتی ؛ فرماتے تھے پہلے ہی یہ فرض کر لینا کہ وہ راست قبول نہیں کر سکیں گے یا وہ ناپاک ہیں اور ایسے ویسے ہیں درست نہیں ہے جس طرح صوفیاء نے ان کو قریب کیا اور بتدریج کلمۂ حق ان کے ذہن نشیں کرانے کی سعی کی اور انہوں نے حق کو قبول کیا علماء بھی اگر اس طرف توجہ دیتے تو بہت کچھ کر سکتے تھے ۔

اس وقت مدارس دینیہ کا ایک بنیادی کام تو وہ ہے جس میں یہ

مصروف ہیں کہ مسلمان بچوں اور نوجوانوں کو دینی تعلیم دیتے ہیں اور کتاب وسنت اور فقہ وکلام میں ان کے لئے بصیرت پیدا کرنے کی سعی کرتے ہیں یہ کام جگہ جگہ بہت اہم ہے لیکن اس کے ساتھ ایک شعبہ تبلیغ حق کا بھی ہونا چاہئے جو غیر اقوام تک اسلام کا پیغام پہونچانے کی مسلسل جد وجہد میں مشغول رہے۔ یہ تو آپ دیکھتے ہی ہیں کہ سیاست میں ان کا اور ہمارا ساتھ رہتا ہے، ملنا جلنا رہتا ہے اسی طرح سماجی کاموں میں میل ملاپ رہتا ہے اور بہت سارے کام مل جل کر کرتے ہیں ایسا ہی اگر دین کے معاملہ میں رابطہ قائم کیا جائے اور بتدریج ان کو دین سے قریب کیا جائے تو کیا ایسا ممکن نہیں ہے کہ ان کے دلوں میں جو ہم سے نفرت ہے یا اسلام سے دوری ہے اور قوانین اسلام سے برگشتگی ہے وہ بتدریج دور ہو جائے اور حق کی آواز قبول کرنے کی ان میں صلاحیت پیدا ہو جائے۔

ہمارے مدارس دینیہ میں ایک شعبہ ہندی زبان کا بھی ہونا چاہئے۔ جس میں فارغ شدہ علماء کو اس زبان کے لکھنے پڑھنے میں ماہر بنایا جائے: تاکہ ہمارے مدارس دینیہ سے فارغ شدہ علماء جس طرح اردو فارسی اور عربی میں کتابیں لکھتے ہیں اسی طرح وہ ہندی لکھ پڑھ سکیں اور جس طرح آج سے پچاس ساٹھ سال پہلے ہم نے کتب حدیث، کتب فقہ اور تفسیر کا اردو میں ترجمہ کر کے عوام کے سامنے سہولت بہم پہونچائی تھی۔ اسی طرح ہمارا یہ شعبہ ہندی میں حدیث نبوی، فقہ اور قوانین اسلام کو منتقل کرنے کی جدوجہد کرے اور پھر غیر اقوام

یں وہ کتابیں پھیلائی جائیں تاکہ پڑھ کر محسوس تو کریں کہ اسلام ہے کیا ؟ اور یہ کس چیز کی دعوت دیتا ہے ؟

یہ تو ظاہر ہے کہ استعداد اس وقت تک پیدا نہیں ہو سکتی جب تک عربی خوانوں کی ابتدائی تعلیم پختہ نہ ہو، صرف و نحو اور ادب میں پختگی نہ آئے۔ اور یہ چھوٹی چھوٹی بنیادیں عربی صرف و نحو کی تعلیم عام طور پر طلبہ چھوٹے مدارس میں ہی داخل ہو کر حاصل کرتے ہیں ، جب وہاں دیکھ بھال نہ ہوگی، تمرین اور مشق کا انتظام نہ ہوگا، وہاں کے اساتذہ مشفق ، محنتی اور علم وفن سے شغف نہ رکھتے ہوں گے ، تو خود سوچئے جو طلبہ وہاں سے نکلیں گے وہ کیسے ہوں گے ؟

بے استعداد طلبہ پر اوپر کی کتابوں میں ہزار محنت کی جائے ، کچھ حاصل نہیں نکلتا بلکہ ان پر ساری محنت بے کار جاتی ہے، خود ایسے طلبہ یں کتابوں سے قطعاً کوئی مناسبت پیدا نہیں ہوتی ،

ہمارے استاذ محترم محدث جلیل مولانا حبیب الرحمٰن اعظمی دامت برکاتہم ہماری تعلیم کے زمانہ میں فرماتے تھے ، بڑی کتابیں کوئی پڑھا دے لیکن ابتدائی کتابوں کے لئے ماہر اور محنتی اساتذہ کی ضرورت ہے ، جو خود بھی محنت کریں اور لڑکوں سے بھی محنت لینے کا سلیقہ رکھتے ہوں، کامیاب استاذ وہ ہے جو طلبہ کے اندرونی قوئی اور ذوق کو حرکت میں لے آئے ، طلبہ کا جب اندرون جاگ اٹھتا ہے تو پھر اس کی استعداد خام نہیں رہ سکتی ، ذہنی فکری نشو ونما اس وقت صحیح

ہوتی ہے جب ابتداء سے اُسے صحیح لائن پر لگایا جائے، اساتذہ اور طلبہ میں اس وجہ سے یہ محسوس ہوتا ہے مذہب و اخلاق کی گرفت ڈھیلی پڑگئی ہے، مفاد پرستی، خود غرضی، گروہ بندی یہ تعلیم کیلئے زہر ہلاہل ہے۔

اس دور میں مدارس دینیہ کے کرنے کے چند کام اور ہیں جن کی طرف ان کے ارباب بست وکشاد کی توجہ نہیں ہے، مثلاً بہت سے انگریزی خواں نوجوان چاہتے ہیں کہ کم سے کم مدت میں انہیں عربی آجائے، مگر اب تک ہمارے یہاں ان کے مزاج کے مطابق کوئی مختصر نصاب تیار نہیں ہوسکا، اور نہ ایسے نوجوانوں کے لئے کہیں اسپیشل کلاسیں کھولی گئیں، یہ توطے ہے کہ ایسے حضرات کچھ زیادہ وقت دینے اور لگانے سے معذور ہیں۔

اگر مدارس دینیہ میں نئے اکتشافات اور جدید ایجادات کی تعلیم نہیں دی جاتی، اگر سائنس نہیں پڑھایا جاتا، یا سرمایہ کی کمی کی وجہ سے اس طرح کے دوسرے کام نہیں ہوسکتے، تو اتنا تو ہو کہ جس طرح کے یہاں مضامین یا فنون پڑھائے جاتے ہیں، ان میں تو ہمارے نوجوان علماء باکمال ہوں اسی کے ساتھ مدارس کو جس حد تک حالات زمانہ کے مطابق آگے لے جایا جاسکتا ہے لے جانا چاہئے، نئے زمانہ کی اچھی چیزوں کو خوش آمدید کہنا اور اپنانا گناہ نہیں، کارِ ثواب ہے، یہ مسلمانوں کی گمشدہ متاع ہے جہاں سے بھی مل جائے لے لینا چاہئے اس پر بدعت کا حکم لگاکر کنارہ کش ہونا دانشمندی نہیں ہے، خوب یاد رکھا

جائے اچھی چیزوں کا اپنانا ترکہ ہے سرقہ نہیں ..

مدارس اسلامیہ اور علماء نے برصغیر میں جو خدمت انجام دی ہے کوئی شک نہیں کہ تاریخ کا سب سے نمایاں باب ہے۔ جہاں انھوں نے برصغیر میں کتاب وسنت اور فقہ وکلام کو زندہ رکھا، اس کی اشاعت کی، وہیں انہوں نے اپنے یہاں دارالافتاء اور دارالقضاء کھول کر مسلمانوں کو احکام ومسائل کی صحیح رہنمائی اور مقدمات شرعیہ کا درست فیصلہ کیا، اور مسلمانوں کو گمراہ ہونے اور احکام شرعیہ کے خلاف قدم اٹھانے سے روک دیا، مسلمانوں کے باہمی نزاع کا دروازہ بند کیا، احکام ومسائل اور اسلامی کلنڈر چھاپ چھاپ کر عام مسلمانوں تک رات دن کے مسائل، موٹے موٹے اسلامی تاریخی واقعات، اور زمانہ کے تقاضوں سے آشنا کیا، غریب بچوں جن کی تعلیم وتربیت کا حکومت کی طرف سے کوئی انتظام نہ تھا ان کی مفت تعلیم وتربیت کا انتظام کیا ان کے لئے مفت کھانے، رہنے سہنے اور کتابوں کا خود نظم کیا، جو خاندان، دیہات اور چھوٹی آبادیاں ہیں اور اپنی غربت وکس مپرسی سے اندھیرے میں ہیں کتاب وسنت کی روشنی پہونچائی، تہذیب وتمدن اور سنجیدگی ومتانت کا سامان فراہم کیا تو بہت سے گمنام خاندان ان مدارس دینیہ کے ذریعہ ابھریں گے ان کا تعارف ہوگا اور ان میں علماء ومشایخ پیدا ہوں گے جن کے آگے بڑے لوگ احترام سے اپنی گردنیں جھکائیں گے۔ اور دیکھ نہیں رہے ہیں کہ نیچے دبے ہوئے بہت افراد ابھر رہے ہیں

ان مدارس ہی کا صدقہ ہے کہ انگریزی دورحکومت اور اس کے بعد بہت سی اسلام دشمن تحریکیں اٹھیں تاکہ اسلامی تعلیمات کو مسخ کر دیں، مسلمانوں میں انتشار پیدا کریں اور ان کو اسلام سے برگشتہ کر ڈالیں، ہمارے علماءِ مدارس سامنے آئے، اور ایسی تمام تحریکوں کا پوری جرأت وہمت سے مقابلہ کیا اور ان کے تار و پود بکھیر کر رکھ دیئے۔

یہ تبلیغ کا سلسلہ جس سے لاکھوں مسلمانوں کی اصلاح ہوئی دینی مدارس کی ہی برکتوں کا ثمرہ ہے ہزاروں کتابیں جو مختلف زبانوں میں عوام کیلئے چھاپی اور لکھی گیئں، یہ بھی مدارس دینیہ ہی کی دین ہے۔

جو لوگ علماء و مدارس پر اعتراض کرتے ہیں آپ یقین کریں کہ ان میں بھی دین کا شعور، اسلامی غیرت وحمیت اور زمانہ کے حالات پر غور وفکر کا جذبہ مدارس ہی کی وجہ سے پیدا ہوا، ورنہ یہ تو زمانہ کے سیلاب کی نذر ہو گئے تھے۔

اسلامی عقیدے، دینی اخلاق اور شرعی معاملات کی سوجھ بوجھ علماء کی ہی محنتوں کا نتیجہ ہے، اور آئندہ بھی یہ اپنے فرائض پوری محنت اور مستعدی کے ساتھ ادا کرنے کا عزم رکھتے ہیں، حالات زمانہ سے بھی انہوں نے آنکھیں بند نہیں کر رکھی ہیں۔

قُلْ هٰذِهٖ سَبِيْلِيْٓ اَدْعُوْٓا اِلَى اللّٰهِ

محمد عاشق الٰهی البرنی عفا اللّٰہ عنہ

المفتی بدار العلوم کراتشی (سابقاً) ☎ ٨٣٦٧٢٠٥

ص ب: ٧٠٦ – المدينة المنورة

المملكة العربية السعودية

حامداً ومصلیاً -

امّابعد: اللہ جل جلالہٗ نے محض اپنے فضل وکرم سے بنی آدم کو پیدا کیا انکے باپ حضرت آدم علیہ السلام اور انکی ماں حضرت حوّا کو جب زمین پر بھیجا تو ساتھ یہ بھی فرما دیا - فَاِمَّا يَأْتِيَنَّكُمْ مِنِّيْ هُدًى فَمَنْ تَبِعَ هُدَايَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِاٰيَاتِنَا اُولٰٓئِكَ اَصْحَابُ النَّارِ هُمْ فِيْهَا خَالِدُوْنَ :- "پس اگر تمہارے پاس میری طرف سے کوئی ہدایت آئے سو جس نے میری ہدایت کا اتباع کیا تو ان پر کوئی خوف نہ ہوگا اور نہ وہ رنجیدہ ہوں گے اور جن لوگوں نے کفر کیا اور میری آیتوں کو جھٹلایا یہ لوگ دوزخ والے ہیں اس میں ہمیشہ رہنے والے ہونگے"۔

اپنی امتوں کو بہت سمجھایا اور بتایا کہ تم نے جو یہ بت بنا رکھے ہیں تمھارے اپنے تراشیدہ ہیں نہ بول سکتے ہیں نہ بات کر سکتے ہیں نہ نفع دے سکتے ہیں نہ نقصان پہونچا سکتے ہیں دلائل کے سامنے تو مشرکین اور کافرین عاجز آجاتے تھے لیکن باپ داداوں کی تقلید کو سامنے رکھ کر کفر و شرک میں لگے رہے، جن لوگوں نے حضرات انبیاء کرام علیہم الصلواۃ والسلام کی دعوت قبول کی انھیں مشرکوں اور کافروں کی طرف سے بڑی بڑی تکلیفیں پہونچتی رہیں انھیں طرح طرح سے ستایا گیا، قتل کیا گیا زندوں کو آگ میں جلایا گیا۔ سورۂ بروج میں ارشاد ہے۔

قُتِلَ اَصْحٰبُ الْاُخْدُوْدِ النَّارِ ذَاتِ الْوَقُوْدِ اِذْهُمْ عَلَيْهَا قُعُوْدٌ وَّهُمْ عَلٰى مَا يَفْعَلُوْنَ بِالْمُؤْمِنِيْنَ شُهُوْدٌ وَمَا نَقَمُوْا مِنْهُمْ اِلَّآ اَنْ يُّؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْحَمِيْدِ ۝ ۔

خندق والے یعنی بہت سے ایندھن کی آگ والے ملعون ہوئے جس وقت وہ لوگ اس کے آس پاس بیٹھے ہوئے تھے اور وہ جو کچھ مسلمانوں کے ساتھ کر رہے تھے اس کو دیکھ رہے تھے، اور اُن کافروں نے ان مسلمانوں میں کوئی عیب نہیں پایا بجز اس کے کہ وہ خدا پر ایمان لے آئے تھے جو عزیز و حمید ہے۔

سیدنا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے رفع الی السماء کے بعد تقریباً چھ سو سال گذر گئے تھے جسے فترت کا زمانہ کہتے ہیں سید الاولین والآخرین خاتم النبیین محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت ہوئی آپ نے سب سے پہلے مشرکینِ مکہ کو توحید کی دعوت دی وہ لوگ دشمنی پر اتر آئے بہت تکلیفیں دیتے تھے اور جو لوگ قبول اسلام کر لیتے تھے ان کو سخت

اذیتیں پہنچاتے تھے ان میں سے بعض حضرات کو قتل بھی کر دیا (جیسے حضرت عمار بن یاسر کے والدین رضی اللہ عنہم) حضرت بلال رضؓ اور حضرت خباب رضؓ کی مصیبتیں اور ان پر جو تشدد کیا جاتا تھا اس کے واقعات تو مشہور ہی ہیں ایک مرتبہ حضرت عمر فاروق رضؓ نے حضرت خباب رضؓ کی ان تکلیفوں کے بارے میں سوال کیا جو انھیں مشرکین کیطرف سے پہونچائی جاتی تھیں انھوں نے عرض کیا کہ امیرالمومنین آپ میری کمر ملاحظہ فرمائیں انھوں نے کمر دیکھی تو اس کی عجیب حالت تھی کچھ گڑھے سے تھے کھال کا رنگ کچھ بدلا ہوا تھا دریافت فرمایا یہ کیا ہے حضرت خباب رضؓ نے جواب دیا کہ مشرکین نے مجھے دہکتی ہوئی آگ پر لٹا دیا میں اسی پر پڑا رہا یہاں تک کہ میری کھال جلی اور خون نکلا اور اس خون سے وہ آگ بجھی اُس وقت آگ کی جلن سے میرا چھٹکارا ہوا یہ نشانات اسی کے ہیں۔

حضرات صحابہ کرام رضؓ کو حبشہ کی ہجرت بھی کرنا پڑی ان مہاجرین میں رسول اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادی اور ان کے شوہر حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہم بھی تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محنتیں جاری رہیں۔ دعوت کا کام ہوتا رہا اسی دعوت کے کام میں حضرت بلال رضؓ حضرت خباب رضؓ حضرت عمار رضؓ کا پٹنا کٹنا بھی تھا ایک سمجھدار آدمی کے لئے یہ بات بہت غور و فکر کی ہے کہ یہ لوگ اتنے زیادہ مارے پیٹے جاتے ہیں لیکن جس دین کو قبول کیا اس سے ہٹتے کیوں نہیں ؟

اسیرش نہ خواہد رہائی ز بند ٭ شکارش نہ جوید خلاصی از کمند

جب ابو سفیان رضؓ سے شاہِ روم ہرقل نے دریافت کیا کہ جو لوگ تمہارے اس مکہ والے نبی پر ایمان لے آئے ہیں کیا ان میں سے کوئی واپس بھی ہو جاتا ہے؟ اس پر ابو سفیان نے جواب دیا کہ ایسا نہیں ہے! ہرقل نے کہا۔

"وکذٰلک الایمان حین خالطہ بشاشتہ القلوب"

ایمان کا یہی حال ہے جب اس کی بشاشت دلوں میں رچ جاتی ہے۔ (صحیح بخاری ص ۴ ج ۱۔

ہرقل نے سچ کہا واقعہ یوں ہی ہے۔ حضراتِ صحابہؓ کی یہ ایمان کی پختگی اور پٹنے کٹنے کے واقعات رنگ لائے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اور آپ کے ساتھیوں کی جہودِ متواصلہ جاری رہیں کہ جو شخص مسلمان ہو جاتا تھا وہ ساتھ ہی ساتھ داعی بھی بن جاتا تھا اور اسی وقت سے دوسروں کو ایمان قبول کرنے کی دعوت دینے لگتا تھا حتیٰ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ منورہ کے رہنے والے دو قبیلوں، اوس و خزرج کو حج کے موقع پر منیٰ میں اسلام کی دعوت دی اور اپنا تعارف کرایا۔ ان لوگوں نے اسلام قبول کر لیا اور پھر آئندہ سال حاضر ہوئے اور آپؐ کو مدینہ منورہ تشریف لانے کی دعوت دی آپؐ نے تین چار ماہ کے بعد مدینہ منورہ کو ہجرت فرمائی سوائے چند منافقین کے اوس و خزرج کے تقریباً تمام ہی لوگ مسلمان ہو گئے۔ لیکن یہودی مسلمان نہ ہوئے "الا قلیلا منھم"، مدینہ منورہ میں یہودی صدیوں سے آکر اسی لئے آباد ہوئے تھے کہ خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائیں گے تو ان پر ایمان لا کر اور ان کے ساتھ مل کر کافروں

سے جہاد کریں گے فَلَمَّا جَاءَهُمْ مَّا عَرَفُوا كَفَرُوا بِهٖ -

اسلام کی دعوت بڑھتی رہی کام بھی بڑھتا رہا ایک دن وہ بھی آیا کہ مکہ معظمہ فتح ہوا جن لوگوں نے سیّدالاولین والآخرین صلی اللہ علیہ وسلم کو وہاں سے ہجرت کرنے پر مجبور کر دیا تھا وہ حلقہ بگوشِ اسلام ہو گئے اور خانہ کعبہ میں جو بت رکھے تھے ان سے کعبہ شریف کو پاک وصاف کر دیا گیا اب مکہ معظمہ میں اسلام ہی کا راج ہو گیا فتحِ مکہ کے بعد عرب کے قبائلی وفود بن بن کر آئے اور اسلام قبول کر کے داعیِ اسلام بنکر اپنی اپنی قوموں میں واپس ہوئے اور سارا عرب ایمان کی آماجگاہ بن گیا۔

سیرت کی کتابوں کا مطالعہ کرنے والوں کو معلوم ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے قیامِ مکہ کے دوران اسلامی دعوت کے لئے طائف تشریف لے گئے وہاں کے لوگوں نے برا برتاؤ کیا اور اتنے پتھر مارے کہ آپ کے قدمِ مبارک لہولہان ہو گئے، آپ انھیں دعا دیکر تشریف لے آئے آپ کی دعا قبول ہو گئی فتح مکہ کے بعد آپؐ طائف تشریف لے گئے ان کا محاصرہ فرمایا اس وقت تو طائف فتح نہ ہوا لیکن چند ماہ کے بعد وہ خود ہی مدینہ منورہ میں حاضر ہوئے، اور اسلام قبول کر لیا۔ اسلام تو قبول کر لیا لیکن کہنے لگے کہ جو ہمارا بت خانہ ہے اس کو ہم خود نہیں توڑیں گے اور بت کو اٹھا کر نہیں پھینکیں گے آپؐ نے یہ شرط منظور فرمائی اور دیگر صحابہ کو بھیج دیا جنھوں نے وہ کام کئے جن سے وہ لوگ ڈرتے تھے (مشرکین اپنے بتوں سے ڈرا ہی کرتے ہیں گو وہ کسی طرح کا نفع یا نقصان نہیں پہنچا سکتے

لیکن مشرکین کی خام خیالی انھیں کوئی ایسا کام نہیں کرنے دیتی جسے وہ بتوں کے حق میں کوئی بے ادبی سمجھتے ہوں) یہ ایمان ہی کی طاقت ہے جو غیر اللہ کو نفع یا ضرر کا مالک نہیں سمجھنے دیتی، چونکہ اہلِ طائف نئے نئے مسلمان ہوئے تھے اس لئے ان کے ذہنوں پر بتوں کا ہوّا سوار تھا اسی لئے بہ نظر حکمت کی رسول اللہ تعالےٰ علیہ وسلم نے ان کی سرزنش نہیں فرمائی مجاملہ فرمایا اور نومسلم ہونے کیوجہ سے نرمی اختیار فرمائی اور دوسرا آدمی بھیج کر انکا بتخانہ تڑوایا اس سے معلوم ہوا کہ دعوت دینے میں حکمت ملحوظ رہنی چاہیئے اسی سلسلہ میں ایک یہ حدیث بھی ہے کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے معاذ بن جبل رض کو یمن کا عامل بنا کر بھیجا تو ان سے فرمایا کہ اوّل انھیں توحید و رسالت کی دعوت دینا جب وہ اسکو مان لیں تو پھر انھیں یہ بتانا کہ اللہ تعالےٰ نے تم پر رات دن میں پانچ نمازیں فرض کی ہیں اگر وہ اس کو مان لیں تو انھیں بتانا کہ اللہ نے تم پر زکوٰۃ فرض کی ہے جو ان کے مالداروں سے لیکر ان کے فقراء پر تقسیم کی جائے گی مزید فرمایا کہ اگر وہ اس کو مان لیں تو ان کے عمدہ مال چھانٹ چھانٹ کر وصول مت کرنا (بلکہ درمیانہ مال لینا) اور یہ بھی فرمایا کہ مظلوم کی بددعا سے بچنا کیوں کہ مظلوم کی بددعا اور اللہ کے درمیان کوئی حجاب یعنی پردہ نہیں ہے،

(مشکوٰۃ المصابیح صہ ۱۵۵)

فتح مکہ کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بادشاہوں اور گردو نواح کے سرداروں کو بھی دعوتِ اسلام کے خطوط لکھے، ان میں ہرقل کو جو خط لکھا تھا اس میں اول تو اسے عظیم الروم فرمایا۔ (روم کا بڑا آدمی لکھا) دنیا میں جو شاہوں کے القاب

نبی آدم کے عہدِ اول ہی سے اللہ تعالیٰ شانہٗ نے نبوت اور رسالت کا سلسلہ جاری فرمایا ہے سب سے پہلے انسان یعنی حضرت آدم علیہ السلام سب سے پہلے نبی بھی تھے ان کے بعد ہزاروں نبیؑ اور رسولؑ مبعوث ہوئے انہوں نے دعوت و تبلیغ کا کام جاری رکھا توحید کی دعوت دی، شرک اور کفر کی شناعت اور قباحت بیان فرمائی۔ اور ان دونوں سے توبہ کرنے کی تلقین فرمائی ایمان کی دعوت کے ساتھ اعمالِ صالحہ بھی بتائے اور ان کے دنیوی و اخروی فوائد سے باخبر فرمایا۔ اور کفر و شرک اور اعمالِ سَیّئہ کے عذاب سے آگاہ کیا۔

حضرت آدم علیہ السلام کے بعد کئی قرن تک ان کی ذُرّیت اور نسل کے لوگ ایمان پر رہے ان کے بعد کفر و شرک کو اختیار کرنے والے بھی پیدا ہو گئے قرآن شریف سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام کی قوم نے بُت بنا رکھے تھے وہ ان کی پوجا کرتے تھے۔ حضرت نوح علیہ السلام نے انھیں ہزار سمجھایا لیکن انھوں نے نہ مانا، بتوں کی عبادت چھوڑنے کو تیار نہیں ہوئے

وَقَالُوا لَا تَذَرُنَّ آلِهَتَكُمْ وَلَا تَذَرُنَّ وَدًّا وَلَا سُوَاعًا وَلَا يَغُوثَ وَيَعُوقَ وَنَسْرًا (اور ان لوگوں نے کہا کہ اپنے معبودوں کو ہرگز نہ چھوڑنا اور نہ ود کو چھوڑو نہ سواع کو، نہ یغوث اور نہ یعوق اور نسر کو، (یہ ان کے بتوں کے نام ہیں) حضرات انبیائے کرام علیہم السلام برابر ایمان کی دعوت دیتے رہے ان کی امتوں میں مومن بھی تھے اور کافر بھی، بڑے بڑے مقابلے ہوئے بعض امتوں نے اپنے نبیوں کو قتل تک کر دیا، بہرحال خیر و شر کا مقابلہ و مقاتلہ برابر جاری رہا۔ حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام نے بڑی محنتیں کیں

مشہور ہیں ان میں سے کسی کو پسند نہیں فرمایا ہرقل کے پاس جب یہ خط پہونچا تو اس کے بھائی نے مخالفت پر ابھارنے کی کوشش کی اور اس نے کہا کہ دیکھئے آپ کو صرف یہ لکھا کہ روم کا بڑا آدمی۔ ہرقل نے کہا کہ اگر وہ واقعی نبی ہیں تو انھیں یہی لکھنا تھا اور اس سے زیادہ کوئی بات نہیں لکھ سکتے تا نیا۔ آپؐ نے واضح طور پر ہرقل کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا۔

اسلم تسلم یؤتك اللہ اجرك مرتین وان تولیت فان علیك اثم الاریسیین

(اسلام قبول کرلے تو باسلامت رہے گا اور اگر تو نے رُوگردانی کی تو تجھ پر تیرے علاقہ کے کسانوں کا بھی گناہ ہوگا) کیونکہ تو اُن کی ہدایت قبول نہ کرنے کا سبب بنے گا۔ مسلمانوں پر لازم ہے کہ دعوت کا کام جاری رکھیں غیر مسلموں کو دعوت دیتے رہیں دعوت کا کام جاری رکھنے ہی سے سارے عالم میں اسلام پھیلا، بادشاہوں نے تو یہ کام نہیں کیا۔ حضراتِ صوفیا نے یہ کام جاری رکھا اور ان کے ہاتھ پر لاکھوں افراد اسلام میں داخل ہوئے مشہور ہے کہ حضرت معین الدین چشتی کے ہاتھ پر نوّے ۹۰ لاکھ افراد نے اسلام قبول کیا اتنے بڑے ہندوستان میں جو مسلم اقوام ہیں ان میں سادات صدیقی عثمانی فاروقی علوی تو کم ہی ہیں زیادہ تر وہی اقوام ہیں جو مشرکین کی نسلیں ہیں۔ ان کے آباؤ اجداد کو اسلام کی تعلیم دی گئی ان کو توحید پسند آئی شرکت و بدعت کی قباحت معلوم ہوئی لامحالہ سچے دل سے بغیر کسی جبر کے اسلام قبول کیا دنیا کے اقطارِ عالم میں جو مسلمان رہتے بستے ہیں

انہی اقوام کی نسلیں ہیں۔ جنھوں نے اسلام کی سچائی وحقانیت کو دیکھ کر اسلام قبول کیا تاریخ میں سلیمان تاجرؒ کا نام بھی معروف ومشہور ہے ان کی دعوت اور حسن معاملگی سے متاثر ہو کر اسلام قبول کیا مشرقی ایشاء کے جزائر میں جو مسلمان رہتے ہیں وہ تاجران کی دعوت سے ہی متاثر ہو کر مسلمان ہوئے ہیں۔

تاریخ میں ایک واقعہ یہ بھی ہے ایک تاجر جزائر شرق الہند میں سے کسی جزیرہ پر پہونچے رات گذارنے کے لئے ایک بڑی بی کے یہاں قیام کر لیا انھوں نے دیکھا کہ بڑی بی برابر غمگین اور پریشان حال ہیں جب اس کا سبب پوچھا تو کہنے لگیں کہ ہمارے اس علاقہ کا طریقہ ہے کہ دریا کو سالانہ ایک لڑکی بنا سجا کر بھینٹ دینی پڑتی ہے اسکے لئے قرعہ ڈالا جاتا ہے جس لڑکی کا نام نکل آتا ہے اس کا بناؤ سنگار کر کے دریا کے کنارے رات کو گھاٹ پر بٹھا دیتے ہیں کسی وقت صبح ہونے سے پہلے دریا کی موج آتی ہے جو اسے بہا کر لے جاتی ہے اس مرتبہ میری لڑکی کا نام نکل آیا مجھے اسی کی جدائی کا صدمہ ہے، تاجر موصوف نے کہا یہ کوئی بات نہیں، تو مجھے زنانے کپڑے پہنا کر لوگوں کے حوالے کر دینا وہ لوگ مجھے گھاٹ پر بٹھا کر آجائیں گے آگے جو ہوگا دیکھا جائے گا۔ بڑی بی نے ایسا ہی کیا: رات کو حسب عادت ٹھاٹھے مارتا ہوا سمندر آیا بڑا شور کیا موج قریب آئی صاحب موصوف پورے توکل کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتے ہوئے متانت اور سنجیدگی سے بیٹھے رہے پانی آیا واپس چلا گیا، صبح ہوئی حسب عادت لوگ دیکھنے

آئے کہ لڑکی کو سمندر کی موجیں لے گئی ہوں گی آکر دیکھا تو وہاں لڑکی تو نہیں ہے ایک مرد بیٹھا ہوا ہے پوری صورت حال معلوم ہوئی تاجر موصوف سے دریافت کیا تمھارا دین کون سا ہے ؟ انھوں نے دین اسلام کا تعارف کرایا اور یہ بتایا کہ جو کچھ ہوتا ہے اللہ کے حکم سے ہوتا ہے اس کے علاوہ نفع وضرر کا کوئی مالک نہیں اسی پر بھروسہ رکھنا لازم ہے اس کی عبادت کرنا فرض ہے یہ باتیں سن کر وہاں کے باشندوں نے اسلام قبول کر لیا۔

درحقیقت دعوت کے طریقے بہت سارے ہیں۔ حسبِ موقع اصول شریعت کے مطابق دعوت الی الاسلام کے طریقے اختیار کرنا چاہیئے جتنا بھی اور جہاں کہیں بھی اسلام پھیلا ہے دعوت ہی سے پھیلا ہے، دشمنوں نے یہ بات مشہور کر رکھی ہے کہ اسلام تلوار کے زور سے پھیلا ہے، یہ بات حقائق کے خلاف ہے، تاریخ میں کہیں بھی ثابت نہیں ہے کہ مسلمانوں نے کسی فرد یا جماعت یا آبادی پر اسلام کے لئے زبردستی کی ہو اور یوں کسی سے کہا ہو کہ تو مسلمان ہو جا ورنہ قتل کر دیا جائے گا. قرآن مجید میں صاف صاف اعلان فرمایا ہے

لَا اِكْرَاهَ فِى الدِّيْنِ قَدْ تَّبَيَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَيِّ۔

(دین میں زبردستی نہیں ہے ہدایت واضح ہو چکی ہے جو گمراہی سے ممتاز ہے) اور اسلام ایسی بھیڑ کو اپنا بنانے کو تیار بھی نہیں جو تلوار کے ڈر سے جھوٹی زبان سے مسلمان ہو جائے اور حقیقت میں کافر ہی رہے یہ سب جانتے ہیں کہ قتل کے ڈر سے جو شخص کسی بھی دین کو قبول کریگا وہ سچے دل سے قبول نہ کریگا منافق ہو گا۔ جیسے آخرت میں کافر کی نجات نہیں منافق

کی بھی نجات نہیں ہے ایسے جھوٹے مدعیوں کی اسلام کو ضرورت نہیں !

تاریخ شاہد ہے کہ دنیا کی تقریباً نصف آبادی پر مسلمانوں کی حکومتیں رہی ہیں اگر مسلمان بادشاہ تلوار کے زور سے کافروں کو مسلمان کرنا چاہتے تو کوئی فرد بھی کافر نہ رہتا اگر تلوار اٹھائی جاتی تو بندوں سے مدد مانگنے والے جن میں ہمت وحوصلہ وشجاعت کا ذرا سا بھی بھرم نہیں ہوتا چمکتی ہوئی تلواروں کی جھنکار کے سامنے جلدی جلدی مسلمان ہو جاتے ۔ اسلام کو جھوٹے مدعیانہ اسلام کی اور ڈر کر اسلام قبول کرنے والوں کی کثرت مطلوب نہیں ہے ۔

اسلام کی دعوت یہ ہے کہ سارے انسان اللہ تعالیٰ کو وحدہٗ لاشریک مانیں اس کے سب رسولوں اور سب کتابوں پر ایمان لائیں خاتم النبیین محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو اللہ کا نبی اور رسول مانیں قرآن پر ایمان لائیں اور محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے اللہ کیطرف سے جو شریعت پیش کی ہے اسکو مانیں جو شخص یہ سب قبول کریگا وہ مسلم ہوگا ۔ اللہ کا فرماں بردار ہوگا ۔ مستحق جنت ہوگا اور جو شخص اس دین وشریعت کو قبول نہ کریگا وہ کافر ہوگا ۔ مستحق دوزخ ہوگا ہمیشہ ہمیش آگ کے دائمی عذاب میں رہیگا شریعتِ اسلامیہ کا قانون ہے کہ جب مسلمان کافروں سے جنگ کریں تو انھیں پہلے اسلام کی دعوت دیں اگر وہ اسلام قبول کرلیں تو کوئی لڑائی نہیں جنگ نہیں اگر اسلام کو قبول نہ کریں تو ان سے جزیہ دینے کو کہا جائے پھر اگر جزیہ دینا بھی قبول نہ کریں تو جنگ کی جائے جہاد کا مقصودِ اعلیٰ کافروں کو دینِ حق کی جانب بلانا ہے تاکہ وہ جنت کے مستحق ہوجائیں پھر اگر جنگ کر کے کسی قوم کو دوزخ سے بچا کر جنت میں داخل کر دیا تو

اس میں ان کے ساتھ احسان ہی کیا۔

حضرت مولانا قاسم صاحب نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ بانی دار العلوم دیوبند نے فرمایا کہ یہ تو بتاؤ جن لوگوں نے تلوار اٹھائی وہ لوگ کیسے مسلمان ہوئے ان پر کس نے تلوار اٹھائی تھی؟ دیکھو مدینہ منورہ کے انصار اپنی خوشی سے مسلمان ہوئے اور مکہ معظمہ کے جن لوگوں نے اسلام قبول کیا ان پر کوئی تلوار نہیں اٹھائی گئی یمن کے لوگ اپنی خوشی سے مسلمان ہوئے عراق میں کوئی فوج کشی نہیں کی گئی بیت المقدس کے راہبوں نے بیت المقدس کی چابی برضا ورغبت حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حوالہ کر دی حضرت معین الدین چشتی رحمۃ اللہ علیہ کے ہاتھ پر ہندوستان میں جو نوے ۹۰ لاکھ ہندوستانی مسلمان ہوئے ان پر کوئی تلوار نہیں اٹھائی گئی، بات یہ ہے کہ دشمنانِ اسلام تاریخ کا مطالعہ کئے بغیر اور اسلام کو سمجھے بغیر، قرآنِ کریم کو پڑھے بغیر پیغمبرِ اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت اور اخلاقِ عالیہ کو جانے بغیر اعتراض کرتے ہیں اور خود اپنا بُرا کرتے ہیں۔ پھر اسلامی جہاد اس لئے نہیں ہے کہ دنیا میں اسلام کا نام لینے والوں کی حکومتیں قائم کیجائیں اور اس لئے بھی نہیں ہے کہ انسانوں کو اسلام قبول کرنے پر مجبور کیا جائے۔

اسلام کا جہاد توحید کی دعوت دینے کے لئے اور انسانوں کو بندوں کی عبودیت سے نکال کر خالقِ کائنات جل مجدہ کی عبادت کیطرف لایا جائے حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ نے البدایہ والنہایہ ص ۳۳ ج ۷ میں لکھا ہے کہ جب حضرت سعد بن وقاص رضی اللہ عنہ کی امارت میں مسلمانوں کا لشکر فارس میں

داخل ہوا دونوں فریق باہمی مقابلہ کے لئے صف آرا ہوئے تو ایرانیوں کے سپہ سالار رستم نے حضرت سعد رضؓ کی خدمت میں پیغام بھیجا کہ اپنی جماعت میں سے ایسا شخص بطورِ نمائندہ میرے پاس بھیجیں جو عاقل ہو اور میرے سوالات کا جواب دے سکتا ہو۔ حضرت سعد رضؓ نے حضرت مغیرہ بن شعبہ رضؓ کو بھیج دیا حضرت مغیرہ رضؓ تشریف لے گئے تو رستم نے ان سے کہا کہ تم لوگ ہمارے پڑوسی ہو ہم تمہارے ساتھ احسان کرتے رہے ہیں تمھیں تکلیف پہونچانے سے باز رہے ہیں لہٰذا تم اپنے شہروں کو واپس چلے جاؤ اور تجارت کیلئے ہمارے ملک میں آتے رہو ہم تمھیں تجارت کے اسفار سے نہیں روکیں گے حضرت مغیرہ رضؓ نے جواب میں فرمایا کہ ہمارا مقصود دنیا کی طلب نہیں ہمارا مقصود و مطلوب آخرت ہے اللہ تعالیٰ نے ہماری طرف ایک رسول بھیجا ہے اور رسول کو یہ پیغام دیا ہے کہ میں نے آپ کو ان لوگوں پر مسلط کر دیا ہے جو میرے دین کو قبول نہ کریں میں ان منکرین سے انتقام لوں گا اور جو لوگ دینِ حق کا اقرار کریں گے ان کو غلبہ دونگا۔ جو شخص اس دین سے بے رغبت ہو گا وہ ذلیل ہو گا اور جو شخص اس کو مضبوطی سے پکڑے گا وہ باعزت ہو گا۔

رستم نے کہا وہ کیا دین ہے جو تمہارے رسول نے پیش کیا؟

حضرت مغیرہ رضؓ نے فرمایا کہ اس دین کا سب سے بڑا ستون یہ ہے کہ لاالٰہ الااللہ محمد رسول اللہ اور محمد صلے اللہ علیہ وسلم جو کچھ اللہ کیطرف سے لائے ہیں اس کا اقرار کیا جائے۔

رستم نے کہا یہ تو اچھی بات ہے اس کے سوا کیا ہے؟۔

حضرت مغیرہ رضؓ نے فرمایا۔ بندوں کو بندوں کی بندگی سے نکال کر اللہ کی عبادت کی طرف لے جانا۔

رستم نے کہا یہ اچھی بات ہے۔ اس کے علاوہ اور کیا ہے۔؟

حضرت مغیرہ رضؓ نے فرمایا وہ یہ بات ہے کہ آدم علیہ السلام کی اولاد سب آپس میں بھائی ہیں ایک ہی ماں باپ کے بیٹے ہیں یعنی عرب وعجم بحیثیت انسان ہونے کے سب برابر ہیں۔

رستم نے کہا یہ بھی اچھی بات ہے۔ اسکے بعد رستم نے کہا اچھا یہ بتاؤ اگر ہم تمہارے دین میں داخل ہو جائیں تو کیا تم ہمارے شہروں سے واپس لوٹ جاؤ گے (نہ جنگ کرو گے نہ زمین پر قابض ہو گے)

حضرت مغیرہ رضؓ نے جواب دیا۔ اِیْ وَاللہِ (اللہ کی قسم ہم بالکل اسی طرح واپس ہو جائیں گے) ثم لانقرب بلادکم الا فی تجارۃ اوحاجۃ۔ (پھر ہم تمہارے شہروں کے پاس بھی نہ آئیں گے اِلَّا یہ کہ کوئی تجارتی سفر ہو یا اور کوئی ضرورت ہو۔

رستم نے کہا یہ بھی عجیب بات ہے اس کے بعد جب حضرت مغیرہ رضؓ بات چیت کر کے واپس تشریف لائے تو رستم نے اپنی قوم کے سرداروں سے مذاکرہ کیا اور اسلام میں داخل ہونے کی ترغیب دی لیکن انہوں نے انکار کیا۔

حضرت امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ نے کتاب الخراج میں لکھا ہے کہ عبدالحمید ابن عبدالرحمٰن نے حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کو لکھا کہ یہاں حیرہ کے لوگ اسلام قبول کرتے جا رہے ہیں جو یہودی ونصرانی ومجوسی ہیں حالانکہ ان پر بھاری تعداد میں جزیہ کی رقوم باقی ہیں ان سے جزیہ لینے کی اجازت دی جائے، حضرت

عمر بن عبد العزیز رحمۃ اللہ علیہ نے ان کو جواب میں لکھا کہ اللہ تعالیٰ نے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اسلام کی دعوت دینے کے لئے بھیجا تھا اموال جمع کرنے کیلئے نہیں بھیجا ان لوگوں میں سے جو شخص بھی اسلام قبول کرلے اس کے مال میں (قانونِ شرعی کے مطابق) زکوٰۃ فرض ہوگی، جزیہ ختم ہو جائے گا

وإن الله جل ثنائه بعث محمداً صلى الله عليه وسلم داعياً الى الاسلام ولم يبعثه جابيا فمن اسلم من تلك الملل فعليه من ماله صدقة ولا جزية عليه۔

یہ حقیقت ہے اسلامی جہاد کی، اگر مسلمان نام کے بادشاہوں نے اسلام کے قوانین کی خلاف ورزی کی تو اسلام اس کا ذمہ دار نہیں ہے۔

دنیا سے کفر وشرک مٹانے کے لئے اور خالق و مالک جل مجدہٗ کے باغیوں کی سرکوبی کے لئے جو اسلام میں جہاد شروع کیا گیا ہے اس پر تو دشمنوں کا اعتراض ہے لیکن صدیوں سے دشمنانِ اسلام خاص کر یورپ کے لوگ جو ایشیاء کے ممالک پر قبضہ کرتے رہے ہیں اور اس سلسلہ میں جو لاکھوں کروڑوں خون ہوئے ہیں، اٹھارہ سو ستاون (۱۸۵۷) میں جو انگریزوں نے ہندوستانیوں کا قتلِ عام کیا ہے اور دنیا میں جو عالمی جنگیں ہوئی تھیں اور ہیروشیما پر جو بم پھینکا گیا۔ اور طویل زمانہ تک جو صلیبی جنگیں ہوئی ہیں جن میں لاکھوں انسان تہہِ تیغ ہوئے یہ سب کچھ کون سی خیر پھیلانے کے لئے ہوا؟

کیا اس میں ملک گیری کی ہوس اور کفر وشرک پھیلانے کے عزائم اور دینِ اسلام کو مٹانے کے ارادے نہیں تھے۔؟

یہ اُن لوگوں کی حرکتیں ہیں جو سیّدنا حضرت عیسیٰ علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام سے نسبت رکھنے کے جھوٹے دعویدار ہیں جو یہ کہتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تعلیم یہ تھی کہ کوئی شخص تمہارے رخسار پہ ایک طمانچہ مارے تو دوسرا رخسار بھی اس کے سامنے کردو، اور مشرکینِ ہند کو دیکھو جن کے یہاں ہتیا کرنا بہت بڑا پاپ ہے جو چوہا مارنا بُرا جانتے ہیں وہ مسلمانوں کے خون کے پیاسے ہیں اور برابر فساد کرتے ہیں اور قتل وخون کا بازار گرم کرتے رہتے ہیں۔

اسلامی جہاد پر اعتراض کرنے والے اپنے آئینہ میں اپنا منھ نہیں دیکھتے اور جو لوگ اللہ کے باغی ہیں ان کی بغاوت کو کچلنے والوں کے جہاد اور قتال پر اعتراض کرتے ہیں۔ یہ سچ ہے۔ ؎

؎ اپنے عیبوں کی کہاں آپ کو کچھ پرواہ ہے
غلط الزام بھی اوروں پر لگا رکھا ہے
یہ ہی فرماتے رہے تیغ سے پھیلا اسلام
یہ نہ ارشاد ہوا توپ سے کیا پھیلا ہے

مضمون کا عنوان ہم نے سورۂ یوسف کی ایک آیت سے لیا ہے پوری آیت یوں ہے:۔ قُلْ هٰذِهٖ سَبِيْلِيْٓ اَدْعُوْٓا اِلَى اللّٰهِ عَلٰى بَصِيْرَةٍ اَنَا وَمَنِ اتَّبَعَنِيْ وَسُبْحٰنَ اللّٰهِ وَمَآ اَنَا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ۔

آپ فرما دیجئے کہ یہ میرا راستہ ہے میں اللہ کیطرف بلاتا ہوں میں بصیرت پہ ہوں اور میری اتباع کرنے والے بھی بصیرت پر ہیں اور میں مشرکین میں سے نہیں ہوں درحقیقت اہلِ اسلام کے علاوہ کوئی بھی بصیرت پر نہیں ہے

غیر مسلمین کے اپنے بنائے ہوئے دین ہیں دلائل سے ان کی حقانیت ثابت نہیں کر سکتے، اٹکل سے باتیں کرتے ہیں، ہم پوری بصیرت کے ساتھ تمام اقوام عالم کو اسلام قبول کرنے کی دعوت دیتے ہیں اور واضح طور پر اعلان کرتے ہیں کہ اپنے باپ داداؤں کی تقلید چھوڑیں اور اپنے دین کے بڑوں کے بہکاوے میں نہ آئیں اپنی آخرت کی خود فکر کریں اور منکر اسلام ہو کر اپنی جان کو آخرت کے عذاب کے لئے تیار نہ کریں۔

ہماری دعوت جہاں غیر مسلموں کو ہے کہ اسلام قبول کریں اہل اسلام کو بھی ہے کہ اسلام کی دعوت دیں اور غیر مسلموں کو حکمت و موعظت کے ساتھ اسلام پیش کرتے رہیں پوری انسانیت کی بھلائی اسی میں ہے کہ ہمیشہ کی آخرت والی زندگی میں مکتی اور نجات حاصل کرنے کی فکر کریں جو صرف اسلام قبول کرنے میں مضمر ہے۔

وباللہ التوفیق وہو المستعان وعلیہ التکلان۔

(۱) دعوتی پروگرام کی خوبی یہ ہے کہ اس میں مدعوین تک پہونچنے کی صلاحیت ہو

(۲) دعوت کی خوبی یہ ہے کہ وہ مدعو اور مخاطب کے مناسب حال ہو۔

(۳) داعی کی خوبی یہ ہے کہ اس کا علمی اور اخلاقی معیار بلند ہو۔

(۴) مدعو کی خوبی یہ ہے کہ اس میں قبول کا جذبہ موج زن ہو

دعوت کا کام ہم کس طرح کریں؟

• مولانا شمس الحق ندوی، ایڈیٹر تعمیرِ حیات، ندوۃ العلماء، لکھنؤ

امتِ مسلمہ، امتِ دعوت ہے، محمدِ عربی صلی اللہ علیہ وسلم خدا کے آخری نبی اور رسول تھے۔ ان کے بعد اب کوئی نبی تا قیامت نہیں آئے گا، لیکن ضلالت وگمراہی کا بازار ہمیشہ گرم رہیگا، ضلالت وگمراہی کی تاریکیوں میں قندیلِ رہبانی روشن کرنے کا۔ کام اب نبی کی آخری امت کے سپرد ہے، وہی اب انسانی صلاح وفلاح کے راستے دکھائے گی، قرآنِ کریم نے اس امت پر دعوت کی یہ ذمہ داری ان الفاظ میں ڈالی ہے، "کُنتُم خَیرَ اُمَّۃٍ اُخرِجَت لِلنَّاسِ تَأمُرُونَ بِالمَعرُوفِ وَتَنھَونَ عَنِ المُنکَرِ،، (مومنو! جتنی امتیں، (یعنی قومیں) لوگوں میں پیدا ہوئیں تم ان سب سے بہتر ہو، کہ نیک کام کرنے کو کہتے ہو اور برے کاموں سے روکتے ہو۔) بھلائی کا حکم دینے اور برائی سے روکنے کا کام اب اسی خیرِ امت کا فریضہ ہے، لہٰذا اس امت کو رشد وہدایت کے مقدس فریضہ کو ادا کرنے کے لئے میٹھی زبان اور دلکش اسلوبِ بیان سے کام لینا از بس ضروری ہے، جو دلوں کو چھو لے، داعی کو مخاطب کے ذہن

دنکر، اس کے بہکے ہوئے خیالات کا پورا جائزہ لے کر اسکو مخاطب کرنا ہوگا تاکہ دانشمندانہ طریقہ پر اسکے غلط خیالات کا ازالہ کرکے اسمیں ہدایت کا پودا بیٹھایا جاسکے قرآنِ کریم نے اس طرف رہنمائی کرتے ہوئے یہ تعلیم دی ہے۔

أُدْعُ إِلَىٰ سَبِيْلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِيْ هِيَ أَحْسَنُ "اے پیغمبر، لوگوں کو دانش اور نیک نصیحت سے اپنے پروردگار کی طرف بلاؤ اور بہت ہی اچھے طریقہ سے ان سے مناظرہ کرو۔ لہٰذا نصیحت اور دعوت اور تبلیغ میں ایسا طریقہ اپنانا ضروری ہوگا، جو مخاطب میں ضد نہ پیدا کرے۔ اس کے اندر جھنجھلاہٹ اور غصہ نہ پیدا کرے اس سلسلہ میں امام ابو حنیفہ کی بیان کردہ ایک مثال داعی کے لئے طریقۂ دعوت کا بہترین نمونہ پیش کرتی ہے، فرماتے ہیں، جب ہم مناظرہ کرتے تھے تو یہ سمجھتے ہوئے کرتے تھے کہ جیسے ایک آدمی کے کندھے پر ایک پرندہ بیٹھا ہوا ہے اور اس سے اس حد تک کام لینا ہے کوئی ایسی حرکت سرزد نہ ہو جائے جس سے پرندہ اڑ جائے،، ہمیں تو اس پرندہ کو پکڑنا تھا اس لئے ہم اتنی احتیاط سے کام لیتے تھے، اکثر ایسا ہوتا ہے کہ مدعو کوئی ایسی اشتعال انگیز بات کردیتا ہے کہ داعی طیش میں آکر متانت وسنجیدگی اور موعظہ حسنہ کا دامن چھوڑ دے، اور وہ مشتعل ہو جائے جسکے نتیجہ میں شیطان کو دعوت کے بجائے میدانِ کارزار بپا کرنے کا موقع ملجائے اور دعوت کے بجائے عداوت و دشمنی یا اس سے بڑھ کر خون خرابہ کا کھیل شروع ہو جائے جس کے نمونے عزتو عزا اپنوں میں پیش آتے رہتے ہیں۔ عیاں راچہ بیاں۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے اپنے رسولوں کو مخاطب فرماکر امت یعنی مومن بندوں کو ہدایت کردالی کہ مخاطب خواہ کیسی ہی کڑوی بات کہے یہ اپنا انداز کلام نرم اور میٹھا ہی رکھیں اس میں ذرا بھی فرق نہ آنے دیں، فرمایا:

"قل لعبادی یقولوا التی ھی احسن، إن الشیطان ینزغ بینھم إن الشیطان

كَانَ لِلْإِنْسَانِ عَدُوًّا مُّبِينًا ۔ (بنی اسرائیل ۵۳) ۔

اور میرے بندوں سے کہہ دو ایسی باتیں کیا کریں ۔ جو پسندیدہ ہوں کیونکہ شیطان (بُری باتوں سے) ان میں فساد ڈلوادیتا ہے ۔ کچھ شک نہیں کہ شیطان انسان کا کھلا ہوا دشمن ہے ۔ مطلب واضح ہے کہ مخاطب میں بھی قبولِ خیر کی صلاحیت موجود ہے بحث مباحثہ کا مقصود اس کا بڑھانا ہو ، نہ یہ کہ جو کچھ موجود ہے وہ بھی غائب ہو جائے ۔ موعظۂ حسنہ کا مقصود ہی یہ ہے کہ ہم دعوت و تبلیغ کا ایسا طریقہ اپنائیں جو مخاطب کے دل کو چھولے بقولِ اقبال ؎

نگہ بلند، سخن دلنواز، جاں پرسوز

یہی ہے رختِ سفر میرِ کارواں کیلئے

داعی کا یہ زعم و خیال کہ ہم جو کچھ کہہ رہے ہیں وہ حق ہے اس لئے مخاطب کو اسے ماننا پڑے گا ، خواہ ہم کسی اسلوب و انداز میں بات کریں کہ حق ، حق ہے ، اس کو ماننا چاہیئے ، یہ طریقۂ دعوت نہایت غلط ہے اور ایسا داعی فریبِ نفس کا شکار ہوتا ہے یہ طریقہ انبیاء کرام کے اسلوبِ دعوت کے قطعاً خلاف ہے قرآن کریم میں موعظۂ حسنہ کی بہت سی مثالیں موجود ہیں اور انھیں پر زور دیا گیا ہے ، خود حضور صلے اللہ علیہ وسلم کا اسلوبِ دعوت ہمارے لئے نشانِ راہ ہے ، مگر بسا اوقات داعی اس کو نظر انداز کر کے بحث و مناظرہ میں ایسا الجھتا ہے کہ مخاطب کو حق سے قریب لانے کے بجائے اور دور کر دیتا ہے بسا اوقات تو ایسا ہوتا ہے کہ اس کی کسی کمزوری کا ذکر کر کے اس کے اندر عداوت و مخالفت کا جذبہ پیدا کر دیتا ہے جو مزید گمراہی کا سبب بن جاتا ہے ۔

اگر مخاطب داعی کی بات کو تسلیم نہیں کرتا ، وہ اس کی بات سمجھنے کو تیار نہیں ، تو کوئی اشتعال انگیز بات کہنے کے بجائے جو اس کے جذبۂ انتقام کو بھڑکا

دے اور وہ ماننے والوں کو بھی بہکانے پر کمربستہ ہو جائے، قَالُوا سَلَامًا، پر عمل کرتے ہوئے بھلی طرح اس سے الگ ہو جانا چاہیئے اور اپنی صلاحیت دوسرے شخص یا جماعت کی اصلاح میں صرف کرنی چاہیئے،

حالانکہ داعی کی ذمہ داری تو یہ ہے کہ جو چیز موجود ہے وہ ضائع نہ ہونے پائے کوشش یہ ہونی چاہیئے کہ موجودہ صلاحیت اس کے مخاطب کو آگے بڑھانے میں مددگار بنے، نہ یہ کہ اس کو مزید دور کر دے۔

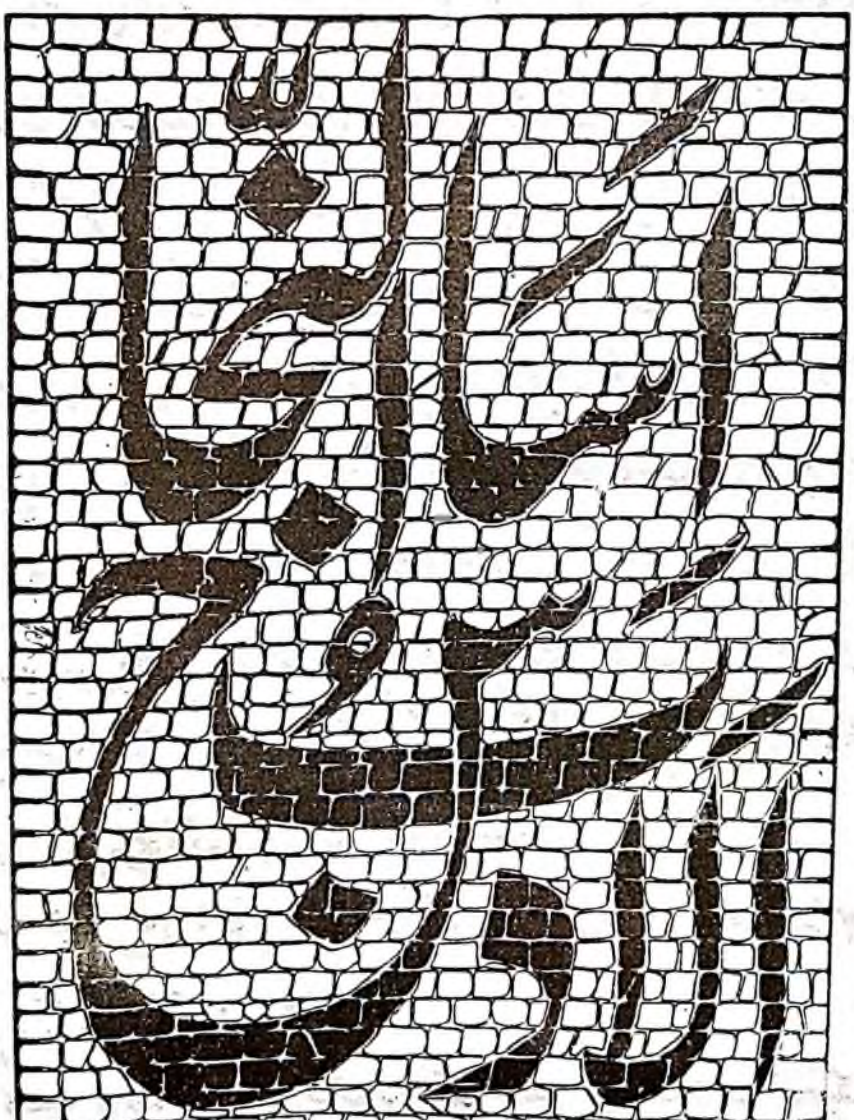
داعی کو خواہ زبان سے ہو یا قلم سے اسکا ضرور جائزہ لے لینا چاہیئے کہ جس فرد جماعت یا سوسائٹی کو وہ اپنا مخاطب بنا رہا ہے اس کی بے راہ روی میں کیا عوامل کام کر رہے ہیں، اس پس منظر کو ذہن میں رکھ کر ان کو مخاطب کیا جائے اگر وہ ذہنی الجھنوں میں مبتلا ہیں تو دلائل و شواہد کے ذریعہ بہترین پیرایۂ بیان میں اسکو مطمئن کرنے کی فکر کی جائے اس کی ہمارے اسلاف کے کارناموں میں بے شمار مثالیں موجود ہیں۔ اگر کوئی داعی صرف حق کی بات کہہ دینے ہی کو ادائیگیِ فرض سمجھتا ہے تو یہ اس کی بڑی خام خیالی ہے، بھونڈے انداز میں مخاطب کے ذہن کو جھٹکا دینے کے بجائے میٹھے اور شیریں انداز میں پہلے اس کو مانوس کیا جائے پھر دھیرے دھیرے مناسب مقدار اور اچھے اسلوبِ بیان میں اس کو صحیح اسلامی غذا دی جائے جس کی بہت کھلی ہوئی رہنمائی ان نبوی کلمات سے ہوتی ہے، بَشِّرَا وَلَا تُنَفِّرَا، يَسِّرَا وَلَا تُعَسِّرَا

(خوشخبری دو، نفرت پیدا کرنے والی بات نہ کہو، آسانی و سہولت سے کام لو سختی نہ برتو) مزید فرمایا:

" كلموا الناس على قدر عقولهم أتريدون ان يكذب الله ورسوله "

لوگوں سے ان کے عقل فہم کو سامنے رکھ کر بات کرو کیا تم چاہتے ہو کہ اللہ اور اس کے رسول جھٹلائے جائیں۔ لہٰذا مخاطب کے ماحول، معیار و سطح ذہنی وفکری معیار و رجحان کی بھی رعایت رکھنا ضروری ہے۔

لہٰذا داعی کے لئے از بس ضروری ہے کہ اپنی زبان وقلم دونوں کو ادب کے زیور سے آراستہ کرے، دعوت کا کام جتنا نازک ہے اس کو اتنا ہی آسان سمجھ لیا گیا ہے جس کے نتیجہ میں بعض وقت فائدے سے زیادہ نقصان پہونچ جاتا ہے۔



ادب کامیابی کی بنیاد ہے

دعوتی کام سے غفلت کے نقصانات

● مفتی فضیل الرحمن ہلال عثمانی، مالیر کوٹلہ پنجاب

اسلام لغوی، لفظی اور معنوی اعتبار سے اس حقیقت کو تسلیم کرنے ہی کا تو نام ہے کہ ہمارا پروردگار صرف اللہ ہے، کلمۂ شہادت "اشھد ان لا الہ الا اللہ واشھد ان محمدا رسول اللہ" اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی تابعداری کا اقرار ہی تو ہے، اس کلمہ کو دل سے مان کر زبان سے اقرار کرنے والا مومن و مسلم انسان یہ عہد کرتا ہے کہ اب اس کے لئے قانون صرف اللہ کا قانون ہے اس کا حاکم جس کا حکم اسے ماننا ہے، وہ یہ کلمہ کہہ کر سب کی غلامی سے آزاد ہو کر اللہ اور اس کے رسول کے مقابلے میں اپنی آزادی سے دست برداری کا ہی تو اعلان کرتا ہے وہ زندگی بھر اسی راستے کا راہی، اسی شاہراہ کا مسافر ہو جاتا ہے جو اللہ نے اپنے رسولوں اور پیغمبروں کے ذریعہ دکھائی ہے۔

جان و دل سے یہ وابستگی ـــــ اس کی اپنے پروردگار اللہ کے ساتھ فطری محبت کا نتیجہ ہوتی ہے۔ کیونکہ وہ جانتا، سمجھتا اور مانتا ہے کہ اس کا پیدا کرنے والا عدم سے وجود میں لانے والا، اس کو زندگی اور زندگی کے سامان دینے والا۔ اس کائنات کا پالنہار ربّ العالمین ہے۔

پھر اپنے پروردگار کی فطری محبت اس کے رسولوں تک پہنچتی ہے کیونکہ پروردگار کی راہ پر لانے والے تو یہی برگزیدہ انسان ہیں، پھر رسولوں کے سلسلے کی آخری کڑی محمّد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی محبت اس کے دل کے چشمے سے پھوٹتی ہے کہ دین کے احکام کی تکمیل و انتہا تو اسی ذات بابرکات پہ ہوتی ہے ـــــ اللہ اور اس کے رسول کی محبت کا یہ چشمہ پھوٹتا ہے لوگ اس کے کتنے کس طرح ہیں، وہ اپنی مخلوق کو چاہتا ہے تو یہ مومن و مسلم انسان بھی انکو چاہتا ہے، یہانتک کہ انکی خیرخواہی اسکی زندگی کا عنوان اور اس کی زندگی کا فریضہ بن جاتی ہے۔

ایمان کی یہ کیفیت مومن کے وجود کو غیرتِ حق سے بھر دیتی ہے۔ اس غیرت کے تقاضے کی وجہ سے مؤمن یہ گوارہ نہیں کرسکتا کہ حق اس کی آنکھوں کے سامنے پامال ہوتا رہے "دین مٹتا رہے اور میں زندہ رہوں"! صدیق اکبرؓ کی زبان سے نکلا ہوا یہ جملہ اس غیرتِ حق کا شاہکار ہے۔

ـــــ ہمارا باپ ہمارے سامنے ذلیل ہو کیا ہم دیکھ سکتے ہیں؟

ہماری آبرو لٹ جائے ـــــ کیا ہم گوارہ کرسکتے ہیں۔؟

اس کائنات کی سب سے قیمتی اور آبرومند شئے کیا ہے ـــــ ؟

—— یہ دین ——

کیا اس دین کی ذلت گوارہ ہے — ؟

کیا اس کی آبرو ریزی قابلِ برداشت ہے —— ؟

دین جس پہ ہم ایمان لائے ہیں — یہ دین کوئی راز نہیں جو سینے میں دفن ہو کر رہ جائے ——

دین کی محبت تقاضا کرتی ہے کہ مومن اس کے پھیلانے میں ۔ اس کی دعوت میں چیونٹی کی طرح منہمک اور مچھلی کی طرح مضطرب رہے ۔ دین کی دعوت وتبلیغ ایک وسیع الاطراف کام ہے جو مومن کی توجہ کا ہمہ وقت مطالبہ کرتا ہے ۔

مومن کی نیکی بزدلانہ نیکی نہیں جرأت مندانہ نیکی چاہتی ہے —— وہ مضبوط حوصلہ مند اور آگے بڑھنے کا حوصلہ چاہتی ہے —— یہ دنیا کا سب سے معزز اور باوقار کام ہے ۔ اللہ کے پیغمبروں نے اس کام میں اپنی عمریں کی عمریں لگائی ہیں ۔ جو اس کام کو انجام دیتا ہے وہ خود معزز اور باوقار ہو جاتا ہے —— اور جو اس کام کو چھوڑتا ہے وہ بے توقیر اور ذلیل ہو کر رہ جاتا ہے ۔

قرآن مجید کی سورۂ بقرہ میں ۔ کُنْتُمْ خَیْرَ اُمَّۃٍ — امتوں میں بہترین امت منتخب امت، قافلۂ انسانیت کی سالاری کا عظیم الشان اعزاز ہے تو ایک بڑی ذمہ داری بھی ہے ۔ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ ۔ جس کا مقصدِ وجود ہی لوگوں کی بھلائی اور خیر خواہی ہے ۔

ایک زخمی — زخموں سے چور ہے ، درد سے کراہ رہا ہے ۔

ایک بیمار ـــــ بیماری سے بے حال ہے ۔

تو اے خیرِ امت ــــ اے انسانوں کے ڈاکٹر، تیرا فریضہ کیا ہے ۔؟

اس زخمی کے زخموں کا مرہم ۔ اس بیمار کی دوا کیا تیرے پاس نہیں ہے ۔؟

اگر دوا ہے ـــ یہ قرآن و سنت ۔ یہ تیرے رب کا نسخۂ شفا، یہ تیرے نبی کی

آزمائی ہوئی بیمار انسانیت کے لئے دوا ـــ تو پھر بتا تیرا فریضہ کیا ہے۔؟

ڈاکٹر ـــــ ڈاکٹر ہوتے ہوئے ـــ دوا اس کے پاس ہوتے ہوئے

مریض کا علاج نہ کرے ـــ تو کیا وہ ڈاکٹر کہلانے کا مستحق ہے ۔؟

کیا اس کا لائسنس ضبط ہونا نہیں چاہیئے ـ؟

یہ تو تیرے رب کا بے پناہ فضل و کرم ہے ـــــ کہ ابھی تک یَسْتَبْدِلْ قَوْمًا

غَيْرَكُمْ ۔ کا فیصلہ نافذ نہیں ہوا حالات کے تھپیڑے ابھی تجھے جگانے میں لگے

ہیں ـــ پھر بھی نہ جاگے گا تو اس فیصلہ کے نافذ کرنے سے کون روک سکے گا۔

اس سے پہلے کہ ربِ کائنات اس کا فیصلہ کر دے ـــ تو خود فیصلہ کر کہ آج

یہ ذلت، یہ مقہوریت، یہ مسکنت، یہ بے بسی تجھ پر کیوں مسلط ہے ـــــ؟ قومیں

تجھ پر کیوں ٹوٹی پڑتی ہیں۔؟

○

تو ہی تو تھا کہ قیصر و کسریٰ نے اپنے تاج سر سے اتار کر تیرے قدموں

میں رکھ دیئے تھے ـــ گنتی تو اس وقت بھی تیری کچھ زیادہ نہ تھی ـــ

تو ہی تو تھا کہ کسریٰ کے کنگن تیری کلائی کے منتظر تھے ـــــ

تو ہی تو تھا کہ تیرے قدم جہاں پڑتے تھے باطل سرنگوں ہو جاتا تھا۔

تو ہی تو تھا کہ تیرے گھوڑوں کی ٹاپوں سے زمین کا سینہ دہلتا تھا۔

تو ہی تو تھا کہ مظلوم انسانیت تیری پناہ تلاش کرتی تھی۔

تو ہی تو تھا کہ جہاں تیرے قدم پڑ جاتے وہاں ویرانے سبزہ زار میں بدل جاتے تھے، تو اس زمین پر رحمتِ کائنات کی علامت تھا۔

تو نے مساواتِ انسانی، احترامِ آدمی، محبت و اخوت، عدل و انصاف کے وہ گیت گائے کہ ساری دنیا تیری ہم آواز ہو گئی —— یہ بھارت کی دھرتی جہاں کے انسان اپنے جیسے انسانوں کی غلامی کی ذلت برداشت کرتے کرتے تھک چکے تھے —— تیری پناہ میں آکر انسانیت کی عظمت کو پہچاننے لگے

گرے ہوؤں کے اٹھانے والے آج خود گرے ہوئے کیوں ہیں۔ ؟

سب کا درد بانٹنے والے آج خود محتاج کیوں ہیں۔ ؟

دوسروں کو انسانی نعمتوں سے مالا مال کرنے والے آج خود بھکاری کیوں ہیں —— ؟

حقوق کی بھیک، مطالبات کی بھیک، تحفظ کی بھیک —— کبھی اِس پارٹی پر کبھی اُس پارٹی کے دروازے پر —— کبھی اِس وزیر کے در پر کبھی اُس وزیر کے در پر —— تو نے سوچا، غور کیا —— کیا یہ سب اسی ذمہ داری سے غفلت کا نتیجہ تو نہیں جو پروردگارِ عالم نے تیرے سپرد کی تھی اور تجھے خیرِ امت کے لقب سے نوازا تھا۔ تو لِلنَّاسِ کے بجائے لِلذَّات اور لِلنَّفْس کیوں ہو کر رہ گیا۔

رازِ دل نہیں رازِ کائنات اور رموزِ قدرت وفطرت تجھے بتادوں ــــ کہ اللہ کی اس کائنات میں ایک قانون ہے اور کوئی چیز اس قانون سے مستثنیٰ نہیں ہے وہ قانون یہ ہے کہ یہاں پر کارآمد چیز رہتی ہے اور بے کار چیز اپنا وجود کھو دیتی ہے ۔ اللہ کی اِس کائنات میں بیکار چیزوں کے اسٹاک کے لئے کوئی کباڑ خانہ نہیں ہے ــــ اگر تیری صلاحیتیں اور تیری استعدادیوں ہی بیکار رہی تو اے مردِ مومن تو اپنا وجود کھو دیگا ۔ تیرا وجود تیرے مقصدِ وجود سے وابستہ ہے اور تیرا مقصدِ وجود ۔ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ کے سوا کچھ نہیں ہے ۔

○

اسی قرآن نے جس میں یہ باتیں ہیں سورۂ نحل میں تیری ذمہ داری کے لئے راہ عمل بھی متعین کی ہے ۔ اور وہ راہِ عمل ہے حکمت اور موعظتِ حسنہ ۔ حکمت کا مطلب ہے وہ طریقہ جو مخاطب کے لئے قابلِ قبول ہو جس سے مخاطب میں ہٹ دھرمی اور عصبیت کے جذبات نہ ابھریں ــــ وہ سوزِ دل جو ازدِل خیزد کے مطابق براہ راست مخاطب کے دل کی گہرائی میں اتر جائے ۔

اس کے لئے وہ لگن بھی چاہیئے ، جو ایک سیاست داں کو اپنی سیاست سے اور تاجر کو اپنی تجارت سے اور ایک وکیل کو اپنی وکالت سے اور ایک ڈاکٹر کو اپنی ڈاکٹری سے ہوتی ہے یہ لگن تجھے خود ہی راستے سمجھا دیگی ، تیری جرأت کو بڑھا دے گی ــــ تو پھر لینے والا نہیں دینے والا ہوگا ۔ تیرا ہاتھ نیچے کا نہیں اوپر کا ہاتھ ہوگا ۔ دینے والا ہاتھ اونچا اور لینے والا ہاتھ نیچا ہوتا ہے ۔

اے تماشا گاہِ عالم روئے تو
تو کجا بہرِ تماشا می روی

اے مومن تیرا حسن و جمال خود ایسا ہے کہ لوگ تیرے دیدار کے لیے کھنچے چلے آئیں تو کہاں در در اپنا تماشا کراتا پھرتا ہے۔

حکمت دعوت کا مفہوم اور تقاضا یہ ہے کہ دوسرے کے مطلب کی بات کہتے ہوئے اپنے مطلب کی بات اس طرح کہہ ڈالے جو سننے والے کو اجنبی اور غیر مانوس معلوم نہ ہو۔

اللہ کے نبی حضرت یوسف علیہ السلام قید خانے میں ہیں۔ ان کے ساتھی قیدی ان سے خواب کی تعبیر پوچھتے ہیں۔ تو وہ تعبیر بتانے کے ساتھ ساتھ جوان کے مطلب کی بات تھی۔ تعبیر کا علم دینے والے اپنے مالک کا تعارف ایسی عمدگی سے کراتے ہیں کہ ان کو یہ کوئی غیر مانوس بات معلوم نہیں ہوئی ——

مایوسی کی بات نہیں اس ملک کی مٹی ذرا نرم ہو تو کافی زرخیز ہے —— رحمت کے بادل بن کر برسو اور خواجہ معین الدین چشتی رح کی طرح بت کدے کی اذان بن جاؤ۔ اس ملک کی تقدیر اور نجات دہندہ تم ہو —— اِدھر اُدھر کی باتیں چھوڑ دو کہ یہ مسائل چھیڑ کر تمہیں الجھانے اور تمہیں تمہارے اصل مقصد سے ہٹانے کی کوشش کی جاتی ہے۔

اٹھو وگرنہ حشر نہیں ہوگا پھر کبھی ؛ دوڑو زمانہ چال قیامت کی چل گیا

زمانہ لاکھ قیامت کی چال چلتا رہے مگر مومنانہ فراست کا مقابلہ کون کرسکتا ہے — یہ مومنانہ فراست نورِ الٰہی کی روشنی میں کام کرتی ہے۔ نورِ الٰہی سے دیکھتی

ہے اور نورِ الٰہی سے جلتی ہے اور ابھرتی ہے ۔

فرعون کے جادوگروں کا جمِ غفیر ـــــ اور ان کی رسیوں کے بنے ہوئے ظاہر فریب سانپوں کے لئے ایک عصائے موسوی ہی کافی ہوگیا ـ اور پھر فرعون کا رعب و دبدبہ بھی ان جادوگروں کو حق کے سامنے جھکنے سے روک نہ سکا ۔

یہ رُود بار گنگا گواہ ہے کہ جب تیرے کاروان نے اس سرزمین پر قدم رکھا تھا تو یہ زمین کفر کی نجاست سے بھری ہوئی تھی ۔ انسانوں کی گردنیں ذلت کی زنجیروں میں جکڑی ہوئی تھیں ۔ تو نے ان انسانی سروں کو آزادی کی نعمت سے ہمکنار کیا ، تاریخ کتنی ہی کروٹیں لے لے مگر تیری خدمت کے نقوش مٹ نہیں سکیں گے

اسلام اپنے فکر اپنے نظریات اور اپنے عقائد کے اعتبار سے خود اتنا مضبوط ، اتنا مستحکم اور جاندار ہے کہ اسکا راستہ روکنے سے رُک نہیں سکتا ، اسلام ہوا کا خوشگوار جھونکا اور پانی کا دھارا ہے ، پانی پر بند باندھو گے بجلی بن جائیگی ، ہوا کو بند کرو گے طاقت پکڑے گی ، جتنا دباؤ گے اتنا ابھریگی ، جب اسلام طاقتور ہے تو اس سے وابستگی کمزور کو طاقتور بناتی ہے ـ جتنا ہم اس سے وابستہ ہوں گے ہماری طاقت بڑھے گی ۔ جتنا دور رہوں گے کمزوری آئے گی ۔ غور فرمائیے قرآن مجید کا ارشاد ہے

اَلَّذِیْنَ یُبَلِّغُوْنَ رِسٰلٰتِ اللّٰہِ وَیَخْشَوْنَہٗ وَلَا یَخْشَوْنَ اَحَدًا اِلَّا اللّٰہَ وَکَفٰی بِاللّٰہِ حَسِیْبًا ۔	جو لوگ اللہ کے پیغامات پہنچاتے ہیں اور اللہ سے ڈرتے ہیں اور سوائے اللہ کے اور کسی کا خوف نہیں رکھتے تو اللہ ہی ان کے لئے کافی ہے ۔

معلوم ہوا اللہ کا پیغام پہنچانا ۔ اللہ کی دعوت دینا صرف ترغیب کی بات

نہیں ہے جس سے خوشنودی مقصود ہے، بلکہ یہ احکم الحاکمین کا اٹل آرڈر اور حکم ہے اور اس حکم کے پہنچانے والے "سرکاری کام" کر رہے ہیں ـــ اور جب کوئی سرکاری ڈیوٹی پر ہوتا ہے تو اگر کوئی اس کو سرکاری ڈیوٹی سے روکے تو اس کی حفاظت کی ذمہ داری سرکار کیا کرتی ہے لہٰذا نفع نقصان کی ساری ذمہ داری سرکارِ عالی اللہ تعالیٰ کی ہے۔

○

اگر ہم اس ملک میں اپنی مغلوبیت دیکھ کر یہ سمجھیں کہ اس وقت ہمارا حال وہی ہے جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اعلانِ نبوت کے بعد ان پر ایمان لانے والے مکّہ کے لوگوں کا تھا کہ وہ پٹتے تھے ظلم سہتے تھے مگر اُف تک نہ کرتے تھے، ماریں کھاتے تھے مگر صبر و تحمل سے کام لیتے تھے، ہاتھ کا جواب ہاتھ سے اور نہ زبان کا جواب زبان سے نہ دیتے تھے لہٰذا ہمیں بھی اسی طرح صبر و ضبط سے اور اغماض و چشم پوشی سے کام لینا چاہیئے۔

حقیقت یہ ہے کہ مکّی زندگی بھی اِقدام کی زندگی تھی، انتہائی جواں مردی اور ہجوم و اِقدام کی زندگی تھی ـــ مگر یہ جواں مردی اور یہ ہجوم و اِقدام اور حق پرستوں کا یہ حملہ باطل پرستوں کی گردنوں پر نہ تھا بلکہ ان کی روحوں پر تھا ـ وہاں پٹ اسی لئے رہے تھے کہ دعوتِ دین کا کام ہو۔ اور وہاں پٹنا اور سہتے رہنا اِس عظیم نصب العین کے لئے تھا، وہاں جان مال سب کچھ قربان کئے جا رہے تھے، اس مقصد کے لئے جو ایک مومن کو اپنی جان اور مال سب سے زیادہ عزیز تھا ـــ اس حملے نے دلوں کو فتح کر لیا، اہلِ حق کی مظلومیت نے ان

کی اخلاقی رفعت کو اُجاگر کر دیا۔

واقعہ یہ ہے کہ مکہؐ کی زندگی بے سرو سامانی کے باوجود مدافعت کی نہیں اِقدام کی زندگی تھی یہ جَاهِدْهُمْ بِهٖ جِهَادًا كَبِيْرًا کی مثال تھی۔

صبر و تحمل، عفو درگذر اگر دعوتِ حق کے سلسلے میں اقدام کے ساتھ ہو تو وہ قوموں کو گرانے کے بجائے، اٹھاتا اور ابھارتا ہے۔

صرف پٹنا اور مار کھانا اور پٹ کر پھر اگلی پٹائی کے لئے تیار ہو جانا نہ صبر ہے نہ تحمل، نہ دفاع ہے نہ ہجوم بلکہ بزدلی، ذلت اور کم ہمتی ہے، جس سے قومیں ہمیشہ کے لئے ذلت کے گڑھے میں گر جاتی ہیں ـــ اسلام میں اس طرح کے صبر اور کم ہمتی کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔

ہماری اس وقت کی زندگی مکہؐ کی زندگی کی مثال اُس وقت بن سکتی ہے جب یہ مار کھانا اور پٹنا کسی بلند پائیداری اور مضبوط نصب العین اور مقصد کے لئے ہو اور یہ بلند نصب العین یقیناً روٹی اور کرسی اور جان بچانے کا نصب العین نہیں ہو سکتا کہ یہ نصب العین تو ایک جانور کو بھی نصیب ہے بلکہ جان و مال عزت و آبرو کو نثار کر دینے کے جذبے کے ساتھ اعلائے کلمۃ اللہ اور دینِ حق کی دولت دوسروں تک پہنچانے کا ہی نصب العین ہو سکتا ہے جو ایک مستقل اور پائیدار ہجوم اور اقدام ہے، اس نصب العین کے ساتھ اگر کوئی قوم زندہ رہتی ہے تو اس سے زیادہ عزت کی زندگی دوسری نہیں ہو سکتی ہے۔ اور اگر مرتی ہے تو اس زیادہ عزت کی موت کوئی نہیں ہو سکتی۔

قومِ مسلم بھکاری قوم نہیں ہے۔ اس کا کام بھیک مانگنا اور دوسروں کے سہارے زندہ رہنا نہیں ہے بلکہ دوسروں کو دینا اور ان کے ساتھ

احسان و سلوک کر کے انھیں اٹھانا اور ابھارنا امتِ مسلمہ کا کام ہے اور ظاہر ہے دوسروں کو وہی چیز دی جاسکتی ہے جو ان کے پاس نہ ہو اور ہمارے پاس ہو۔ اور وہ ہے اللہ کی طرف سے نازل کردہ حق و صداقت۔ جس کا داعی اور مبلغ بنا کر امتِ مسلمہ کو بھیجا گیا ہے۔

اگر امتِ مسلمہ کی زندگی اور موت کا معیار یہ مستند صداقت اور دینِ حق ہے کہ وہ اسی کے لئے جیئے اور اسی کے لئے مرے تو یہ امت سب سے بڑھ کر مالدار اور ساری انسانیت کے حق میں محسن ہے۔ اور اگر زندگی کا معیار روٹی اور کرسی ہے تو یہ چیزیں چونکہ دوسروں کے پاس زیادہ ہیں اس لئے امت دست نگر ہو کر زندگی بسر کرے گی، اور ظاہر ہے محتاج کی زندگی اپنی زندگی نہیں ہوتی۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادِ مبارک کی گہرائی دیکھئے اور فیصلہ کیجئے کہ ہم کہاں کھڑے ہیں۔

اِنَّکُمْ لَنْ تَسَعُوْهُمْ بِاَمْوَالِکُمْ :۔ تم دنیا کی قوموں پر مال و دولت سے غالب نہیں آسکتے۔

غالب کسطرح آسکتے ہیں اُن پر فتح کس طرح حاصل کر سکتے ہیں اس کے ذریعہ جو ان کے پاس نہیں ہے۔

وَلٰکِنْ تَسَعُوْهُمْ بِاَخْلَاقِکُمْ :۔ تم حسن اخلاق اور بلند کردار سے ان پر غالب آسکتے ہو۔

کیونکہ یہ وہ چیز ہے جو اُن کے پاس نہیں ہے۔

تم رسمی شوکتوں، دولت کے ذخیروں، دنیاوی عہدوں کے ذریعے

ان پر غالب نہیں آسکتے تمہارے غلبہ کی لائن وہی مزاجِ ابراہیمی اور طریقۂ محمدی ہے۔

اسلام کی شوکت وقوت سے مسلم کی قوت وشوکت وابستہ ہے اور اسلام کی قوت وشوکت اقلیت واکثریت کے نوشتوں، اعداد وشمار کے چکروں، جلسوں کی آرائش، سمیناروں کی گرم بازاری، نعروں کی شوراشوری میں نہیں ہے بلکہ شعائرِ دین کے اونچا کرنے اور دعوتِ اسلام کی علمبرداری میں پوشیدہ ہے۔

دعوتِ حق سے غفلت کا سب سے بڑا نقصان "فکری غلامی" کی صورت میں ظاہر ہورہا ہے۔ ہم دیکھ رہے ہیں کہ زمین کے وہ خطے اور ممالک جو سیاسی اور مادی طور پر بظاہر آزاد اور خودمختار ہیں وہ بھی ذہنی اور فکری غلامی میں بُری طرح پھنسے ہوئے بلکہ جکڑے ہوئے ہیں۔ دعوتِ حق کا کام انجام دینے سے خود اعتمادی پیدا ہوتی ہے اور یہ احساس بیدار رہتا ہے کہ ہمارے پاس وہ قیمتی چیز ہے جو دوسروں کے پاس نہیں ہے۔ ہماری اخلاقی قدریں بلند ہیں ہماری تہذیب پاکیزہ ہے، ہمارے پاس اسلامی نظامِ حیات کی صورت میں وہ مکمل نظام موجود ہے جس کا کوئی بدل نہیں ہے، دعوتِ حق سے غفلت کا نتیجہ ہے ہم صرف دوسروں کی ظاہری چمک دمک سے متاثر ہورہے ہیں، ہمیں یقین ہے کہ جس دن ہم دعوتِ حق کے منصوبے کو لے کر اٹھیں گے ظاہر فریب تہذیب کے تار و پو دبکھر جائیں گے۔

پھر یہ دعوت صرف عالمِ بالا کی باتیں ہی تو نہیں کرتی بلکہ اس دنیا کی زندگی

کو بھی بناتی اور سنوارتی ہے، ہمیں یقین ہے کہ اس دنیا کی تعمیر کے لئے بھی اسلام کے سوا کوئی اور راستہ نہیں ہے ـــــ یہ دین دنیا کو چھڑاتا نہیں بلکہ دنیا کو بھی ٹھیک ٹھاک کرتا ہے، اور اس کی تعمیر کرتا ہے۔

معمار حرم باز بہ تعمیر جہاں خیز

اس کی آواز ہے کہ اے حرم کے معمار اور بنانے والے دنیا کی تعمیر بھی تم ہی کرو۔

آیئے اب ذرا آگے بڑھ کر کچھ عملی باتیں ہو جائیں کوئی قابل عمل اور مستحکم پروگرام رکھا جائے تاکہ ہمارا یہ جمع ہونا "نشستند وگفتند وبرخاستند" کی مثال بن کر نہ رہ جائے،

(۱) اولین قدم کے طور پر ہمیں ایک دعوتی تربیتی مرکز کی ضرورت ہے جس میں دو یا تین سالہ تربیتی کورس مدارس وجامعات کے منتخب فاضلین اور یونیورسٹی کے فارغین کے لئے اس طرح رکھا جائے کہ عربی، انگریزی، ہندی زبانوں کی مشق کے ساتھ دعوت کی تربیت دی جائے۔ اس میں قرآن مجید کا براہ راست مطالعہ سیاست ومعیشت اور اخلاق سے متعلق منتخب احادیث، مذاہب عالم کا تقابلی مطالعہ، بڑے مذاہب کے اصول کا علم اور ان مذاہب کے ماننے والوں کی نفسیات کا مطالعہ شامل ہو اس کا دائرہ آہستہ آہستہ وسیع کیا جائے اور اس مرکز کے تحت مختلف ریاستوں میں ذیلی مراکز بنائے جائیں جس میں اس ریاست کی زبان شامل کی جائے۔

(۲) دوسرا قدم یہ ہے کہ ہمارے تربیت یافتہ مبلغین تربیت کے بعد عملی

میدان میں قدم رکھیں اور جہاں پہنچیں وہاں کے بارے میں ضروری یادداشتیں مرتب کریں یہ سب کام مرکز کے زیر نگرانی ہو۔

(۳) تیسرے قدم پر کلمۂ حق قبول کرنے والوں کی تعلیم و تربیت کا نظم کیا جائے اور یہ کوشش کی جائے کہ یہ لوگ مسلم معاشرے میں جذب ہوجائیں

بہر حال پہلا کام ایک مضبوط مرکز کا قیام ہے، ہمیں آج کی مجلس میں اس طرف قدم بڑھا لینا چاہئے اور اس کام کا آغاز کل سے نہیں آج سے کر دینا چاہیئے ـــــ کل کا سورج نکلے تو یہ دیکھے کہ ہم اس کارِ عظیم کیلئے کمر بستہ ہو چکے ہیں۔

اللہ کی رحمت سے امید ہے کہ اخلاص، دردمندی اور منصوبہ بندی کے ساتھ ہمارا یہ قدم ان شاء اللہ صحیح سمت میں یہ صحیح قدم ہوگا اور اس کے اچھے نتیجے سامنے آئیں گے۔ ساحل پر کھڑے ہو کر طوفان کے نظارے سے کام نہ چل سکے گا۔ ہمیں اس میں کودنا ہوگا۔ ورنہ یہ طوفان ساحل تک پہنچنا ہی چاہتا ہے۔

آسودہ ساحل تو ہے مگر شاید یہ تجھے معلوم نہیں
ساحل پہ بھی موجیں اٹھتی ہیں، خاموش بھی طوفاں ہوتے ہیں

دعوتِ اسلام

ضرورت و اہمیت

★ ــــ مولانا خالد سیف اللہ رحمانی
دارالعلوم، حیدرآباد (اے پی)

كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ

"تم بہترین امت ہو جو لوگوں کے لیے پیدا کی گئی ہو تاکہ بھلائی کا حکم دو اور برائی سے روکو"

یہ آیت ہمیں بتلاتی ہے کہ دنیا کے لوگ اپنے آپ کے لئے جیتے ہیں، مگر اس امت کو تمام انسانیت کے لئے جینا ہے، اس کی زندگی اس لئے ہے کہ وہ لوگوں کو زندہ رہنے کا سلیقہ سکھائے، اور اس کی موت اس لئے ہے کہ وہ دنیا کو بامقصد موت سے ذوق آشنا کر دے، اس کا سارا وجود بندگانِ خدا کے لئے ہے اس لئے اس نے اپنا سب کچھ خدا کے حوالے کر دیا ہے۔

إِنَّ صَلَاتِي وَنُسُكِي وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِي لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ

اسلام کی تاریخ کا ورق ورق اور حرف حرف اس حقیقت پر شاہد ہے کہ امت نے اس مقصد سے اپنے آپ کو جتنا قریب رکھا ہے فتح مندی و سرفرازی اس پر سایہ فگن رہی ہے اور اس نے اپنے مقصدِ وجود سے جس قدر دوری اختیار کی ہے خدا کی نصرت و مدد نے بھی اُسی قدر اس سے منہ پھیرا ہے، مسلمانوں کے حالات جیسے کچھ بھی ہوں مگر اسلام کی جاذبیت و کشش کبھی کم نہیں ہوئی

اور ناموافق سے ناموافق حالات میں بھی جب کبھی دین حق کے رخ زیبا سے غلط فہمی اور ناآگہی کی دبیز نقاب چاک کی گئی، اس کی درخشانی و تابانی نے دل کی تاریکیوں کو ضرور ہی ضیا بار کیا ہے اور جن سروں کو نوکِ شمشیر خم نہ کر سکی اور نفرت کی جس آگ کو میدانِ جہاد کی شعلہ سامانیاں فرو کرنے میں ناکام رہیں دعوت الی اللہ کی قوتِ تسخیر نے وہاں بھی اپنا کام کر دکھایا.

مسلمان اگر کسی علاقہ میں غیر مسلموں کے ساتھ رہتے ہوں اور وہاں غیر مسلم اکثریت اور اقتدار میں ہوں، تو مسلمانوں کے لئے شرعاً تین ہی راستے ممکن ہیں، ہجرت، جہاد، یا اسی ملک میں رہتے ہوئے دعوت الی اللہ۔ اب ہمیں اس پہلو سے ہندوستانی مسلمانوں کے حالات کا جائزہ لینا چاہیئے،

ہجرت

جہاں تک ہجرت کی بات ہے تو ہندوستان کے مسلمانوں پر نہ تو ہجرت واجب ہے اور نہ مستحب. واجب اس لئے نہیں کہ ہجرت واجب ہونے کے لئے دو باتیں ضروری ہیں، ایک یہ کہ وہ احکامِ دین پر عمل کرنے اور علانیہ ان کو انجام دینے کا مجاز نہ ہو، اگر وہ احکامِ دین پر عمل کرے تو اسے اذیت پہنچائی جاتی ہو، دوسرے وہ کسی مسلمان ملک میں منتقل ہونے پر قادر بھی ہو چنانچہ ابن قدامہ کا بیان ہے:

فالناس فی الهجرة علی ثلاثة اضرب	ہجرت کے معاملہ میں تین قسم کے ہیں، ایک وہ
احدهما من تجب علیه وهو من	جن پر ہجرت واجب ہے، اور وہ لوگ جو ہجرت

يقدر عليها ولا يمكنه اظهار	کرنے پر قادر رہوں، ان کے لئے
دينه ولا تمكنه اقامة واجبات	دین کا اظہار اور واجبات دین پر
دينه مع المقام بين الكفار	عمل کرنا غیر مسلموں کے درمیان رہتے
فهٰذا تجب عليه الهجرة لقول	ہوئے ممکن نہ ہو ایسے لوگوں کو ہجرت
الله تعالیٰ، ان الذين توفاهم	واجب ہے کیونکہ ارشادِ خداوندی ہے
الملائكة ظالمى انفسهم	بیشک ان لوگوں کی جان جنہوں نے
قالوا فيم كنتم، قالوا كنا	اپنے اُوپر ظلم کر رکھا ہے (جب) فرشتے
مستضعفين فى الارض قالوا	قبض کرتے ہیں تو ان سے کہیں گے تم کس
الم تكن ارض الله واسعة	کام میں تھے وہ بولیں گے ہم اس ملک میں
فتهاجروا فيها فاولئك	بے بس تھے فرشتے کہیں گے اللہ کی زمین
مأوٰهم جهنم وساءت مصيرا(۱)	وسیع نہ تھی کہ تم اسمیں ہجرت کر جاتے، تو یہی
❀ ❀ ❀ ❀ ❀	وہ لوگ ہیں جنکا ٹھکانہ جہنم ہے اور وہ بری جگہ ہے

ہندوستانی مسلمانوں کی صورتِ حال یہ ہے کہ وہ احکامِ دین پر علانیہ عمل کرنے کی پوزیشن میں ہیں، آئینی طور پر بھی اور اکثر حالات میں عملی طور پر بھی۔ بلکہ بعض مسلم ممالک سے بھی بڑھ کر قانونِ شریعت کے بعض حصے یہاں محفوظ ہیں، اور خاص خاص صورتوں اور غیر معمولی حالتوں کے سوا احکامِ دین پر عمل کرنے میں ان کو ایذار نہیں پہنچائی جاتی۔ گو ملک کے کچھ فرقہ پرست عناصر ضرور اسلام سے عناد رکھتے ہیں، لیکن برادرانِ وطن

(۱) المغنی لابن قدامہ ۹/۲۳۶

کی غالب اکثریت کو گرفتارِ تعصب قرار دینا یا مسلمانوں کا معاند سمجھنا قرینِ انصاف نہیں ـــــــ دوسرے، خود مسلم ملکوں میں نسلی اور علاقائی قومیتوں کی جاہلیتِ جدیدہ نے ' دوسرے مسلمانوں پر ان ملکوں کے دروازے بند کر کے رکھ دیئے ہیں اور موجودہ عالمی نظام میں ایک ملک سے دوسرے ملک کو ہجرت کرنا جوئے شیر لانے سے کم نہیں،

ہجرت مستحب اس لئے نہیں کہ اس سے ہندوستان میں دین کے اظہار اور دعوت کے مواقع ضائع ہو کر رہ جائیں گے۔ اس سلسلے میں قاضی ابوالحسن ماوردی کی یہ چشم کشا تحریر پیش نظر رکھے جانے کے لائق ہے کہ:

اذا قدر علی اظهار الدين في بلد من بلاد الكفر فقد صارت البلدة دار اسلام فالاقامة فيها افضل من الرحلة عنها لما يترجى من دخول غير في الاسلام (۱)	اگر غیر مسلم ملک میں دین کے اظہار پر قادر ہو، تو اب یہ ملک دار الاسلام کے حکم میں ہے لہٰذا وہاں سے نکل جانے کے مقابلہ وہیں قیام کرنا افضل ہے کیونکہ ایسی صورت میں دوسرے لوگوں کے بھی حلقہ بگوش اسلام ہونے کی توقع ہے،،

جہاد

ہندوستان میں مسلمانوں کے لئے جہاد کی گنجائش بھی نہیں، کیونکہ، اوّل، تو ہمسایہ قوموں سے ہمارا معاہدۂ امن ہے اور ایک دستور وآئین کے تحت بقائے

(۱) دیکھئے تکملہ شرح مہذب ۱۹/۲۶۵

ہا ہم کے اصول پر ہم نے ایک ساتھ رہنے کا عہد کیا ہے اور ظاہر یہ ہے کہ قرآن مجیدؔ نے عہد شکنی اور بد عہدی سے منع کیا ہے؛

وَاَوْفُوابِعَهْدِ اللّٰهِ اِذَاعَاهَدْتُّمْ (النحل: ۹۱)	جب تم معاہدہ کرو تو اللہ کے عہد کو پورا کرو۔

یہ بات بھی پیشِ نظر رہے کہ بعض غنڈہ عناصر کا غیر آئینی طور پر جبر و تشدد کا راستہ اختیار کرنا ہمارے لئے اس بات کا جواز فراہم نہیں کرتا کہ ہم پوری قوم کو دشمن جان کر ان سے اعلانِ جہاد کریں اس سلسلے میں امام محمدؒ کا قول قابلِ لحاظ ہے:

واذا وادع الامام اهل الحرب، فخرج رجل من الدار فقطع الطريق فی دار الاسلام واخاف السبيل فاخذه المسلمون فليس هنا بنقص منه للعهد (۱)	امیرِ اسلام نے دار الحرب کے لوگوں سے مصالحت کرلی، ایک شخص دار الحرب سے نکلا اور اس نے دار السلام میں ڈاکہ ڈالا، اور راہگیروں کو ڈرایا دھمکایا، لہٰذا مسلمانوں نے اسکو پکڑ لیا. تو اس سے عہد نہیں ٹوٹتا۔

دوسرے جہاد کے لئے امیر کا ہونا ضروری ہے جہاد محض جوشِ انبوہ کا نام نہیں،، علامہ ابنِ قدامہ کہتے ہیں،،

وامر الجهاد موكول الى الامام واجتهاده ويلزم الرعية	جہاد کا معاملہ امام اور اس کے صواب دید پر ہے اور اس کی جو

(۱) السیر الکبیر: ۱۶۹۵/۵

طاعتهٗ فی ما یراہ من ذالك[1] رائے ہو رعایا پر اسکی اطاعت لازم ہو

ہندوستان میں مسلمانوں کا نظامِ امارت و امامت سِرے سے موجود ہی نہیں ہے، یہاں امام سے محض کسی صوبے کا امیر یا کسی خاص جماعت اور تنظیم کا امیر مراد نہیں ہے، بلکہ خلیفۃ المسلمین مراد ہے ظاہر ہے کہ ہندوستان میں یہ صورت مفقود ہے،

تیسرے، اقدامی اور باضابطہ جہاد کے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ انکی کامیابی کسی درجہ میں بھی ممکن ہو، محض اجتماعی ہلاکت و بربادی کی صورت نہ ہو، مکی زندگی میں باوجود ابتلاؤں کے مسلمانوں کو جہاد کی اجازت نہیں دی گئی اور اگر کبھی صحابہ نے تنگ آکر بارگاہِ رسالت سے اجازت بھی طلب کی تو صبر کی تلقین کی گئی فُقہاء نے بھی اس امر کو ملحوظ رکھا ہے ابنِ قدامہ نے امام محمدؒ سے نقل کیا ہے :۔

لا یعجبنی أن یخرج مع الامام او القائد اذا عرف بالهزیمة وتضیع المسلمین[2] مجھے یہ بات پسند نہیں کہ جب شکست خوردگی اور مسلمانوں کے ضائع ہونے کا یقین ہو تو کوئی شخص امام یا سپہ سالار کے ساتھ نکلے۔

⁂ ⁂ ⁂

دفاع اور اپنے جان و مال اور عزت و آبرو کے تحفظ کا معاملہ اور ہے یہ ایک اضطراری عمل ہے اور اس کے لئے کسی بھی بے کسی کی حالت ہو اقدام کرنا واجب ہے،

(۱) المغنی : ۹/۱۶۶ (۲) حوالۂ سابق : ۹/۱۶۵

چوتھی سب سے اہم بات، یہ ہے کہ جہاد کے لئے ضروری ہے کہ جن سے جہاد کیا جائے پہلے ان کو دعوتِ اسلام دی گئی ہو اور ان پر حجت تمام ہو گئی ہو، خود آنحضورؐ کا معمول مبارک تھا کہ کسی فوج کو مہم پر بھیجتے ہوئے جو نصیحتیں فرماتے من جملہ ان کے یہ ارشاد بھی ہوتا کہ:

اذا لقيت عدوك من المشركين فادعهم إلى إحدى ثلاث خصال اوخلال فايتها اجابوك فاقبل منهم وكف عنهم ادعهم الى الاسلام فان اجابوا فاقبل عنهم وكف عنهم (۱)	جب تمہارا سامنا تمہارے غیر مسلم دشمنوں سے ہو تو ان کو تین باتوں میں سے ایک کی دعوت دو اگر وہ اس کو قبول کریں تو تم بھی قبول کر لو اور ان سے اپنے ہاتھ روک لو چنانچہ اولاً ان کو اسلام کی طرف بلاؤ اور اگر وہ اسلام کو لبیک کہیں تو تم بھی قبول کر لو اور ان سے اپنے ہاتھ روک لو۔

❊ ❊ ❊ ❊

❊ ❊ ❊ ❊

غزوۂ خیبر کے موقع پر حضرت علیؓ کو لشکرِ اسلام کا جھنڈا دیتے ہوئے ارشاد فرمایا:

ثم ادعهم الى الاسلام واخبرهم بما يجب عليهم. فوالله لأن يهدى الله بك رجلا خير لك من ان يكون لك حمر النعم (۲)	ان کو اسلام کی دعوت دینا اور بتانا کہ ان پر کیا واجب ہے، کیونکہ خدا کی قسم! یہ بات کہ اللہ تعالیٰ تمہارے ذریعے ایک شخص کو بھی ہدایت سے

(۱) ابوداود: ۳۵/۲ (۲) بخاری: ۱/۴۲۲

سرفراز فرما دے . تمہارے حق میں اس سے بہتر ہے کہ تم کو سرخ اونٹ حاصل ہوں ‘‘

چنانچہ قریب قریب تمام ہی فقہاء نے اس کو واضح کیا ہے کہ جہاد سے پہلے کا مرحلہ دعوت الی اللہ کا ہے ، معروف حنفی فقیہہ صاحبِ ہدایہ کہتے ہیں

ولا یجوز ان یقاتل من لم تبلغہ الدعوۃ الی الاسلام الا ان یدعوہ ‘‘ (۱)	جنکو دعوت اسلام نہ پہنچی ہو ، دعوت دیئے بغیر ان سے جہاد جائز نہیں ‘‘

فقہاءِ شوافع میں ابو اسحاق شیرازی کا بیان ہے ‘‘

وان کان العدو من لم تبلغھم الدعوۃ لم یجز قتالھم حتی یدعوا الی الاسلام . (۲)	اگر دشمن ان لوگوں میں سے ہو کہ جنکو دعوتِ اسلام نہیں پہنچی ہے تو ان سے اس وقت جہاد جائز ہے جبکہ پہلے اسلام کی دعوت دی جائے

حافظ ابن رشد نے اس پر امت کے اجماع و اتفاق کا دعویٰ کیا ہے لکھتے ہیں ‘‘

فاما شرط الحرب فھو بلاغ الدعوۃ باتفاق . اعنی انہ لا یجوز حرابتھم حتی یکونوا قد بلغتھم الدعوۃ	جنگ کی شرطوں میں سے یہ ہے کہ دعوتِ اسلام پہنچ چکی ہو اس پر اتفاق ہے میری مراد یہ ہے کہ جب تک دعوتِ اسلام نہ پہنچ جائے ان سے

ہدایہ مع الفتح ۱ ۵/۴۴۶ ‘‘ (۲) تہذیب مع الشرح ۱ ۱۹/ ۲۸۵

وذالك شئ مجتمع عليه من المسلمين لقوله تعالىٰ وما كنا معذبين حتى نبعث رسولا(۱)	جنگ جائز نہیں۔ یہ ایسی بات ہے کہ جس پر مسلمانوں کا اجماع واتفاق ہے کیونکہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے، ہم کسی قوم پر عذاب نازل نہیں کرتے ہیں تا آنکہ ان کی طرف رسول بھیج دیں،

مسلمانانِ ہند کے لئے یہ دعویٰ کرنا آسان بلکہ ممکن نہیں کہ انہوں نے برادرانِ وطن تک دعوتِ اسلام پہنچا دی ہے اور وہ تبلیغِ دین اور اتمامِ حجت کا کام سر انجام دے چکے ہیں خود پیغمبر کو یہ بات بتا دی گئی کہ اگر آپ تبلیغِ دین کا فریضہ انجام دیتے رہے تو انسانیت کے شر سے حفاظت کی ذمہ داری اللہ کی ہے،

یاایہا الرسول بلغ ما انزل الیك من ربك وان لم تفعل فما بلغت رسالته والله یعصمك من الناس؛ (المائدہ: ۶۷)	اے رسول، آپ کی طرف آپ کے پروردگار کی طرف سے جو کتاب نازل کی گئی ہے اسے لوگوں تک پہنچایئے کہ اگر ایسا نہ کریں تو حقِ رسالت ادا نہ ہوگا اور لوگوں سے آپ کی حفاظت اللہ کریں گے۔

یہ آیت اِس حقیقت کو ظاہر کرتی ہے کہ ملک کے موجودہ حالات میں اصل میں مسلمانوں کا تحفظ خدا کے نظامِ غیبی کے مطابق اس کے

(۱) بدایہ المجتہد: ۱/ ۳۸۶

بندوں تک دین کو پہنچانے میں مضمر ہے اللہ تعالیٰ کا نظام یہ ہے کہ غیر مسلموں تک دین کو پہنچانے میں دو میں سے ایک نتیجہ ضرور ظاہر ہو کر رہتا ہے یا تو اللہ تعالیٰ ان کے قلب کو ایمان کے لئے کھول دے گا اور تاریخ میں ایسی بہت سی مثالیں موجود ہیں کہ جن لوگوں کو طاقت و قوت کے ذریعے جھکایا نہ جاسکا ان کو اسلام کی کشش نے گرویدہ بنا لیا اور وہی تلواریں جو اسلام کو مٹانے کے لئے اٹھی تھیں اسلام کی سربلندی اور اُس کے اظہار و تقویت کے لئے اٹھنے لگیں. قومِ تاتار کا واقعہ تو اس سلسلے میں بہت ہی مشہور ہے لیکن علاوہ اس کے مشرقی ایشیا کی اکثر اقوام نے اسی طرح اسلام قبول کیا' اصل میں ہمیں نہیں معلوم کہ بہت سی اقوام جو بظاہر ہماری دشمن ہیں خدا نے ان کے لئے ہدایت و ایمان کی توفیق مقدر کی ہو۔ ان ربک ھو اعلم بمن ضل عن سبیلہ وھو اعلم بالمھتدین ،، (الانعام: ۱۱۷)

اگر کسی قوم کے لئے ہدایت مقدر نہ ہو تو پھر ،، عادت اللہ ،، ہے کہ اس کا قانونِ مکافات حرکت میں آجاتا ہے منکرین و معاندین پر اس کا غضب ہوتا ہے اور مہتدین اور مبلغین کی طرف اللہ کی مدد کا ہاتھ بڑھتا ہے تاہم ...... ان بندوں پر حجت تمام کرنا اور اپنی حد تک دین کو پہنچانے اور سمجھانے میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھنا یہ ہمارا فریضہ ہے اور اسی سے مسلمانوں کی نصرت اور اعداء اسلام پر خدا کا غضب متعلق ہے۔

وقل للذین اوتوا الکتاب والامیین اہلِ کتاب اور مشرکین سے دریافت

آاسلمتم فان اسلموا فقد اهتدوا وان تولوا فانما علیک البلاغ واللہ بصیر بالعباد "
(آل عمران: ۲۰)

کریں کہ کیا تم اسلام لائے؟ پھر اگر وہ اسلام لے آئے تب تو ہدایت ہی پا گئے اور یہی مقصود ہے اور اگر رُو گردانی کریں تو آپ کے ذمہ صرف پہنچانا ہے اور اللہ تعالیٰ بندوں کو دیکھ رہا ہے۔

دوسری جگہ ارشاد فرمایا گیا، حجت تمام کرنا آپ کی ذمہ داری ہے اور ان سے نمٹنا ہماری ذمہ داری ہے:-

وان تولوا فانما علیک البلاغ وعلینا الحساب "(الرعد: ۴۰)

لیکن اللہ کی نصرت کے مقام تک پہنچنے کے لئے صرف اعلان واعلام اور اطلاع وابلاغ کافی نہیں، مقدور بھر دین کی حقانیت کو سمجھانا اور زبان اقرار کرے نہ کرے عقل اور دل کو اسلام کی حقانیت کا معترف بھی بنا دینا ضروری ہے اسی کو قرآن نے "البلاغ المبین " قرار دیا ہے۔ فاعلموا أنما علی رسولنا البلاغ المبین (المائدہ ۹۲)

اس لئے مسلمانانِ ہند کے لئے اب ایک ہی راہ دعوتِ اسلام کی رہ جاتی ہے۔ یہی انبیاء کی تمام مساعی کا عطر اور خلاصہ ہے اور یہی وہ موزوں طریقہ ہے جس کے ذریعہ ہندوستان میں دوبارہ اسلام کی سربلندی اور علوِ کلمۃ اللہ کا خواب شرمندۂ تعبیر ہو سکتا ہے اور نصرتِ خداوندی کے حقدار ہو سکتے ہیں "

دعوت کے ذرائع

دین کی دعوت، اللہ کے بندوں کو اللہ کی طرف بلانا اور بھٹکے ہوؤں کو راستہ پر لانا اصل میں دردِ دل کا سودا ہے اس کے لئے خلق اللہ سے محبت اور دین کی تڑپ درکار ہے یہ درد جتنا عمیق اور یہ تڑپ جتنی شدید ہوگی، اسی نسبت سے راستے کھلتے جائیں گے اور مشکلات آسان ہوتی جائیں گی اسی لئے اصل میں اس کے لئے کوئی ایک متعین طریقہ کی رہنمائی نہیں کی جاسکتی، جو ہر حالت اور ہر ماحول میں اختیار کیا جائے البتہ کتاب و سنت سے اس بابت بنیادی ہدایت و اصول ضرور حاصل کئے جاسکتے ہیں،

کتاب و سنت اور پیغمبرِ اسلام کے اسوۂ مبارکہ سے دعوت دین کی بابت ہمیں جو رہنمائی ملتی ہے اس کو بنیادی طور پر چار نکات پر تقسیم کیا جاسکتا ہے۔

۱ دعوتِ دین کے ذرائع کیا ہوں؟

۲ دعوت کا عنوان اسلام کی کن تعلیمات کو بنایا جائے اور اولاً غیر مسلموں کو کس امر کی دعوت دی جائے؟

۳ داعی کے لئے کیا اوصاف مطلوب ہیں؟

۴ دعوت کا اسلوب و طریقہ کیا ہو؟

ہندوستان میں

کام کا نقشہ

ہندوستان میں مسلمانوں نے حضرت عمر فاروقؓ ہی کے عہد سے قدم رکھا ہے ملک کے شمالی علاقہ میں فوجی وسائل کے ساتھ مسلمان داخل ہوئے اور ابرِ رحمت بن کر چھائے اور برسے، جنوبی علاقہ میں اسلام عرب تجّار کے ذریعہ پہنچا اور ان کی دیانت وایمانداری، راست گوئی اور خوش معاملگی نے دلوں کی زمین میں ایمان کے پودے لگائے پھر کم وبیش آٹھ صدیوں تک اس ملک کے مختلف علاقوں پر مسلمانوں نے حکومت کی ہے آج بھی ان کی سطوت وشکوہ کے نقوش ملک کے چپّہ چپّہ پر ثبت ہیں مگر افسوس کہ اس طویل عہد میں نہ حکومت نے دعوتِ اسلام کے کام پر کوئی توجہ کی اور چند بزرگوں کو چھوڑ کر نہ علماء ومشائخ نے اس جانب کماحقہ، توجہ دی اور جو لوگ معمولی سعی وکوشش سے ایمان لے آئے انکی تعلیم وتربیت کا بھی کوئی مناسب ومعقول نظم نہیں کیا گیا حد یہ ہے کہ اس ملک کے باشندوں کو ان کی زبان میں اللہ کا کلام بھی پیش نہ کیا جا سکا اگر اس جانب بہ مقابلہ سیاسی طالع

آزمائیوں اور عسکری مہمات کے ۱۰ فی صد بھی توجہ کی گئی ہوتی تو آج حالات بالکل مختلف ہوتے اور اس ملک کی تقدیر ہمیشہ کے لئے بدل گئی ہوتی۔

آج بھی مسلمانانِ ہند کے لئے یہی ایک راستہ ہے داستانِ غفلت بہت طویل اور شبِ تغافل بہت دراز ہو چکی ہے لیکن صبحِ امید اب بھی اس کام کے سوا اور کچھ نہیں اس دعوت کے کام کیلئے کچھ بنیادی اور ٹھوس اقدام کی ضرورت ہے جنکو میں نمبر وار ذکر کرتا ہوں۔

دعوتی لٹریچر:

(۱) ہندوستان کی مقامی زبانوں میں اسلام کے دعوتی اور تعارفی لٹریچر —— اور بنیادی طور پر ہمیں دعوتی نقطہ نظر سے ان موضوعات پر لٹریچر مطلوب ہوگا

۱ توحید سے متعلق اسلام کی سادہ و مبنی بر عقل تعلیمات اور انسانی زندگی پر اس کے اثرات نیز شرک کے خلافِ عقل و فطرت ہونا۔

۲ اسلام میں مساوات و برابری کی تعلیم اور دوسرے مذاہب سے تقابل۔

۳ ہندو مذہب میں نا برابری جو اس کے غیر الہامی ہونے کی دلیل ہے۔

۴ ہندو مذہب میں غیر اخلاقی تعلیمات جسکی ہندو بزرگوں کی طرف نسبت تحریف و الحاق کا ثبوت ہے۔

۵ مزدوروں سے متعلق اسلام کی منصفانہ تعلیمات،

۶ قرآنی آیات کا انتخاب مع ترجمہ،

۷ احادیث کا انتخاب مع ترجمہ،

۸ پیغمبرِ اسلام کی سیرت جسمیں خاص طور سے آپ کے اخلاقِ کریمانہ کو نمایاں کیا گیا ہو،

۹ اسلام کی بنیادی تعلیمات،

یہ بھی ضروری ہے کہ یہ رسائل مختصر ہوں اسلوب ناصحانہ اور ہمدردانہ ہو اشتعال انگیز اور اہانت آمیز نہ ہو طعن اور طنز کی زبان سے مکمل گریز کیا جائے،

دعوتی تربیت (۲) دعوتی کارکنوں کی تربیت ایک اہم کام ہے ہمیں تربیت کا ایسا نظام بنانا ہوگا جس سے ایک طرف کارکنوں میں کام کی تڑپ ہو اور دوسری طرف اس کے اندر مخاطب کو متاثر کرنے کی صلاحیت پیدا ہو جائے اگر ہم اس تربیتی نظام کے موضوع و مضمون کو چند واضح دفعات میں بیان کرنا چاہیں تو وہ اس طرح ہونگے:

۱ اسلام میں دعوتِ دین کی اہمیت۔

۲ دعوت الی اللہ کا قرآنی اسلوب اور منہاجِ نبویؐ،

۳ ہندو عقائد سے واقفیت،

۴ ہندو قانون سے واقفیت،

۵ ہندو مذہبی تاریخ اور فرقہ جات سے آگہی،

۶ عیسائی مذہب سے بنیادی واقفیت۔

۷ ہندو پست و اعلیٰ اقوام کی باہمی کش مکش اور دونوں طبقوں

کے ممتاز رہنماؤں کے حالات سے باخبری۔

۸ مقامی زبان سے واقفیت۔

۹ علم النفس کی مبادیات کی تعلیم۔

اس طرح کا ایک تو مختصر تربیتی نصاب ہونا چاہیئے جو ایک دو ماہ میں مکمل ہو جائے اور عام لوگ اس سے استفادہ کر سکیں اور دو سالہ نصاب ہونا چاہیئے جو دینی اور عصری درسگاہوں کے فضلاء کے لئے ہو جو اپنی پوری زندگی اس کام کے لئے وقف کر دینے کو تیار ہوں

تربیتی مراکز برائے نومسلمین

(۳) جن ریاستوں اور علاقوں میں دعوتی کام کے مواقع موجود ہوں وہاں ضروری ہے کہ نومسلموں کی تعلیم و تربیت کے ایسے مراکز قائم کیے جائیں جہاں انکو ان کی زبان میں اسلام کی بنیادی تعلیم فراہم کی جا سکے ان کے لئے اُن کی مادری زبان میں ایک مختصر مدتی نصابِ تعلیم، ہو بے روزگار نوجوانوں کے لئے ٹکنیکل تعلیم کا انتظام ہو اور اس بات پر پوری توجہ دی جائے کہ ان کے اندر اپنے سابق سماج میں جا کر دعوتی کام کرنے کا جذبہ بیدار رہے۔

علاقہ کا انتخاب

(۴) یہ بھی مناسب ہے کہ اولاً اس کام کو منظم طور پر کرنے کے لئے جنوبی ہند کا انتخاب کیا جائے اور ایسے علاقوں میں محنت کی جائے جہاں قبائلی لوگ رہتے ہیں یا جو پس ماندہ اقوام میں شمار ہوتے ہیں۔

تشہیر سے گریز: (۵) ہندوستان کے موجودہ حالات میں اس کام کے لئے سب سے اہم بات یہ ہے کہ کام کی تشہیر سے گریز کیا جائے خفاء و رازداری اور اس کی کامیابی اور نتیجہ خیزی کے لئے شرطِ اول ہے۔ اس کام کو وہی لوگ کر سکتے ہیں جو اپنے نام دنیا کے اخبارات و جرائد میں تلاش نہ کریں بلکہ ان کو آخرت کے اخبارات و جرائد میں دیکھنے کے متمنی ہوں جو اس قافلے میں سر کا تاج بننے کے بجائے جوتے کا تسمہ اور پاؤں کی دھول بننے کو آمادہ ہوں اور جیسے عورتوں کے لئے نماز کی سب سے آخری صف افضل ہے۔ اس طرح اس قافلہ کا سب سے بہتر شخص وہ ہوگا جو اپنا نام سب سے پیچھے رکھنے کو تیار ہو۔

کلمۂ اٰخرین

کارِ دعوت کے طریقہ و اسلوب کی بابت یہ چند تجاویز ہیں۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ ہر کام کے لئے سب سے بڑا رہنما سوزِ دروں اور جذبۂ دل ہے۔ مسافرانِ شوق کے پاس اگر یہ متاعِ سفر موجود ہو تو کوئی مشکل نہیں جو آسان نہ ہو اور جو لوگ اس زادِ راہ سے محروم و تہی دامن ہوں مشکل ہے کہ صورِ اسرافیل بھی ان کی چشمِ تغافل کو کھول سکے اور خضر کی رہبری بھی ان کیلئے سودمند اور چشم کشا ثابت ہو سکے،

حضرت سید احمد شہیدؒ

کی تحریک کا

دعوتی پہلو

پروفیسر عباد الرحمٰن نشاط۔ ام القریٰ یونیورسٹی، مکہ مکرمہ

حضرت سید احمد شہید رائے بریلوی رحمۃ اللہ علیہ (۱۷۸۶ــ ۱۸۳۱ء) کی عظیم الشان دینی تحریک نہ صرف اخلاص وللّٰہیت کے نقطۂ نظر سے ایک انتہائی بلند قامت تحریک تھی بلکہ اپنی جامعیت کے لحاظ سے بھی غیر معمولی طور پر مکمل تھی اسمیں اصلاحِ حال کی فکر بھی تھی، اور مجاہدہ کا سوز بھی' دعوت وتبلیغ کی سعی وبے قراری بھی تھی اور جہاد وآرزوئے شہادت کی سرافندگی بھی۔ ان مختلف رنگوں سے سج کر یہ تحریک انیسویں صدی عیسوی میں ہندوستان کے افق پر اس طرح نمودار ہوئی جیسے قوس قزح نے آسمان پر مختلف ایمانی رنگ بکھیر دیئے ہوں جن میں ہر رنگ دوسرے رنگوں کی دلکشی میں اضافہ کر رہا ہو۔ اس تحریک کے مختلف پہلوؤں پر متعدد مستند ضخیم کتابیں لکھی جاچکی ہیں۔ زیر مطالعہ مضمون سید صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی تحریک کے صرف دعوتی پہلو کو قارئین کے سامنے پیش

کرنے کی ایک کوشش ہے اس مختصر مضمون میں تفصیلات و جزئیات کے ذکر کا تو موقعہ نہیں پھر بھی یہ آرزو و امید، اسکے صرف ــــ چند درخشاں اوصاف کے اجمالی ذکر کے لئے دل بڑھاتی ہے، کہ اگر اس کے پڑھنے سے کسی ایک شخص کے دل میں دعوت کا وہ درد و فکر پیدا ہو جائے جن کی بنا پر سید صاحبؒ اور ان کے رفقاء نے انتہائی ناساعد حالات میں سیکڑوں اور ہزاروں بلکہ لاکھوں اور کروڑوں انسانوں کو ــــ جیسا کہ آگے آنے والے صفحات شہادت دیں گے ــــ اللہ سے سچی محبت اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے سچی وفاداری کا بھولا سبق پھر سے سکھا دیا تھا تو یہ کامیابی راقم الحروف کے لئے حاصل سعی ہی نہیں، حاصلِ حیات ہو گی۔

سید صاحب کی تحریک دعوت و تبلیغ کا سب سے طاقتور عنصر ان کا غیر معمولی اخلاص تھا۔ ان کے پاس نہ ملک تھا، نہ مال، مگر انہیں اخلاص وللّٰہیت کی وہ عظیم الشان دولت حاصل تھی جس کی بناء پر انہوں نے ہندوستان میں اس وقت جب اسلامی تہذیب انحطاط کی آخری سطح کو پہونچ چکی تھی احیاءِ اسلام کے ناممکن کام کو ممکن کر دکھایا سید صاحبؒ اخلاص کے گوہر بے بہا کی قدر و قیمت جانتے تھے اس لئے انہوں نے اپنی زندگی کے آغاز سے ہی ذاتی طور پر اس کے حصول کیلئے کوشش بلیغ کی اور اس نورِ ایمان کو اپنے دامن میں سمیٹنے میں اپنے شب و روز بسر کئے جس سے ان کی تحریک کے دعوتی دور میں ایک زمانہ منور ہوا۔ مولانا ابو الحسن علی ندوی حضرت سید صاحبؒ کی ابتدائی زندگی کے بارے میں تحریر فرماتے ہیں:-

"آپ کو عبادت و ذکرِ الٰہی کا بے حد ذوق تھا۔ رات کو تہجد گزاری اور دن کو خلامت اور دن کو خدمت گذاری اور تلاوت و دعاء و مناجات میں مشغول رہتے

قرآن مجید میں تدبر فرماتے رہتے ۔ یہی آپ کا مشغلہ تھا [۱]

جب اس ذوق نے آگے بڑھ کر بے چینی واضطراب کی شکل اختیار کرلی اور آپ کی ذاتی کوشش آپ کی روز افزوں رضائے الٰہی کی طلب وآرزو کی متحمل نہ ہوسکیں تو فطرتِ سلیم نے راہ نمائی اور آپ تنہا و پا پیادہ لکھنؤ سے دلّی کا طویل فاصلہ قطع کرکے امامِ وقت حضرت شاہ عبدالعزیزؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور خود کو تربیت واصلاحِ حال کے لئے ان کے قدموں میں ڈال دیا۔ وہاں کے قیام کے دوران سیّد صاحبؒ حضرت شاہ عبدالعزیزؒ کی ہدایات کے مطابق باطنی پاکیزگی اور اخلاص کے حصول کی طرف بڑی ہمّت اور انتہائی جانفشانی سے متوجہ ہوئے ۔ ذکر وتلاوت ومراقبہ ومجاہدہ میں انتہائی کوشش کی ۔ نماز میں آپ کے ذوق وکوشش کا یہ حال تھا کہ سالہا سال تک عشاء کے وضو سے صبح کی نماز ادا فرماتے رہے ۔ "مدت تک یہ دستور رہا کہ رات کا آخری نصف حصّہ صرف دو نفلوں میں بسر ہوجاتا" [۲]

حتیٰ کہ سیّد صاحبؒ کی مخلصانہ کوشش نے بارگاہِ الٰہی میں شرفِ قبولیت حاصل کیا اللہ تعالیٰ نے انہیں اخلاصِ کامل کا وہ مقام بلند عطا فرمایا جس کا شکر، نواب وزیر الدولہ کی وصایا الوزیر ۔ کی روایت کے مطابق، وہ ان الفاظ میں فرماتے :- "میں نے مدۃ العمر آنے جانے، لیتے دینے، اٹھنے بیٹھنے، حرکت وسکون، غصّہ وبردباری، قہر ومہر، کھانے پینے، پہننے اور سوار ہونے کا کوئی کام نہیں کیا جس میں رضائے الٰہی کی نیت نہ ہو، اور

---

[۱] سیرت سید احمد شہید، جلد اوّل، صفحہ ۱۰۶

[۲] غلام رسول مہر، سید احمد شہید، صفحہ ۱۳۱

کوئی کام میں نے نفس کے تقاضے اور خواہش سے نہیں کیا۔" ۳۲

بعد میں سید صاحبؒ کو ان کے مرشد حضرت شاہ عبد العزیزؒ نے اجازت وخلافت سے نواز کر اپنے اعتماد کی جو سند عطا فرمائی اور حضرت مولانا عبد الحئیؒ بڈھانویؒ مولانا شاہ اسماعیلؒ، مولانا یوسف صاحب پھلتیؒ اور شاہ عبد الرحیمؒ جیسے جید علماء و مشائخِ وقت نے ان کی غلامی اختیار کی، اور ہر چہار سو سے لوگوں نے رجوع عام کیا، اور جوق در جوق لوگ ان کی کوشش سے تعلق مع اللہ کی دولت سے مالا مال ہوئے، اور ہدایت کی ہوائیں اُدھر بہنے لگیں جدھر کا انھوں نے رخ کیا۔ ان سب کے پیچھے سید صاحبؒ کا اخلاص اور وہ آہِ سحر گاہی کام کر رہی تھی جن کے بغیر ساری انسانی تدبیریں ناتمام اور نقوش پھیکے ہیں۔

حضرت سید صاحبؒ کی تحریک کے دعوتی پہلو کا دوسرا روشن عنصر یہ ہے کہ اس میں پورا زور شریعت مطہرہ کی پیروی اور سنت محمدیؐ کی اتباع پر تھا۔ سید صاحبؒ نہایت اہتمام کے ساتھ دو باتوں کی دعوت دیتے، توحید ورسالت پر ایمان اور عمل، اور دو باتوں سے نہایت اہتمام کے ساتھ منع فرماتے، شرک اور بدعت، توحید کی دعوت میں شرک کی نفی تھی، اور سنت کی دعوت میں بدعت کا انکار، اس طرح ان کی دعوت اصلاً توحید وسنت کی دعوت تھی جو سو فی صدی کلمۂ شہادت کے نہج پر تھی یہ میزان ایسی سچی تھی جس پر ان سے تعلق رکھنے والا مسلمان بہت جلد اپنی زندگی کی ہر مشغولیت وتفصیل کو پرکھ لیتا کہ اس کی زندگی

---

۳۲ بحوالہ مولانا سید ابوالحسن علی ندوی، سیرت سید احمد شہیدؒ، جلد دوم ص ۵۱۱

کہاں کہاں اسلام کے بنیادی تقاضے سے ہٹ رہی ہے، مولانا رشید احمد گنگوہیؒ حضرت سید احمد شہیدؒ کے بارے میں لکھتے ہیں ، "سید صاحبؒ توحید و رسالت و اتباع سنت پر بیعت لیتے تھے اور بس ۔ سید صاحبؒ اتباع سنت کے لئے از حد تاکید فرماتے تھے ، اور بدعت کے سخت ماحی اور مخالف تھے" ۴ے

سید صاحبؒ ایک اجازت نامہ میں تحریر فرماتے ہیں ، "حق تعالیٰ کی رضا منحصر ہے شریعت کی پیروی میں ، جو شخص شریعت محمدی کے سوا کسی اور راستے کو حصول رضائے خدا وندی کا ذریعہ سمجھتا ہے وہ شخص جھوٹا اور گمراہ ہے اور اس کا دعویٰ باطل اور نامسموع ۔ اور شریعت کی بنیاد دو باتوں پر ہے ، ایک ترکِ اشراک ، دوسرے ترکِ بدعات ۔ ۵ے

سید صاحبؒ جس بات کی دعوت دیتے ، خود اپنی زندگی میں ہر لمحہ اس پر عمل کرنے کا اہتمام فرماتے تھے ، دیکھنے والی آنکھیں گواہی دیتی تھیں کہ شریعت و سنت کا نور ان کے حرکات و سکنات سے عیاں تھا ، نواب وزیر الدولہ وصایا الوزیر میں شہادت دیتے ہیں ، "آپ مجسم شریعت و سراپا اتباع سنت تھے ، فرماتے تھے کہ مجھے اللہ کے فضل سے فضائل ظاہری ، مراتب باطنی ، اور روشن دلی ، اور صفائی قلب جو کچھ حاصل ہوئی ہے وہ سب اتباعِ شریعت کی برکت اور پیرویِ سنت کی سعادت ہے ۔ ۶ے

۴ے ۔ تذکرۃ الرشید صفحہ ۲۷۲

۵ے مولانا سید ابو الحسن علی ندوی ، سیرت احمد شہید ، جلد دوم ، صفحہ ۵۳۲

۶ے ۔ حوالہ سابق جلد دوم صفحہ ۵۱۳

چونکہ توحید و سنت سے غیر معمولی محبت سید صاحبؒ کی ساری کوششوں کا حاصل بھی اس لئے اس میں پختگی نہ صرف خود سید صاحب کا ذاتی شعار بن گئی تھی، بلکہ ایک متعدی صفت کے طور پر ان کے ارادت مندوں میں منتقل ہو جاتی تھی، مولانا ولایت علی رسالہ "دعوت" میں لکھتے ہیں "اگر اس گروہ کا کوئی ادنیٰ مرید بھی ہے تو اس کو بھی تین چیزیں لازم ہوتی ہیں، شرک سے بھاگنا، نماز کی قید، شرع کی تعلیم۔" ؎

سید صاحبؒ کی دعوتی تحریک کا تیسرا درخشاں پہلو یہ ہے کہ اس میں ہر شخص اپنی فطری استعداد اور ذوق کے ساتھ شریک ہو سکتا تھا ان کی نگاہ میں کوئی بے کار اور ناکارہ نہ تھا، وہ شریعت اسلامی پر مسنون طریقے سے عمل کرتے ہوئے رضائے الٰہی کے حصول کی دعوت دیتے تھے، یہاں ایسا نہ تھا کہ کیفیات میں غلو ہو لیکن شرعی تعلیمات سے غفلت، یا علمی ذوق بلند و بالا ہو، لیکن دل کی انگیٹھیاں سرد، یا شمشیر و سناں سے پر جوش لگاؤ ہو لیکن داعیانہ جذبات سے دل خالی، یا اصلاح و ارشاد کی مجلسیں پر رونق ہوں لیکن خود اپنی خلوتیں بے نور۔ یہی وجہ ہے کہ سید صاحبؒ کے قافلے میں امراء اور رؤساء بھی تھے اور غرباء اور فقراء بھی تھے، اور علماء بھی تھے اور مشائخ بھی، تلوار کے دھنی بھی تھے اور شعر و سخن کے اساتذہ بھی، مرد بھی تھے اور عورتیں بھی، جوان بھی تھے اور بوڑھے بھی، اور پڑھے لکھے بھی تھے

؎ ۔ سید ابو الحسن علی ندوی، سیرت سید احمد شہید ۔ جلد دوم صفحہ ۵۳۵

اور بے پڑھے بھی، ان میں وہ مرد بھی تھے جنھوں نے پاسِ شریعت میں اپنے کنبے سے ناطہ توڑا تو وہ عورتیں بھی جنہوں نے اپنے مردوں پر گھر کے دروازے بند کر دیئے تا آنکہ وہ سید صاحب کے ہاتھ پر توبہ کر کے سچی اسلامی زندگی گذارنے کا عہد نہ کریں، ان میں وہ بیٹے بھی تھے جنھوں نے اسلام کی سربلندی کی خاطر اپنے والدین کے دامنِ شفقت سے دوری اختیار کی تو وہ والدین بھی تھے جنھوں نے اپنے لختِ جگر کو سید صاحبؒ کی خدمت میں اس آرزو کے ساتھ پیش کیا تھا کہ وہ اسے اپنے ساتھ رکھیں اور خدا کی راہ میں قربان کرائیں سید صاحب کی دعوت عام تھی اور اس پر لبیک کہنے والے ہزاروں، لاکھوں انسان زندگی کے مختلف میدانوں سے نکل کر آئے تھے، سب کے سامنے ایک ہی شاہراہ تھی شریعتِ مصطفوی کی روشن راہ۔ سب کی منزل ایک تھی اللہ سے سچی وفاداری اور اس کی رضا کا حصول، یہاں سب کی قدر تھی، سید صاحبؒ کی وسعت قلبی سب پر سایہ فگن تھی اور اللہ تعالیٰ کی جانب سے قبولیت کی امید نے سب کا دل تھام رکھا تھا۔

حضرت سید صاحبؒ کی دعوتی سعی وجدوجہد کا چوتھا دلفریب اور پرشکوہ پہلو یہ ہے کہ انھوں نے سنت نبوی ﷺ کے مطابق اپنی دعوتی کوششوں کی کامیابی کے لئے ہر جائز طریقہ اختیار کیا، یہ بات پورے اعتماد کے ساتھ کہی جاسکتی ہے کہ ان کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا انتہائی خصوصی معاملہ دیکھ کر ایسا محسوس ہوتا تھا کہ اگر خدا کا یہ بندہ کائنات اور قادر کل کے سامنے اپنی پیشانی خاک پر رکھ دے تو خدا اس بندے کی بڑی سے بڑی مانگ پوری کر دے، ایک دو نہیں

سیکڑوں ایسے واقعات تاریخ نے ضبط کر لئے ہیں کہ انھوں نے اپنے رب سے جو مانگا وہ انھیں ملا۔ لیکن یہ ان کے مقامِ عبدیت کا کمال اور سنتِ نبوی سے غیر معمولی مناسبت کا حسن تھا کہ انہوں نے اپنے دعوتی مقاصد کی خاطر ہر جائز طریقہ اختیار کیا اور ہر ممکن کوشش فرمائی جس کی مختصر تفصیل مندرجہ ذیل ہے۔

(الف) سب سے پہلے سید صاحبؒ نے اپنی پوری زندگی کو دعوتی مشرب میں اس طرح ڈھال لیا کہ جو شخص بھی ان کے قریب آتا، اسلام کا پیغام لے کر جاتا امیر خاں کی فوج میں قیام کے دوران آپ کا یہ رنگ نہایت درخشاں تھا۔ لوگوں میں آپ کی قبولیت دعاء کا بڑا چرچا تھا۔ حاجت مند آپ سے دعاء کرانے کے لئے آپ کی خدمت میں حاضر ہوتے تو جسمانی تکالیف سے نجات اور دنیاوی حاجات کے پورا ہونے کی امید سامنے ہوتی، لیکن جب واپس جاتے تو ان کے دل میں شریعتِ محمدیؐ سے محبت کا بیج پڑ چکا ہوتا۔ مولانا ابوالحسن علی ندوی حضرت سید صاحب کے "طریقہ تبلیغ اور اسکے اثرات" کے ذیل میں وقائع احمدی سے جو واقعات نقل فرماتے ہیں ان کا انتخاب اور اختصار مندرجہ ذیل ہے، ایک سپاہی جو "نارو" میں مبتلا تھا، حضرت امیرالمومنین کی خدمت میں حاضر ہوا، آپ نے فرمایا: اگر تم سب برے کاموں سے توبہ کرو اور پانچوں وقت کی نماز پڑھنے کا اقرار کرو تو میں اپنے شافی مطلق ومعبود برحق سے دعاء کردوں وہ اپنی عنایت بے نہایت سے شفا بخشے، پنساری مدار بخش نے... اپنی دوکان میں برکت کی دعاء کی استدعا کی، آپ نے فرمایا: "... آج سے اپنا نام اللہ بخش رکھو اور سب برُے

کاموں سے تائب ہو، پانچوں وقت نماز پڑھو، جھوٹ نہ بولو، دغا فریب جان بوجھ کر نہ کرو، اپنا مال کسی کو کم نہ دو اور غیر کا زیادہ نہ لو،...... میرتے کے قاضی اللہ بخش اور ناگور کے قاضی خدا بخش کو لشکر سے رخصت ہونے کے وقت نصیحت فرمائی: ما شرک کے اقوال، افعال چھوڑ دو، یہی نصیحت ہے، [۵۴]

پند و نصیحت کا یہ سلسلہ انتہائی مقبول ہوا، اور امیر خاں کی فوج میں قیام کے دوران اور اس کے بعد کے ادوار میں اس سے بہت بڑے پیمانے پر خلقِ خدا کو فائدہ پہونچا، آپ کی خدمت میں جو شخص بھی توبہ و اصلاح کی نیت سے حاضر ہوتا، ان پند و نصائح سے نواز ا جاتا اس طرح آپ سے استفادہ کرنے والوں کی تعداد غیر معمولی طور پر بڑی ہے،

(ب) پھر سید صاحبؒ اپنے مقام پر بیٹھ کر تربیت و اصلاح کے لئے آنے والوں کا انتظار نہیں فرماتے تھے، بلکہ سنت نبوی کے مطابق خود لوگوں کے پاس جاتے تھے اور انھیں اللہ کی طرف بلاتے تھے، یا اس مقصد کیلئے کوئی دوسرا مناسب مؤثر طریقہ اپناتے تھے، جہاں موقع ملتا حضرت مولانا عبدالحئی بڈھانویؒ شاہ اسماعیل شہیدؒ یا کسی دوسرے بزرگ کے ایمان پرور مواعظ ہوتے جہاں ضرورت ہوتی خود بھی خطاب فرماتے، جہاں فائدے کی امید ہوتی ذکر و معمولات تلقین کئے جاتے، جہاں مناسب سمجھا جاتا، دعوتی خطوط بھیجے جاتے، جب وقت کا تقاضہ ہوتا وفود اور ہدایا کے بھیجنے کا نظم کیا جاتا، جب ضرورت محسوس کی جاتی کتابیں لکھی اور لکھوائی جاتیں (جن میں صراط مستقیم اور تقویۃ الایمان کا نام سرفہرست ہے) اور ان سب

[۵۴] حوالہ سابق جلد اول صفحہ ۵۳۱

کو دعوت کے ذرائع کے طور پر اپنایا جاتا۔

(ج) اس کے علاوہ چونکہ سید صاحب کی نظر اس حقیقت پر تھی کہ کوئی بھی تحریک اپنے کارکنوں کے ایثار سے ہی پروان چڑھتی اور پھلتی پھولتی ہے اس لئے انھوں نے ایسے کارکنوں کو تیار کرنے کا بڑا اہتمام کیا جنھیں ان کی دعوتی تحریک سے پوری پوری مناسبت ہو اور جن میں اخلاص وللہیت کا وہ کمال پیدا ہو جائے جس سے وہ دعوت کی ذمہ داری نباہ سکیں اس مقصد کے لئے سید صاحبؒ نے اپنے ارادت مندوں کی ایک بڑی جماعت کو ہمیشہ اپنے ساتھ رکھا، ان کے اخراجات برداشت کئے، ان کی تربیت کی فکر کی اور اس طرح ایک ایسی جماعت تیار کر دی جس نے ان کی زندگی میں اور ان کے بعد ان کے دعوتی مشن کے چراغ کو اپنے خون جگر سے روشن رکھا اور اس مشن سے وفاداری کا حق ادا کر دیا نواب صدیق حسن خاں شہادت دیتے ہیں: ''آپ کے خلفاء کے مواعظ نے سرزمین ہند کو شرک و بدعت کے خس و خاشاک سے پاک کر دیا اور کتاب و سنت کی شاہراہ پر ڈال دیا۔ ابھی تک ان کے مواعظ و پند کے برکات جاری و ساری ہیں۔''[9]

(د) ان سب کے علاوہ ایک انتہائی اہم اور طاقتور ذریعہ جسے سید صاحبؒ کے دعوتی نظام میں بہت اہمیت حاصل تھی، دعاؤں کا اہتمام تھا، وہ اپنے مقصد کے لئے ہر ممکن کوشش فرماتے لیکن یہ حقیقت ایک لمحہ کے لئے بھی نگاہوں سے اوجھل نہ ہوتی کہ فیصلہ بارگاہ الٰہی سے ہوتا ہے اس لئے اپنی کوشش کی قبولیت اور مقصد میں کامیابی کے لئے نہایت اہتمام اور کمال تضرع کے ساتھ دعا فرمایا کرتے۔ سید صاحبؒ دعوتی گفتگو سے پہلے بھی دعا کرتے اور اس کے بعد بھی، انفرادی [illegible] دعا کرتے

[9] حوالہ سابق جلد دوم صفحہ ۵۳۱

اور اجتماعی ہدایت کی دعا بھی اپنے رب سے مانگا کرتے اور اپنے رفقاء کو ساتھ لے کر بھی۔ ان کی دعاؤں میں کچھ ایسا اثر تھا کہ آنکھیں برسنے لگتیں، دل سینوں سے نکلنے لگتے اور لوگ بے خود بے حال ہو جاتے، ان کی دعوتی تحریک جو مقبول ہوئی اور برگ و بار لائی اس میں ان کی دعاؤں کا بہت بڑا حصہ ہے۔

سید صاحبؒ کی دعوتی تحریک کی پانچویں خصوصیت یہ ہے کہ وہ جان و دل سے دعوت کے کارِ عظیم کو ہر حال میں کرنے اور اس راہ کے مصائب کو صبر و شکر کے ساتھ برداشت کرنے کے لئے تیار رہتے تھے، گویا "وتواصوا بالحق وتواصوا بالصبر" "اور آپس میں تاکید کرتے رہیے سچے دین کی اور آپس میں تاکید کرتے رہیے تحمل کی" کا حکم ہمہ وقت نگاہوں کے سامنے تھا۔ اس راہ میں جب سر بلند کر کے دعوت الی اللہ کی ذمہ داری ادا کرنے کی ضرورت پڑی سید صاحبؒ نے سر بلند کر کے یہ ذمہ داری ادا کی، اور جب کبھی سر جھکا کر پتھر کھانے کا مقام آیا، سر جھکا کر پتھر کھانے کی سنت ادا کی، لکھنؤ کے ایک دعوتی سفر کے دوران جب وہاں کی حکومتِ وقت نے سید صاحبؒ پر پابندی لگائی کہ وہ کسی شیعہ کے سنی عقیدہ کے ماننے اور ان کے حلقۂ ارادت میں شامل ہونے کو قبول نہ کریں اور صراحتاً یہ کہلوا دیا کہ اگر انہوں نے اس کے خلاف کیا تو ان کے قیام کی جگہ کو توپوں سے اڑا دیا جائے گا تو سید صاحبؒ نے بے خوفی کے ساتھ اس حکم کو ٹھکرا دیا، اور پیغام لانے والے سے فرمایا، "اگر کہا جاتا کہ تم ہماری رعیت ہو، شہر سے چلے جاؤ اس میں کوئی عذر و حیلہ نہ ہوتا۔ ہم مان لیتے۔ لیکن یہ کیا بات ہوئی ہم کو کلمۂ خیر لوگوں کو تعلیم نہ کرو۔ یہ بات اسلام کے خلاف ہے۔ طالب خدا سنی ہو یا شیعہ جو میرے پاس آئیگا میں اس کو ضرور راہِ حق سکھاؤں گا۔ [۱]

[۱] حوالہ سابق جلد اول صفحہ ۲۴۰

ایک بار جب آپ نے تبتیوں کے ایک قافلہ کو تبت میں تبلیغ کا کام سونپا تو انھیں رخصت کرنے کے وقت فرمایا: "وہاں جاکر مسلمانوں کو احکام توحید و سنت سکھاؤ اور شرک و بدعت سے بچاؤ، مگر ایک بات ضرور کرنا کہ کوئی تم کو لکڑی، پتھر، لات گھونسہ کتنا ہی مارے تم اس پر صبر کرنا اور ان کو کچھ نہ کہنا۔ اسی طور پر تعلیم و تلقین کرتے رہنا، اسی طرح کلکتہ کے پاس چاٹگام نامی مقام کے کچھ لوگوں کو نصیحت فرمائی: جا بجا سیر اور دورہ کرتے رہنا اور توحید و سنت کا جو مضمون تم نے یہاں سیکھا ہے وہی لوگوں کو سکھانا اور ان سے شرک و بدعت کے کام چھڑانا۔ اور جو تم کو مارے کوٹے رنج و ایذا دے، صبر کرنا اور وعظ و نصیحت سے باز نہ رہنا۔" [۱]

یہ بات یاد رکھنے کی ہے کہ سید صاحب رح کی تحریک اس دور میں سامنے آئی جس میں ہندوستانی مسلمان اخلاقی، مذہبی، سیاسی زبوں حالی و انحطاط کے سب سے زیادہ آزمائشی دور سے گذر رہے تھے۔ ان کے ہاتھ سے سیاسی قوت نکل چکی تھی۔ مذہب کا حفاظتی حصار و سہارا ان سے عمومی طور پر چھوٹ چکا تھا اور کوئی ایسی اخلاقی کمزوری باقی نہیں رہی تھی جسے انہوں نے نہ اپنا لیا ہو۔ اب تو احیاء اسلام کی ہلکی سی امید بھی کبھی ان کے دروازے پر دستک نہیں دیتی تھی۔

ایسے وقت میں مسلمانان ہند کو نہ صرف اپنے اسلامی تشخص کی حفاظت کی دعوت دینا بلکہ احیاء اسلام کے فریضے کے لئے کھڑا کر دینا اور اسے قائم کر کے دکھا دینا ایک ایسا غیر معمولی واقعہ ہے جس پر عقل کو حیرانی اور دل کو فخر ہے۔ اس ایک مرد خود آگاہ کے اخلاص و سعی نے جو محیر العقول کارنامہ انجام دیا اس کی شہادت مولوی عبدالاحد صاحب ان الفاظ میں دیتے ہیں "حضرت سید صاحب رح کے ہاتھ پر

[۱] سیرت سید احمد شہید جلد اول صفحہ ۳۲۴

چالیس ہزار سے زیادہ ہندو وغیرہ کفار مسلمان ہوئے اور تیس لاکھ مسلمانوں نے آپکے ہاتھ پر بیعت کی اور جو سلسلہ بیعت آپکے خلفاء اور خلفاء کے خلفاء ذریعہ تمام روئے زمین پر جاری ہے، اس سلسلے میں تو کروڑوں آدمی آپ کی بیعت میں داخل ہیں[1]

آپ کی تحریک نہ صرف ہندوستان کے کونے کونے میں پہونچی بلکہ ہندوستان کے باہر بھی کئی اہم ملکوں میں اس کے اثرات قائم ہوئے۔ آپ نے ہندوستان میں خود کئی اہم دعوتی اسفار کئے۔ سندھ اور سرحد میں خود قیام فرمایا اور اپنی دعوت کو عام کیا اس کے علاوہ حیدرآباد دکن، بمبئی، مدراس میں مولانا سید محمد علی رامپوریؒ اور مولانا ولایت علی عظیم آبادیؒ، پورب میں مولانا ولایت علی صاحبؒ اور مولانا سخاوت علی صاحب جونپوریؒ اور بنگال میں مولانا کرامت علی صاحبؒ نے انتہائی کامیابی کے ساتھ یہ فرض ادا کیا۔ نیپال میں مولانا جعفر علی صاحبؒ، افغانستان میں آپ کے خلیفہ مولوی حبیب اللہ صاحبؒ اور پنجاب میں ان کے خلیفہ مولوی عبداللہ صاحب غزنویؒ نے دعوت کا کام سرانجام دیا۔ تبت میں آپ کے مقرر کئے ہوئے نو افراد جن میں چھ مرد تھے اور تین عورتیں، نے ہزاروں افراد کو دین کی راہ دکھائی پھر انہوں نے اس تحریک کو چین پہونچایا۔ حج کے سفر کے دوران ایک بڑی تعداد نے بیرون ہند بھی آپ سے استفادہ کیا۔ اس کے علاوہ جاوا۔ بلغار اور مراکش وغیرہ کے بہت سے افراد نے بھی آپ سے استفادہ کیا اور اسی طرح ان دور دراز ملکوں تک آپ کی آواز پہونچی۔

یہی نہیں، بلکہ سید صاحبؒ کی شہادت کے بعد ہندوستان میں جو اہم دینی تحریکیں اور ادارے سامنے آئے، ان سب نے کسی نہ کسی درجے میں اس منبعِ خیر

[1] بحوالہ سیرت احمد شہید جلد دوم صفحہ ۵۳۰

روشنی مستعار لی۔ نثار علی عرف تیتومیاں کی پوربی بنگال کی مشہور و برکت سے
تحریک، تحریکِ اہلِ حدیث، صادق پور کا مرکزِ جہاد، سہارنپور، دیوبند اور
ندوۃ العلماء کے دینی تعلیمی ادارے۔ یہ صرف چند نام ہیں جو اس تحریک کے
ٹھہرے، وسیع اور دیرپا اثرات کی نشاندہی کرتے ہیں۔ اور یہ سب برکت ایسے
مردِ مومن کی مخلصانہ دعوتی فکر کی تھی جس کے ہاتھ میں نہ حکومت تھی، نہ قدموں میں
دولت مگر جس کی کوشش و ہمّت سے بہت ہی قلیل عرصے میں اسلام ایک بار پھر اپنے
خاکستر سے اٹھا اور لوگوں کی زندگیوں میں اس آب و تاب کے ساتھ قائم ہوا کہ قرونِ
اولیٰ کی یاد تازہ ہو گئی۔ یہ سب باتیں بس اس کل کی ہیں جو ابھی گیا ہے۔ لیکن یہ اتنی
بلند ہیں کہ ان کا تذکرہ کرنے اور پڑھنے والوں کی آنکھیں بے اختیار بھیگ جاتی ہیں
اور دل استعجاب و محبت سے پوچھتا ہے۔

ایسی چنگاری بھی یارب اپنے خاکستر میں تھی

★ ★ ★

"خواہ کتنے بڑے مدرسے ہوں (ہم خود مدرسے کے آدمی ہیں) کیسی جامعات ہوں کیسی ہی علمی تحقیقات ہوں، کیسے کیسے دار النشر ہوں اور کیسے محقق اور مصنف ہوں اور باخدا بندے ہوں (اس کو بھی میں کہتا ہوں) لیکن اگر مسلمانوں نے یہ ہدایت و تبلیغ کا کام چھوڑ دیا کہ یہاں کے عام باشندوں اور اکثریت کے سامنے یہ بات نہیں آئی تو یہ زندگی جو ہم گذار رہے ہیں یہ زندگی حیوانی زندگی ہے، نفسانی زندگی ہے اور کہیں کہیں شیطانی زندگی ہے۔ آخر زندگی تو وہ ہے جو خدا کے فرمان کے مطابق گذاری جائے۔"
"مسلمانوں کے ہدایت اور نمونہ بننے کا کام اور كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ کا مذہب اگر اس امت نے بھلا دیا اور اس میں کمی رکھی اور اس کی طرف توجہ نہیں کی تو یاد رکھئے نہ یہ ملک بچے گا نہ یہ تہذیب بچے گی اور نہ پھر ہم بچیں گے۔"
مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابو الحسن علی ندوی دامت برکاتہم

ہندوستان میں دعوت کے کام کو آج اور کل پر نہیں ٹالا جاسکتا

★ ــــــ مولانا سید جلال الدین عمری، ادارہ تحقیق و تصنیف دودھپور علی گڑھ

یہ ملک جسمیں ہم رہتے ہیں اس میں اللہ تعالیٰ کے دین کو پہنچانے اور یہاں کے لوگوں کے سامنے اسے صحیح شکل میں پیش کرنے اور اس کی تعلیمات کو واضح کرنے کی کیا اہمیت ہے؟ آپ جانتے ہیں کہ ہمارا یہ ملک لمبا چوڑا اور وسیع عریض ملک ہے یہاں چین کے بعد دنیا کی سب سے بڑی آبادی رہتی بستی ہے ۱۹۹۱ء کی مردم شماری کے مطابق نوّے بانوے (۹۰،۹۲) کروڑ اس کی آبادی ہے اب ہو سکتا ہے یہ آبادی ایک ارب کے قریب پہنچ گئی ہو اگر دنیا کی موجودہ آبادی جیسا کہ اندازہ ہے پانچ ارب مان لی جائے تو اس کا ہر پانچواں فرد ہمارے ملک ہندوستان میں ہے یہاں کے بڑے بڑے شہروں کو اگر آپ دیکھیں تو ہر شہر ایک ملک کے برابر نظر آئے گا، پچھلی مردم شماری میں بمبئی کی آبادی ایک کڑور دس لاکھ، اور کلکتہ کی ایک کروڑ

تھی، دلی کی اسّی پچاسی لاکھ تھی اتنی آبادی کے آپ جانتے ہیں کتنے ہی ممالک پائے جاتے ہیں، یوں کہنا چاہیئے کہ ہمارا ایک ایک شہر ایک ایک ملک کے برابر ہوگیا ہے، اس میں مسلمانوں کی آبادی خود گورنمنٹ کے اعداد و شمار کے مطابق تقریباً گیارہ کروڑ ہے مسلمانوں کا احساس ہے کہ یہ مردم شماری اور اعداد و شمار بہت زیادہ صحیح نہیں ہیں اسے آپ کچھ بڑھا بھی سکتے ہیں، اگر آپ اُسے پندرہ کروڑ مان لیں تو اتنی بڑی مسلم آبادی والے ممالک دنیا کے نقشہ پر چند ایک ہی ہیں، فطری طور پر اتنی بڑی آبادی کے بے شمار مسائل اور ضرورتیں ہیں انہیں نظر انداز نہیں کیا جا سکتا. بلکہ لازماً انہیں پیشِ نظر رکھنا ہوگا دینی اور اخلاقی لحاظ سے یہ امّت بڑی کمزویوں میں مبتلا ہے اس کے عقائد بھی متاثر ہیں اور اخلاق بھی. اس کے معاملات کا رُخ بھی خالص اسلامی نہیں ہے، یوں کہنا چاہیئے کہ ہر پہلو سے وہ اسلامی معیار سے فروتر ہے اس لئے اس عظیم امّت کے بارے میں ہم فطری طور پر سوچتے رہتے ہیں اور سوچتے رہنا بھی چاہئے یہ ہماری دینی ذمہ داری ہے. اسے حدیث شریف میں امت کے ساتھ نصیحت اور خیر خواہی سے تعبیر کیا گیا ہے مسلم شریف کی یہ حدیث ہم سب کے ذہن میں یقیناً موجود ہوگی حضرت تمیم داری رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

الدّین النصیحۃ قالو لمن یا رسول اللہ قال للہ ولکتابہٖ ولرسولہ ولائمۃ المسلمین وعامتھم"

بڑا کام

یہ گویا ایک بڑا کام ہے. جو یہاں ہونا چاہیئے اور میرا خیال ہے ہم اس کے لئے فکر مند بھی ہیں اور کسی نہ کسی درجہ میں کام انجام پا بھی رہا ہے اسے اور بہتر طریقے سے انجام پانا چاہیئے لیکن اس ملک کی بہت بڑی اکثریت جسکی تعداد اسّی کروڑ کے قریب ہے غیر مسلموں پر مشتمل ہے وہ مسلمانوں کے ساتھ رہتے ہوئے بھی اسلام سے بڑی حد تک بیگانہ اور ناواقف ہے اسلام کے بارے میں اس کے اندر طرح طرح کی غلط فہمیاں پائی جاتی ہیں بلکہ اسے اسلام سے ایک طرح کی نفرت ہے اس کے بڑے گہرے اسباب ہیں ہمیں کھلے دل سے تسلیم کرنا چاہیئے کہ اُن کا تعلّق ہماری کوتاہی، بے عملی اور غلط رویّہ سے بھی ہے۔ اِس کے ساتھ آزادیِ وطن سے پہلے انگریزوں اور آزادی کے بعد فرقہ پرست تنظیموں کی مسلسل کوشش رہی ہے کہ یہاں کی غیر مسلم آبادی مسلمانوں سے دور رہے اور مسلمانوں اور غیر مسلموں کے درمیان جو اختلافات پائے جاتے ہیں وہ باقی رہیں اور نت نئے اختلافات پیدا کیئے جاتے رہیں۔ ہماری کوتاہی یا کمزوری رہی کہ ہم نے اس بات کی

کوشش نہیں کی کہ ان سے قریب ہوں ان کو سمجھیں اور ان کے شکوک شبہات کو دور کریں اس کام میں بعض رکاوٹیں بھی بیان کی جا سکتی ہیں لیکن ایک بڑی سہولت اور آسانی بھی ہمیں حاصل ہے وہ یہ ہے کہ ہم یہاں کی وسیع آبادی کے درمیان پھیلے ہوئے ہیں ہمارے یہاں تو تقریباً ہر گاؤں ہر بستی میں آپ دیکھیں گے کہ مسلمانوں کے ساتھ ساتھ غیر مسلم بھی موجود ہیں یو پی، بہار، اور بنگال وغیرہ میں خالص مسلم آبادی والے علاقے بھی آپ کو ملیں گے جن کے آس پاس کی آبادیاں غیر مسلموں کی ہوں گی لیکن اس کے باوجود عجیب و غریب بات یہ ہے کہ مسلمانوں اور غیر مسلموں کے درمیان ایک دیوار حائل ہے، تعلقات میں، میل جول میں، روابط میں ایک حجاب ہے کہ ساتھ رہتے ہوئے بھی ایک طرح کی اجنبیت اور دوری ہے ایک چھوٹی سی بات ہے کہ وہ نہیں جانتے کہ نماز کی ہمارے نزدیک کیا اہمیت ہے، اور اس کی پابندی کو ہم کیوں ضروری سمجھتے ہیں، اِس وقت میں ایک واقعہ سنانا چاہتا ہوں ایمرجنسی کے دور کا واقعہ ہے ہم کئی ایک اصحاب علی گڑھ جیل میں تھے ہمارے ساتھ مختلف پارٹیوں سے تعلق رکھنے والے غیر مسلم بھی تھے ان میں ایک صاحب مقامی کالج کے تاریخ کے لکچرر تھے اسلامی تاریخ کی بھی انہیں اچھی خاصی معلومات تھیں وہ بڑی حیرت سے ہم لوگوں کو دن میں پانچ مرتبہ نماز پڑھتے دیکھتے تھے ایک مرتبہ گفتگو کے دوران میں انہوں نے کہا کہ یہاں فرصت ہے آپ ہر وقت نماز پڑھتے رہتے ہیں کیا آپ لوگ اپنی

عام زندگی میں بھی اسی طرح نماز پڑھتے ہیں جب ہم لوگوں نے بتایا کہ ہم لوگ، ہر روز، ہر موسم میں، ہر طرح کے حالات میں، اسی طرح پابندی کرتے ہیں، اس میں دانستہ کوتاہی نہیں کرتے، تو ان کی حیرت میں اور اضافہ ہو گیا، انہوں نے کہا آپ پڑھے لکھے لوگ ہیں، کوئی یونیورسٹی سے متعلق ہے، کوئی لکھنے پڑھنے کا کام کرتا ہے، کوئی کاروباری ہے، آپ کی گھریلو ذمہ داریاں بھی ہیں، سب کے ساتھ آپ پانچ وقت کی نماز کے لئے کیسے وقت نکال لیتے ہیں اور دن کا اتنا وقت نماز میں صرف کرنے کے بعد اور ذمہ داریاں کس طرح ادا کرتے ہیں ان صاحب کے ذہن میں یہ بات تھی کہ جس طرح مندر یا گرجا گھر میں عبادت کے لئے مخصوص پجاری ہوتے ہیں اسی طرح مسجد میں مؤذن ہوتا ہے وہ وقت پر اذان دیتا ہے اور جسے کوئی کام نہیں ہوتا یا جسے فرصت مل جاتی ہے وہ مسجد چلا جاتا ہے، جس طرح اتوار کو چرچ میں بڑا مجمع ہوتا ہے اسی طرح جمعہ کو مسلمان بڑی تعداد میں جمع ہو جاتے ہیں،

دوری اور اجنبیت

جب لکچرر صاحب کی بات ختم ہوئی تو میں نے اپنے ساتھیوں سے کہا کہ یہ کتنے افسوس اور صدمے کی بات ہے کہ ایک ہزار برس کے طویل عرصے میں ہم اس ملک کی اکثریت کو یہ نہ بتا سکے کہ ہم پانچ وقت کی نماز کے پابند ہیں اور اس پابندی کے ساتھ اپنی ذمہ داریاں دوسرے سے بہتر طریقے سے ادا کرتے ہیں یہ کتنی بڑی دوری اور کتنا بڑا حجاب ہے؟

ایک موقع پر ایک جلسہ میں جس میں ہندو مسلم دونوں ہی موجود تھے میں نے غیر مسلم احباب سے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ میں یہاں تقریباً ایک ہزار برس سے رہ رہا ہوں لیکن مجھے نہیں معلوم کہ آپ ہولی کیوں مناتے ہیں؟ دیوالی کیوں مناتے ہیں؟ آپ کے اور تہوار بھی ہیں؟ لیکن میں نہیں جانتا کہ ان کے پیچھے کیا تصورات ہیں؟ اسی طرح آپ کو نہیں معلوم ہماری عید کیا ہے؟ بقر عید کیا ہے؟ خاص مواقع پر یہ خوشی کیوں منائی جاتی ہے؟ ان کے پیچھے کیا فلسفہ ہے؟ میں نے یہ کہا، یہ بات تو میں نے آپ کے سامنے ہمت کر کے کہہ دی، لیکن اگر میں کسی دوسرے ملک میں جاؤں یورپ جاؤں، امریکہ جاؤں یا کسی اور ملک میں جاؤں وہاں جا کے کہوں کہ سرزمینِ ہند میں ہم لوگ ایک ہزار برس سے ساتھ میں رہ رہے ہیں لیکن مجھے نہیں معلوم کہ میرے غیر مسلم بھائی اپنے تہوار کو کیوں مناتے ہیں؟ اور انہیں اس کا علم نہیں کہ میری عید کیا ہے؟ اور وہ کیوں منائی جاتی ہے؟ تو میرے اس بیان کو شاید وہ مذاق سمجھیں گے یا مجھے پاگل اور خبطی قرار دیں گے اس لئے کہ دنیا کا قاعدہ یہ ہے کہ کسی ملک میں باہر سے لوگ آتے ہیں، وہ وہاں کی تہذیب، تمدن اور معاشرت کا مطالعہ چند مہینوں میں یا دو ایک سال میں کر لیتے ہیں وہ یہ سمجھ ہی نہیں سکتے کہ ایک ہزار برس سے جہاں ایک قوم رہی ہو وہ وہاں کے تہواروں تک سے ناواقف ہوگی، یہ ایک آہنی دیوار ہے جو دونوں قوموں کے درمیان موجود ہے معلوم نہیں یہ دیوار کب تک رہے گی یہاں کے غیر مسلم ہمارے

دکھ درد اور خوشی اور مسرت سے واقف اور نہ ہم ان کے رنج وراحت سے آشنا، وہ ہمارے مسائل سے باخبر، اور نہ ہم ان کے مسائل سے آگاہ، یہ صورت حال، واقعہ یہ ہے کہ بہت حیرت انگیز بھی ہے، تعجب خیز بھی، اور صحیح بات یہ ہے کہ توجہ طلب بھی ہے،

ھدی للناس

تعلقات کی جو قربت ہونی چاہئے تھی اس کے ختم ہونے کی وجہ سے ہم جب بھی سوچتے ہیں اپنے بارے میں سوچتے ہیں یقیناً ہر شخص کو اس کا حق ہے کہ پہلے وہ اپنے گھر کو دیکھے۔ لیکن سوال یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس دین کو ساری دنیا کے لئے بھیجا ہے اور ہم فخر کے ساتھ کہتے ہیں اور صحیح کہتے ہیں، اس میں کوئی مبالغہ بھی نہیں ہے کہ قرآن ساری دنیا کے لئے ھدی للناس ہے اور اس کو لانے والی ذات محمد صلی اللہ علیہ وسلم، رحمۃ للعالمین یعنی ساری دنیا کے لئے رحمت ہیں، لیکن موجودہ دنیا کو یا یوں کہئے ہمارے ملک کو ابھی تک یہ معلوم نہیں ہے کہ آپ کی ذاتِ بابرکات نوعِ انسانی کے لئے ہر پہلو سے رحمت ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات میں انسانوں کے دکھ درد کا مداوا ہے، دنیا اور آخرت کی کامیابی اسی میں ہے، سوچنا چاہئے کہ جو دین ساری دنیا کے لئے تھا، ہم نے اسے اپنی حد تک محدود کر رکھا ہے اپنے دائرے سے باہر اسے پہنچانے کی کوشش نہیں کی،

اصلاح کی فکر

اس میں شک نہیں کہ ہم اپنی ذات سے غافل نہیں ہو سکتے، ہمیں اپنی اصلاح کی

فکر کرنی چاہئے اور اس کی خامیوں کو دور کرنا چاہئے، ہمیں اپنے گھر اور خاندان کی بھی فکر کرنی ہوگی مسلمانوں کی اصلاح سے بھی ہم غفلت نہیں برت سکتے اس کے ساتھ ہم پر دعوتِ دین کا فرض بھی عائد ہوتا ہے ہمیں ساری دنیا میں اللہ کا دین پہنچانا ہے ان میں سے ہر کام کی اہمیت ہے لیکن اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ ان میں کوئی خاص ترتیب ہے اور اسی ترتیب سے یہ انجام دیئے جائیں گے ایک مرحلہ طے ہو جاتے تو دوسرا مرحلہ شروع کیا جائے گا مثال کے طور پر قرآن کا حکم ہے "، قُوا أَنفُسَكُمْ وَأَهْلِيكُمْ نَارًا ______ (التحریم ۶)

اس میں کہا گیا ہے کہ اپنے آپ کو بھی اور اپنے بیوی بچوں کو بھی جہنم کی آگ سے بچاؤ اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ پہلے اپنی پوری طرح اصلاح کر لو اور ہر پہلو سے پوری طرح تیار ہو جاؤ تب بیوی بچوں کی طرف توجہ کرو، بلکہ یہ دونوں عمل ایک ساتھ انجام دینے ہونگے اگر آدمی یہ سوچے کہ پہلے میں پوری طرح مکمل ہو جاؤں تب اپنے بیوی بچوں کی فکر کروں تو شاید اس طرف توجہ ہو ہی نہیں پاتے گی، اسی طرح آپ دیکھتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک طرف یہ کہا گیا، وانذر عشیرتک الاقربین،، اپنے قریب ترین رشتہ داروں کو ڈراؤ اس کا مطلب یہ ہے کہ خاندان کی اہمیت ہے، اسے نظر انداز نہیں کیا جا سکتا اس کا ایک پہلو یہ بھی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خاندان کو سیادت کا مقام حاصل تھا اس وجہ سے بھی اس طرف

توجہ کی ضرورت تھی اس کے ساتھ یہ بھی کہا گیا لتنذر ام القریٰ ومن حولھا" یعنی یہ قرآن ہم نے آپ پر اس لئے نازل کیا ہے کہ آپ اس کے ذریعہ مکّہ اور اس کے آس پاس کی آبادی کو اللہ تعالیٰ کے عذاب سے ڈرائیں،

اس سے اس بات کا اشارہ ملتا ہے کہ یہ دعوت پھیلے گی یہ صرف ام القریٰ تک محدود نہیں رہے گی بلکہ یہ عام ہوگی اور اس کا دائرہ وسیع تر ہوگا اسے ساری دنیا تک پہنچنا ہے اور وہ پہنچے گی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی جو بعض امتیازی خصوصیات بیان کی ہیں حدیث میں ان کی تفصیل موجود ہے ان میں ایک بات آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمائی بعثتُ للناسِ عامۃ یعنی میری بعثت تمام انسانوں کے لئے ہوئی ہے، یہی بات سورۂ اعراف میں ان الفاظ میں کہی گئی ہے "

قل یاایھاالناس انی رسول اللّٰہ الیکم جمیعا الذی لہ ملك السمٰوات والارض لا الٰہ الاھو یحی ویمیت فامنوا باللّٰہ ورسولہ النبی الامی الذی یومن باللّٰہ وکلماتہ واتبعوہ لعلکم تھتدون (الاعراف ۱۵۸)	اے محمد! کہدو کہ انسانو! میں تم سب کی طرف اس خدا کا پیغمبر ہوں جو زمین آسمانوں کی بادشاہی کا مالک ہے اس کے سوا کوئی خدا نہیں ہے وہی زندگی بخشتا ہے اور وہی موت دیتا ہے پس ایمان لاؤ اللہ پر اور اس کے بھیجے ہوئے نبی امّی پر جو اللہ اور اس کے ارشادا

کو مانتا ہے اور پیروی اختیار کرو اس کی امید ہے کہ تم راہِ راست پالوگے"

آپ دیکھتے ہیں کہ مکّہ میں اپنی ذات کی طرف بھی توجہ ہے، خاندان کی طرف بھی توجہ ہے، ساتھیوں کی طرف بھی توجہ ہے اور اتنی زیادہ توجہ ہے کہ کبھی ذرا سی نظر ہٹی تو قرآن نے فوراً متوجہ کیا میں اسی روشنی میں سورۂ کہف کی ان آیات کو دیکھتا ہوں فرمایا:۔

واتل ما اوحی الیك	اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم! تمہارے
من کتاب ربك لامبدل	رب کی کتاب میں سے جو کچھ تم پر
لکلماته ولن تجد	وحی کیا گیا ہے اسے (جوں کا توں)
من دونه ملتحداه	سنا دو کوئی اس کے فرمودات
واصبر نفسك مع	کو بدل دینے کا مجاز نہیں ہے اور
الذین یدعون ربهم	اگر تم کسی کی خاطر اس میں ردوبدل کرو
بالغداوة والعشیّ یریدون	گے) اس سے بچ کر بھاگنے کے لئے
وجهه ولا تعدُ	کوئی جائے پناہ نہ پاؤ گے اور اپنے دل
عیناك عنهم ترید	کو ان لوگوں کی معیت پر مطمئن کرو جو
زینة الحیاةِ الدنیا	اپنے رب کی رضا کے طلبگار بنکر صبح
ولا تطع من اغفلنا	وشام پکارتے ہیں اور ان سے ہرگز نگاہ
قلبه عن ذکرنا	نہ پھیر کیا تم دنیا کی زینت پسند کرتے ہو؟ کسی
واتبع هواه وکان	ایسے شخص کی اطاعت نہ کرو جس کے

امرہ فرطا" — دل کو ہم نے اپنی یاد سے غافل کر دیا اور جس نے اپنی خواہشِ نفس کی پیروی اختیار کرلی ہے اور جس کا طریق کار افراط و تفریط پر مبنی ہے۔

(الکہف ۲۸، ۲۷)

یہ اس خاص توجہ کی طرف اشارہ کیا ہے جو صحابۂ کرام کی طرف ہونی چاہئے جو اخلاص میں ڈوبے ہوتے تھے جن کے دلوں میں سوائے خدا کی رضا کے لئے اور کوئی طلب نہیں تھی اور جو صرف اس کی رضا کے لئے جان دے رہے تھے ان کی طرف سے کیسے نظر پھیری جا سکتی ہے؟ ان کے مقابلہ میں وقت کے سرمایہ داروں کی، بادشاہوں کی، اور صاحب اقتدار لوگوں کی حیثیت کیا ہے کہ آدمی انہیں نظر انداز کر کے ان کی طرف توجہ کرنے لگے؟ ایک طرف تو یہ ہدایت تھی دوسری طرف تلاوتِ کتاب کا حکم دیا گیا تلاوتِ کتاب نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر فرض تھی ایک دوسرے مقام پر ارشاد ہے وان اتلوالقرآن (مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں قرآن پڑھ کر سناؤں) قرآن کا پیش کرنا فرض تھا یہی کارِ دعوت ہے گویا کارِ دعوت اور امت سے گہرے ربط و تعلق اور اس کی اصلاح دونوں کی طرف توجہ دلائی گئی ہے، یہ جو متعین کام قرآن نے بیان کئے ہیں ان میں کسی نہ کسی درجہ میں اصلاح امت کی طرف تو ہماری توجہ اب بھی ہے اور پہلے بھی رہی ہے بلکہ بعض اوقات ہماری قوتوں کا بڑا حصہ اس نے اپنی طرف کھینچ لیا ہے لیکن دعوت کی طرف سے جس طرح ہم نے غفلت

برتی ہے اس کی کوئی توجیہ نہیں کی جا سکتی، غیر مسلموں میں دعوت کی کچھ منتشر مثالیں ہم پیش کر سکتے ہیں کچھ مؤثر واقعات بھی بیان کر سکتے ہیں لیکن جس یکسوئی کے ساتھ ہمیں اسکی طرف متوجہ ہونا چاہئے تھا،

واقعہ یہ ہے کہ صدیوں سے وہ یکسوئی ہمیں حاصل نہیں ہے یہ بات بار بار ہمارے سامنے آتی ہے کہ ہم جو اصلاحِ امت کا فرض انجام دیتے ہیں اس کا ایک پہلو یہ ہے کہ اسے "دعوت الی اللہ" اور "شہادت علی الناس" کے لئے تیار کیا جائے ہم لوگ عام طور پر اپنی تقریروں میں سورۃ آلِ عمران کی اس آیت کا حوالہ دیتے ہیں بلکہ اس کے بغیر ہماری تقریریں شاید مکمل نہیں ہوتیں وہ آیت ہے کُنتُم خیرَ امتٍ اخرِجَت للناسِ"

امتِ خیر کا مطلب

یہ آیت واضح کر رہی ہے کہ یہ امت خیر امت ہے جو تمام انسانوں کی فلاح اور ان کے فائدہ کے لئے وجود میں لائی گئی ہے، ہم سب کی ذمہ داری ہے کہ اس امت کو اس طرح تیار کریں کہ وہ خیرِ امت بن جائے خیر امت یہاں اس معنی میں کہا جا رہا ہے کہ وہ لِلنَّاسِ ہے یعنی اسکی افادیت تمام انسانوں کے لئے ہے وہ سب کے لئے باعث خیر و برکت ہے ہمارے مفسرین نے وضاحت کے ساتھ لکھا ہے اور ان کی وضاحتیں میں نے اپنی کتاب "معروف ومنکر" میں بھی جمع کر دی ہیں کہ اس میں "للناس" کا مطلب یہ ہے کہ اس سے دنیا کو فائدہ پہنچے گا غرض یہ کہ ہم نے امت کی طرف توجہ کی بہت زیادہ کی اس کے اتنے پہلو ہیں کہ اس کے بیان کیلئے

ایک مستقل دفتر چاہئے لیکن یہ کام کہ اس امت کو "دعوتُ الی النّاسْ" کے لئے تیار کیا جائے اسے ہمارے مبلغین تیار کریں، ہمارے اِدارے تیار کریں اور اسی طرح تیار کریں کہ وہ ساری دنیا کے لئے خیر بن جائے اور اللہ کا دین لوگوں کے سامنے پیش کر سکے تو یہ کام نہیں ہو پایا ہے جبکہ یہ ہمارے اوپر فرض تھا بعض مفسرین نے یہ کہا ہے کہ کنتم خیر امت اخرجتْ للناس کے بعد تامُرُونَ بالمعروفِ وتنھون عن المنکر کہا گیا ہے حالانکہ ایمان سب سے مقدم ہے اس کی وجہ اس ذمہ داری کو نمایاں کرنا ہے قرآن مجید کے مضامین میں تقدیم و تاخیر کی بھی حکمتیں ہوتی ہیں یہاں امرِ بالمعروف و نہی عن المنکر کی ذمہ داری کو نمایاں کرنے اور اس کی اہمیت کو واضح کرنے کے لئے اسے پہلے کیا گیا ہے اور اس سلسلہ کی ایک بات یہ بھی ہے "تأمُرونَ بالمعُروف" میں علماء کرام نے لکھا ہے کہ یہ دعوتِ توحید بھی ہے یہ بہت اہم بات ہے ہم تو یہ سمجھتے ہیں کہ کچھ اچھی باتیں بتانا اور بعض چھوٹے چھوٹے مسائل کی طرف متوجہ کرنا امر بالمعروف ہے، بلاشبہ یہ بھی اس میں شامل ہے لیکن علماء نے صراحت کی ہے کہ امر بالمعروف کے اندر دعوتِ توحید اور نہی عن المنکر کے اندر تردیدِ شرک شامل ہے، ظاہر ہے یہ کام غیر مسلموں کے درمیان ہوگا اور اس میں پوری امت کو اور اس کے مختلف طبقات کو اپنی اپنی حیثیت میں شرکت کرنی ہوگی جن لوگوں کو اس کا احساس ہے ان کی ذمہ داری دوسروں کے مقابلہ میں بڑھ جاتی ہے کہ امت اس سے غافل ہے تو اسے متوجہ کریں اور اس کے لئے تیار کریں اور اسے اس قابل بنائیں

کہ یہ کار عظیم وہ یہاں انجام دے سکے اسکے بغیر یہ امّت اپنی ذمہ داری سے سبکدوش نہیں ہوسکتی،

گردوپیش کا جائزہ

اگر اس وقت ہم اپنے ماحول اور گرد وپیش کا جائزہ لیں تو دیکھیں گے کہ ہمارے اس ملک ہی کی نہیں پوری دنیا کی جو صورت حال ہے وہ کچھ اسی طرح کی ہے جو مختلف ادوار میں انبیاء کرام کی بعثت کے وقت ہوتی تھی یوں کہیئے کہ قدیم جاہلیت نے جدید رنگ و روپ اختیار کرلیا ہے، جاہلیتِ قدیمہ نے جاہلیتِ جدیدہ کی شکل اختیار کرلی ہے جن خرابیوں کا تصور آپ دورِ جاہلیت میں کرسکتے ہیں وہ سب خرابیاں موجودہ دور میں موجود ہیں لیکن اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جاسکتا ہے کہ موجودہ دور میں بعض ایسی خوبیاں بھی ہیں جو پہلے شاید اتنی عام نہ تھیں اسکی تفصیل کا یہ موقع نہیں لیکن اتنا ضرور عرض کرونگا کہ موجودہ دور نے بنیادی طور پر بعض ایسی اقدار کو تسلیم کرلیا ہے جو ہمارے لئے معاون اور مددگار ہوسکتے ہیں آج حریتِ فکر ہے عقیدہ اور عمل کی آزادی ہے اس آزادی پر حملہ ہو تو اسے صحیح نہیں سمجھا جاتا' یہ بڑی بات ہے اس سے ہمیں فائدہ اٹھانا چاہیئے انبیاء علیہم السلام جس دور میں آئے تھے قرآن کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ شرک کا دور تھا اور شرک کبھی کبھی الحاد کی شکل اختیار کرلیتا تھا ہمارے ملک کا حال بھی کچھ اس[illegible] سے زیادہ مختلف نہیں [illegible]ہے یہاں کے عوام شرک میں مبتلا ہیں اور خوا[illegible]ں جنکے ہاتھ میں باگ [illegible]ڈور ہے

الحادی فلسفوں میں گرفتار ہیں اور اسی الحادی فکر کی بنیاد پر یہاں کا پورا نظام حکومت چل رہا ہے، یہ ملک شرک کی طرف بڑھ رہا ہے، الحاد کی طرف کی بڑھ رہا ہے اور پھر اخلاقی قدریں جو قرآن کی تعلیمات کا ایک لازمی حصہ ہیں جو مکہ سے شروع ہوتیں اور مدینہ کے آخری دور تک جسکی تعلیم جاری رہی اور ان اخلاقی قدروں میں سے بہت سی وہ ہیں جنہیں قرآن نے قانون کی حیثیت دے دی ہے یہ اخلاقی قدریں پامال ہورہی ہیں سوال یہ ہے کہ اس صورت حال میں ہمارا کیا رویہ ہو؟ ہم کیا کریں؟ کیا خاموش بیٹھ جائیں کہ ملک جدھر جارہا ہے اسے جانے دیں؟ جب کہ ہمیں یقین ہے کہ اس سے اس کی دنیا ہی تباہ نہیں ہوگی آخرت بھی تباہ ہوگی تو اب بتائیے ایسے میں آپ کا اور ہمارا کیا فرض ہے کہ ایک ارب انسان کے اس ملک کو دنیا کی پانچویں آبادی والے ملک کو تباہ ہونے دیں جب کہ نبیِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ میری مثال تو ایسی ہے جیسے کسی نے آگ جلائی تو کیڑے اور پتنگے اس میں گرنے لگے میں ان سب کو بچانے کی کوشش کررہا ہوں، یہ اشارہ ہے جہنم کی آگ کی طرف، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں ایک ایک کی کمر پکڑ کے اس سے بچانے کی کوشش کررہا ہوں لیکن لوگ ہیں کہ اس میں ٹوٹے پڑرہے ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تو یہ ذمہ داری ادا کردی، آپ نے اپنے ہر مخاطب کو جہنم کی آگ سے بچانے کی جو ممکن کوشش ہوسکتی تھی وہ کی، آپ کے بعد یہ ذمہ داری اس امت پر عائد ہوتی ہے اس سے غفلت کے بعد کیا ہم اللہ کی پکڑ سے بچ جائیں

گے ؟ ایک دو انسان نہیں دنیا کی پانچویں آبادی اس طرح بھٹک رہی ہے کہ اس کی فکر کسی کو دامن گیر نہیں ہے پورا ملک غلط رخ پر اپنا سفر جاری رکھے ہوئے ہے اور ہم اطمینان سے سوئے ہوتے ہیں کوئی اندھا کوئیں کی طرف بڑھ رہا ہو اور اس کی ہلاکت یقینی ہو تو اسے موقع پر جو ہاتھ اسے بچانے کے لئے آگے نہ بڑھے تو کس کام کا وہ ہاتھ ؟ جو شخص ہلاکت کے اس منظر کو خاموشی سے دیکھے اس کی سنگ دِلی پر خدا کا غضب بھڑک سکتا ہے اور اسکی سخت گرفت ہو سکتی ہے، سوچیئے یہاں ایک فرد کا نہیں ایک ملک کا سوال ہے،

قدیم زمانے کا انسان گو منطق اور فلسفہ اور مختلف نظریات سے واقف نہیں تھا لیکن بالکل نادان بھی نہ تھا دنیا کے معاملات میں وہ بہت ہوشیار تھا،،

سورۃ عنکبوت میں دعوت کی مخاطب مختلف قوموں کا ذکر کرتے ہوئے ارشاد ہوا،

وعاداو ثمودو قد تبین لکم من مساکنهم وزین لهم الشیطان اعمالهم فصدهم عن السبیل وکانو مستبصرین (العنکبوت ۳۸)	اور عاد و ثمود کو ہم نے ہلاک کیا تم وہ مقامات دیکھ چکے ہو جہاں وہ بستے تھے ان کے اعمال کو شیطان نے ان کیلئے خوشنما بنا دیا اور انہیں راہ راست سے برگشتہ کر دیا حالانکہ وہ ہوش و گوش رکھتے تھے"

ایک دوسری جگہ فرمایا،

فاستحبوا العمی علی الھدی ،، (حم السجدہ / ۱۷)

مگر انہوں نے راستہ دیکھنے کے بجائے اندھا رہنا ہی پسند کیا،

دنیا کے معاملات میں وہ باخبر تھے وہ پیغمبروں سے بحث کرتے تھے ان کی بھی اپنی ایک منطق تھی، حضرت شعیب علیہ السلام سے ان کی قوم کہتی تھی ،، اَصَلٰوتُکَ تَاْمُرُکَ اَنْ نَتْرُکَ مَا یَعْبُدُ آبَاؤُنَا اَوْ اَنْ نَفْعَلَ فِی اَمْوَالِنَا مَا نَشٰٓؤُا ،، کیا تیری نماز تجھے یہ سکھاتی ہے کہ ہم ان سارے معبودوں کو چھوڑ دیں، جن کی پرستش ہمارے باپ دادا کرتے تھے یا یہ کہ ہم اپنے مال میں اپنے منشاء کے مطابق تصرف کرنے کا اختیار نہ ہو؟

یہ ایک منطق تھی آج یہ منطق ترقی کر گئی ہے اور زیادہ مستحکم دلائل کے ساتھ ہمارے سامنے ہے اس میں شک نہیں کہ موجودہ دور میں اظہارِ خیال کی آزادی کو انسان کا ایک بنیادی حق تسلیم کیا جاتا ہے آج کا انسان بات سننے کے لئے بھی تیار ہے اور آپ کو کچھ کہنے کا حق دینے کے لئے بھی تیار ہے اور یہ موجودہ دور کی خوبی ہے یہ ایک طرح کا اڈوانٹج ہے جو آپ کو حاصل ہے لیکن اس کے معنیٰ یہ نہیں ہیں کہ آپ نے جیسے ہی آواز دی دنیا آپ کی طرف چلی آئے گی ایسا نہیں ہے بلکہ اس کے لئے آپ کو بڑی سخت محنت کرنی پڑے گی موجودہ فکر و فلسفہ جن پہلوؤں سے مسلح ہے ان پہلوؤں سے اسے غیر مسلح کرنا ہوگا اور جو دلائل وہ رکھتا ہے ان دلائل کو بے وزن ثابت کرنا ہوگا جس طرح قرآن نے اپنے

دور میں دلائل کے لحاظ سے مخالفین کو بے بس کر دیا تھا اور حجت تمام کر دی تھی اس طرح آپ کو ان کے دلائل کی خامی واضح کرنی ہو گی تاکہ حق اور باطل بالکل واضح ہو جائے اور انکارِ حق کی کوئی مضبوط بنیاد باقی نہ رہے قرآن نے بار بار چیلنج کیا، قل ھاتوا برھانکم ان کنتم صادقین یعنی اگر تم سمجھتے ہو کہ اس کائنات میں خدائے واحد کے سوا کچھ اور خدا بھی ہیں جو یہاں تصرف کر رہے ہیں تو اس کے حق میں کوئی دلیل پیش کرو"

ہماری پوزیشن

کیا آج آپ دورِ جدید کے کسی فلسفہ کو اس طرح چیلنج کرنے کی پوزیشن میں ہیں، کیا باطل کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر آپ کہہ سکتے ہیں!

قُل ھَاتوا بُرھَانَکُم اِن کُنتُم صَادِقِین" جب آپ اس طرح چیلنج کرنے کے موقف میں ہوں گے تب دنیا آپ کی طرف متوجہ ہو گی اور آپ کی بات سُنے گی، اس کے ساتھ ایک اور پہلو سے بھی اسلام کی دعوت کا کام بڑی توجہ اور محنت چاہتا ہے وہ یہ کہ قرآن مجید ۲۳ برس کی مدت میں ایک ترتیب کے ساتھ نازل ہوا مکہ میں دین کے بنیادی عقائد اور اخلاقیات پر زور دیا گیا حکم تھا کہ مخالفت پر صبر کیا جائے اور عفو در گزر کی روش اختیار کی جائے اور کارِ دعوت جاری رکھا جائے پھر مدینہ میں جب اسلامی ریاست کا قیام عمل میں آگیا تو معاشی اور معاشرتی اور سیاسی احکام دیئے گئے حدود و تعزیرات کا نظام قائم ہوا صلح و جنگ سے متعلق ہدایات دی گئیں اور

نے جو کچھ لکھا ہے سب زیرِ بحث آجاتا ہے اس صورت حال میں دو باتیں ضروری ہیں ایک یہ کہ قرآن و حدیث کی تعلیمات بے کم و کاست اور ٹھیک ٹھیک پیش کی جائیں اور موجودہ دور میں ان کی معنویت ثابت کی جائے،

دوسری بات یہ ہے کہ قرآن و حدیث کی مختلف تعبیرات و تشریحات میں جو بات صحیح ہے اسے صحیح اور جو غلط ہے اسے غلط کہا جائے اسی وقت یہ کام انجام پاسکے گا، انبیاء علیہم السلام کی تعلیمات میں یہ چیز بہت نمایاں نظر آتی ہے کہ ہر نبیؑ نے اپنے دور میں جہد و عمل کا جو فساد تھا اور جو اخلاقی سماجی اور معاشرتی خرابیاں تھیں ان میں سے ایک ایک سے تعرض کیا اور حقیقت واضح کی کہ زندگی کے بعض بنیادی سوالات ہیں ان کے بارے میں آدمی کسی صحیح نتیجہ پر پہنچ جائے تو اسکے سارے مسائل حل ہو سکتے ہیں انھوں نے خدا رسول اور آخرت کے سوال کو اصل سوال کی حیثیت سے پیش کیا جسکے ماننے یا نہ ماننے سے زندگی کا ایک رخ متعین ہو جاتا ہے۔

شہادتِ حق کا تقاضا

یہی حکمتِ عملی اب بھی اختیار کی جانی چاہیئے اب دنیا اپنے مسائلِ حیات کو اس زاویۂ نظر سے نہیں دیکھتی جس زاویہ سے اسلام دیکھتا ہے اور اس کے فکر و نظر کا اندازہ ہے جو اس نے اختیار کیا ہے آج کی تعلیم گاہیں، لائبریریاں ریسرچ اور تحقیق کے ادارے جہاں ذہن بنتے ہیں اور جو فکری رخ متعین کرتے ہیں وہ انسان کو اسلام سے دور کر رہے ہیں اور اسلام کے معتقدات سے اسے منحرف کرنے میں لگے ہوئے ہیں آپ جس فن کی

چاہیں تعلیم حاصل کریں خدا کا نام کہیں نہیں آئے گا کہیں وحی و رسالت کی ضرورت نہیں محسوس ہو گی کہیں یہ سوال نہیں ابھرے گا کہ اس زندگی کا آخرت میں جواب دینا ہو گا اسی طرح انسان خدا، رسول، دین، اور اس کی تعلیمات سے دور ہوا ہے "

آپ کو یہ ثابت کرنا ہو گا کہ دین اور اس کے معتقدات کو نظر انداز کر کے دنیا صحیح معنی میں ترقی نہیں کر سکتی خدا اور اس کی طرف سے آئی ہوئی ہدایت کو تسلیم کیے بغیر جو قدم بھی اٹھے گا وہ غلط سمت میں اُٹھے گا اور اس کے نتائج تباہ کُن ہوں گے

میرے دوستو اور بزرگو! انبیاء علیہم السلام نے اپنی اپنی قوم میں تنہا اپنی آواز اٹھائی جس قوم میں پیدا ہوئے تنہا کھڑے ہوئے بسا اوقات گھر اور خاندان بھی مخالف ہوتا شدید مخالف ماحول میں انھوں نے اپنی ذمہ داری ادا کی لیکن سوچیے کہ اس ملک میں ہم دو چار یا دس بیس افراد نہیں بلکہ کڑوروں کی تعداد میں ایک امت کی شکل میں موجود ہیں کتنا بڑا سانحہ ہے کہ امت کی امت اپنی ذمہ داری سے غافل ہو جائے

اس بات پر تو ہم خوشی محسوس کرتے ہیں بلکہ بعض اوقات فخر کا اظہار کرتے ہیں کہ ہم یہاں پندرہ کڑور کی تعداد میں موجود ہیں لیکن یہ نہیں سوچتے کہ پندرہ کروڑ کی یہ امت جس مقصد کے لئے وجود میں آئی ہے وہ پورا ہو رہا ہے یا نہیں ؟ شہادتِ حق کی ذمہ داری اللہ تعالیٰ نے امت پر ڈالی ہے اس کا تقاضا ہے کہ وہ اسے وہی اہمیت دے جو اسے دی گئی ہے اس

پر سنجیدگی سے سوچئے اسے اپنے غور و فکر کا موضوع بنائیے اور اس کے
لئے ممکنہ تدابیر اختیار کرے اس کام کو آج اور کل پر ٹالا نہیں
جاسکتا اگر اب تک ہم نے اسے ٹالا اور نظر انداز کیا
تو یہ ہماری غلطی تھی غلطی کے بعد اصلاح کی فکر
ہونی چاہئے کوتاہی ہوئی ہے اور یقیناً ہوئی ہے
تو اس کی تلافی کی کوشش ہونی چاہئے

"غیروں کو اسلام سے متعارف کرانے کی ضرورت"

پھر ہر آدمی آج کے ان حالات میں غور کرے کہ اس ۸۵ فیصد دین کو چھوڑ کر ہم لوگ بہت قلیل اور محدود حصہ کو اپنائے ہوئے ہیں، بلکہ اگر جہاد کو بھی دعوت کے ساتھ جوڑ لیا جائے، یعنی دعوت کے درد میں ڈوب کر جب کچھ سرکشوں سے آخری درجہ کی مایوسی ہوگئی اور وہ اسلام کی دعوت کی راہ میں رکاوٹ بن گئے تو ان کو راہ سے ہٹانے کے لئے جہاد کی شروعات ہوئی، یعنی جہاد بھی اسی دعوت کا ایک جز تھا اور اسے بھی اس دعوت کا ایک جز مان لیا جائے تو پھر آپ اور صحابہؓ کی اکثر زندگی کا اصل مقصد ہی دعوت الی الاسلام دکھائی دیتا ہے۔ اس ۸۵ فیصد اور اس سے بھی زیادہ دین کو ترک کر کے ہم لوگ دین کے بہت قلیل اور سنت کے بہت محدود حصہ میں سے بھی کوئی ایک کام کوئی دو کام، یعنی کوئی نماز کو کوئی روزے کو کوئی کسی دوسرے عمل کو صرف اپنی زندگی کا مقصد بنا کر متبع سنت اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا پیرو اپنے آپ کو کہلاتے ہیں کتنے غیر مسلم بھائیوں کو اپنی آنکھوں کے سامنے مرتے ہوئے دیکھتے ہیں، کبھی مکھی کے برابر بھی ہماری آنکھوں میں نمی نہیں آتی، کبھی کسی غیر مسلم پڑوسی کو اسلام کا تعارف بھی کرانے کی ہم نے کوشش نہیں کی، اور اس مرض میں عوام الناس ہی نہیں بلکہ خواص اور اخص الخواص سب کے سب مبتلا ہیں اور پھر شکوہ ہے فتوحات کے نہ ہونے کا، اللہ کی رحمت کے متوجہ نہ ہونے کا، دنیا میں بے وقعت اور مغلوب ہونے کا۔

(ارمغانِ دعوت)

دعوت و تبلیغ

اُمّتِ مُسلمہ کا شرعی فریضہ

مُفتی محمّد مُصطفےٰ مفتاحی
صدر شعبۂ تخصص فی الدعوۃ واللغۃ دار العلوم حیدر آباد

یہ معلوم کرکے قلبی مسرت ہے کہ آپ دعوت کے موضوع پر ماہنامہ "ارمغان" کا دوسرا خصوصی شمارہ شائع فرما رہے ہیں صمیمِ قلب سے دعا ہے کہ ربِّ کارساز سابق خصوصی شمارہ سے بھی زیادہ اسے مقبولِ خاص و عام فرمائے۔ اس کے نفع کو تام اور ہمہ گیر بنائے اور کارِ نبوت کے دعوتی پہلو کی تفہیم و ترغیب میں اسے نمایاں مقام عطا فرمائے۔

غیر مسلموں میں "دعوت و تبلیغ"، وقت کا اہم تقاضا تو ہے ہی امت مسلمہ کا شرعی فریضہ بھی ہے اور اساسی نصب العین بھی۔ یہی وجہ ہے کہ اس فریضہ کی ادائیگی اسلام کے کسی دور میں بالکل بند نہیں ہوئی۔ لیکن یہ بھی واقعہ ہے کہ پچھلی کئی صدیوں سے اس وسعت و محنت کے ساتھ انجام نہیں دیا جا رہا ہے جس کا یہ فریضہ متقاضی ہے

قرنِ اول اور قرنِ دوم میں ۔ پھر بعد کے اولیاء کرام وصوفیائے عظام کے دور میں جس لگن اور انہماک کے ساتھ انجام دیا گیا ۔ اگر اس میں تسلسل باقی رہتا تو مزید فائدہ ہوتا ۔ اور خدائے واحد کی عالی ذات وصفات پر صحیح ایمان ویقین کی دولت سے محروم بندوں کی آج اتنی کثرت نہیں ہوتی ۔ جتنی دیکھنے میں آرہی ہے احوال وظروف اور مصالح وموانع جو بھی رہے ہوں ۔ بہرحال یہ تسلیم کرنا چاہیئے کہ اس فریضۂ محکمہ کی انجام دہی میں سستی اور غفلت بھی شامل رہی ہے ۔

اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ اب عالمِ اسلام میں بیداری آئی ہے ۔ تھوڑا سہی ۔ لیکن احساس ہوا ہے اور ہو رہا ہے ۔ ہمارے محبوب ملک کے بھی مختلف خطوں میں متعدد تنظیمیں اور افراد پر تول رہے ہیں ۔ اور یہ فکر نصیب ہو رہی ہے کہ قیامت میں اگر محاسنِ اسلام سے محروم افراد اپنی حرماں نصیبی کا سب مسلمانوں کو ذمہ دار گردانتے ہوئے اللہ تعالیٰ کی بے لاگ عدالت میں امت مسلمہ پر مقدمہ دائر کر دیں گے تو حشر کے میدان میں یہ کتنا عظیم حشر ہوگا ۔

ایسے بہت سے احباب ہیں جنہیں دعوتی کام کی اہمیت ضرورت افادیت کا احساس ہے لیکن وہ طریقۂ کار جاننا چاہتے ہیں ۔ ان احباب کو معلوم ہونا چاہیئے کہ امت مسلمہ کا ہر کام حضرت خاتم النبین صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایت وسنت کی روشنی میں طے پاتا ہے ۔ دعوت وتبلیغ کا طریقہ بھی سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کے

اسوۂ حسنہ میں وضاحت کے ساتھ موجود ہے۔ ضرورت ہے کہ سیرت نبوی کے تمام چھوٹے بڑے واقعات کو دعوتی نقطۂ نظر سے غور و تدبر کے ساتھ پڑھا جائے۔ قرآن کریم نے دعوتی امور کے لئے حکمت، موعظۂ حسنہ اور جدال احسن اختیار کرنے کا حکم دیا ہے یہ اصول ثلاثہ رہنما خطوط ہیں۔ ہماری سرگرمیاں ان خطوط پر جاری ہوں اور جاری رہیں تو اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے بہت کچھ کامیابی کی امید نہیں۔ یقین ہے

"ارمغان" کے پچھلے خصوصی شمارے نے بہت سے دلوں کے زنگ دور کئے۔ کتنوں کے اشکالات ختم کئے بادیہ پیمائی اور رہ نوردی کیلئے مہمیز کا کام کیا۔ خدا کرے یہ شمارہ بھی ہمارے جمود بلکہ انجماد کو پگھلانے کا اور حرکت و زندگی کا پیام لے کر آئے۔ نیز اللہ تعالیٰ کے بھولے بھٹکے ہوئے بندوں کو اللہ سے جوڑنے کا قیمتی جوش و جذبہ پیدا کرنے میں مؤثر ذریعہ ثابت ہو۔

میں یہ بھی دعا کرتا ہوں کہ رب رحیم آپ کی اور آپ کے تمام رفقاء کی مساعی کو مشکور فرمائے۔ نگاہ استحسان و قبول سے مشرف فرمائے۔ اور آپ تمام حضرات کے ساتھ نصرت، رحمت کا اور اجر و ثواب کا اپنی شان کے مطابق معاملہ فرمائے۔

ہمارا جزوی اسلام

محمد عمران خان سابق کرکٹ کپتان
ترجمہ: از انگریزی۔ سید غلام محی الدین

میری نسل کے لوگ اُس وقت پروان چڑھے تھے جس وقت مغربی استعمار اپنے عروج پر تھا۔ ہماری گذشتہ نسل تو غلام ہی رہ چکی تھی اور انگریزوں کے مقابلہ میں بری طرح احساسِ کمتری میں مبتلا تھی، جس اسکول میں مجھے تعلیم دی گئی وہ پاکستان کے اعلیٰ طبقات کے دوسرے اسکولوں کی طرح تھا، ہم لوگ آزاد ہونے کے بعد بھی پاکستانی بننے کے بجائے برطانوی پبلک اسکولوں کے تعلیم یافتہ طلبہ کا نقشِ ثانی پیدا کرنے میں لگے ہوئے تھے میں نے شیکسپیئر کی اعلیٰ تخلیقات کا مطالعہ تو کیا تھا لیکن اقبال سے نابلد تھا۔ دینیات کا کلاس تو غیر سنجیدہ سمجھا جاتا تھا، اسکول کی تعلیم ختم کرنے کے بعد میں اپنے آپ کو اعلیٰ طبقہ کا فرد سمجھنے لگا تھا کیونکہ میں مغربی لباس پہنتا تھا اور انگریزی میں گفتگو کر سکتا تھا۔

اسکول کی تقریبات میں کبھی کبھی دوسروں کے ساتھ میں بھی پاکستان زندہ باد کا نعرہ تو لگا لیتا تھا، لیکن حقیقت یہی تھی کہ میں اپنی تہذیب کو پسماندہ اور اسلام کو از کار رفتہ شئے تصور کرنے لگا تھا، ہمارے حلقۂ احباب میں اگر کوئی شخص مذہب کی بات کرتا، نماز پڑھتا یا داڑھی رکھ لیتا تو ہم اسے فوراً ملّا کا لقب عطا کر دیتے تھے، مغربی پریس اور رسل رسائل کے زیر اثر ہمارے ہیرو یا تو مغربی فلموں کے اداکار ہوتے یا پھر پوپ میوزک pop Music کے گویئے۔

جب میں اس پس منظر کے ساتھ آکسفورڈ تعلیم حاصل کرنے کے لئے گیا تو حالات میں کوئی تبدیلی واقع نہیں ہوئی۔ یونیورسٹی میں اسلام ہی نہیں بلکہ تمام مذاہب کو عہدِ گذشتہ کی ایک بیکار روایت سے تعبیر کیا جاتا تھا۔ ہم سمجھتے تھے کہ سائنس نے مذہب کی جگہ لے لی ہے اور اگر کوئی چیز منطقی دلائل سے ثابت نہیں کی جا سکتی تو پھر اس کا وجود بھی ممکن نہیں ہے خرق عادات اور فوق الفطرت جیسی چیزوں کی جگہ صرف فلموں میں رہ گئی تھی۔ اِرتقار کے متعلق ڈارون کے ناقص نظریات اور اسی قسم کے دوسرے سائنسدانوں نے تخلیقِ آدم کے ساتھ مذہب کو بھی ناقابلِ یقین بنا دیا تھا۔

اس کے علاوہ مغرب کا مذہبی تجربہ بھی بہت دہشت ناک تھا۔ عیسائی راہبوں نے خدا کے نام پر احتسابی عدالتوں Inquisitions کے ذریعہ جو مظالم ڈھائے تھے انھیں پوری طرح سمجھنے کے لئے اسپین میں قرطبہ کے اذیت خانوں اور اذیت دینے والے آلات کا دیکھنا ضروری ہے، سائنسدانوں

کو مرتد قرار دے کر ان پر جو مظالم کئے گئے تھے ان کی وجہ سے مغربی عوام نے یہ باور کر لیا ہے کہ سارے .... مذاہب قدامت پرست ہیں۔

لیکن مجھ جیسے لوگوں کو جو چیز سب سے زیادہ اسلام سے برگشتہ کرتی تھی وہ اس کی تبلیغ کرنے کا اسلام پر جزوی عمل تھا، دوسرے الفاظ میں ان کے قول اور عمل میں فرق اس کا سبب ہے، یہ لوگ اسلام کا فلسفہ یا اس کی حقانیت تبلانے کے بجائے مذہبی رسوم پر زیادہ زور دیتے ہیں میں سمجھتا ہوں کہ انسان جانوروں سے اس لیے مختلف ہے کیونکہ جانوروں کو مخصوص کام کرنے کی تربیت دی جا سکتی ہے، لیکن انسان کو اس سے بڑھ کر ذہنی یقین کی ضرورت ہوتی ہے اور یہی وجہ ہے کہ قرآنِ کریم ہمیشہ غور و فکر کرنے کی دعوت دیتا ہے، اس سے بھی بدتر بات یہ ہے کہ مختلف افراد اور جماعتیں اسلام کو اپنے سیاسی مقاصد کے حصول کے لئے استعمال کرتی رہتی ہیں۔

یہ معجزہ ہی تھا کہ میں خدا کے وجود کا منکر نہیں ہوا۔ اس کی سب سے بڑی وجہ بچپن سے ہی میری والدہ کا میرے اوپر غیر معمولی اثر تھا۔ کسی یقین یا وثوق کی بنا پر نہیں بلکہ ان کی محبت نے مجھے مسلمان بنائے رکھا۔ لیکن میرا اسلام بھی جزوی ہی تھا اور میں انھیں باتوں پر عمل پیرا تھا جو میرے لئے آسان تھیں نمازِ عیدین تک یا کبھی کبھی اس وقت جمعہ تک محدود تھی جب میرے والد نے مجھے نماز کیلئے لے جانے پر مُصر ہوتے۔ اگر خدا کا وجود تھا بھی تو میں اس کے متعلق یقین کے ساتھ کچھ نہیں کہہ سکتا تھا لیکن یہ طے تھا کہ میری زندگی میں

اس کا کوئی عمل دخل نہیں تھا ۔ بہر حال میری پرورش و پرداخت اس طرح ہوئی تھی کہ میں پکا صاحب بن جاؤں مجھے اس کے تمام وسائل حاصل تھے ۔ سازگار اور یونیورسٹی اور سب سے بڑھ کر انگریزوں کے اعلیٰ طبقات تک میری رسائی جس کے لئے دیسی صاحب لوگ اپنی جان تک قربان کرنے کے لئے تیار رہتے ہیں ۔ پھر کیا شئے تھی جس نے مجھے دیسی صاحب بہادر بننے کے بجائے صرف دیسی آدمی بنادیا ۔

بہر حال یہ تبدیلی چشم زدن میں واقع نہیں ہوئی ۔ وہ احساسِ کمتری جس میں میری نسل کے تمام لوگ مبتلا ہیں میری عالمی پیمانہ کے کھلاڑی بننے کے ساتھ زائل ہوتی گئی ۔ دوسری یہ بات تھی کہ مجھے دونوں تہذیبوں کا ذاتی تجربہ کرنے اور ان کی خوبیاں اور نقائص معلوم کرنے کا موقع ملا مغربی معاشرہ میں سماجی ادارے مضبوط ہیں بلکہ ہمارے یہاں یہ معدوم ہوتے جارہے ہیں لیکن دوسری چیز جس میں ہمیں اس وقت بھی ان پر فوقیت حاصل ہے وہ ہماری خاندانی زندگی ہے ۔ جب میں سسیکس SUSSEX. میں رہتا تھا میں ہوف کرکٹ کے میدان میں بوڑھوں کے اکیلے پن کو شدت سے محسوس کرتا تھا ذرا یہ تصور تو کیجئے کہ آپ اپنے ضعیف والدین کو ضعیفوں کی قیام گاہ میں بھیجدیں ۔ وہاں کے بچوں کو بھی اس محبت اور گرمجوشی سے سابقہ نہیں پڑتا جس کے ساتھ ہم پروان چڑھتے ہیں ۔ وہ اس سماجی تحفظ سے نابلد ہیں جو ہمارے مشترکہ خاندان ہمیں مہیّا کرتے ہیں ۔

بہر حال میں یہ محسوس کرنے لگا کہ مغربی معاشرہ کو سب سے بڑا

نقصان ارکانِ کلیسا سے آزادی حاصل کرنے کی وجہ سے ہوا ہے کیونکہ اس کوشش میں وہ مذہب اور خدا دونوں سے ہاتھ دھو بیٹھا۔ سائنس بہت سارے سوالوں کا جواب نہ مہیّا کر سکے گی۔ اولاً یہ کہ ہمارے وجود کا مقصد کیا ہے؟ اور دوئم یہ کہ مرنے کے بعد کیا ہوگا؟ میرے خیال میں یہی وہ خلا ہے جس نے مادیت اور لذت پرستانہ تہذیب کو جنم دیا ہے اگر ہماری موجودہ زندگی ہی سب کچھ ہے تو جب تک موقع ہے ہر شخص کو عیش کرنا چاہیئے اور اس کے لئے صرف پیسے کی ضرورت ہے۔

ایسی تہذیب کا لازمی خاصّہ یہ ہوگا کہ لوگوں کے ذہن میں نفسیاتی گتھّیاں پیدا ہوں گی۔ اس کی وجہ روح اور جسم کے درمیان عدمِ توازن ہے نتیجہ یہ ہے کہ امریکہ میں جو مادّی ترقی میں سب سے آگے ہے اور جہاں کے شہریوں کو سب سے زیادہ حقوق حاصل ہیں۔ تقریباً ساٹھ فیصد لوگ دماغی امراض کے معالجوں سے رجوع کرتے ہیں لیکن حیرت کی بات ہے کہ اس کے باوجود جدید نفسیات میں انسانی روح کے مطالعہ کا کوئی شعبہ نہیں ہے سویڈن اور سوئٹزرلینڈ میں شہریوں کے فلاح وبہبود پر سب سے زیادہ توجہ دی جاتی ہے لیکن وہاں شرحِ خودکشی بھی تمام ملکوں کے مقابلہ میں سب سے زیادہ ہے۔ اِس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ انسان صرف مادی فلاح کا طالب نہیں ہے اسے۔ اس سے زائد کسی اور شئے کی تلاش ہے۔

چونکہ اخلاقیات کی اساس مذہب ہے ....
...... اس لئے جب مذہب کو بے دخل کر دیا گیا تو بد کرداری کو فروغ حاصل

ہوگیا۔ اس صدی کی ساتویں دہائی سے تو بدکرداری اور فحاشی برابر ترقی پذیر ہے
اور اس کا سب سے پہلا نشانہ خاندانی زندگی ہے۔ برطانیہ میں طلاق کی شرح
ساٹھ فیصدی ہے اور اندازاً تقریباً ۳۵ فیصد بن بیاہی مائیں ہیں جرائم
کی شرح تمام مغربی ممالک میں بڑھتی جارہی ہے لیکن سب سے زیادہ
تشویشناک بات نسل پرستی میں اضافہ ہے۔ سائنس کے ذریعہ انسانی
نابرابری کا ثبوت فراہم کیا جارہا ہے۔ (ایک حالیہ جائزہ میں یہ بتلایا گیا
ہے کہ امریکہ کے سیاہ فام لوگ وہاں کے سفید فام لوگوں کے مقابلہ میں کم
ذہین ہوتے ہیں) جبکہ مذہب انسانی مساوات کی تعلیم دیتا ہے۔
اندازہ کیا گیا ہے کہ سنہ ۱۹۹۱ء کے درمیان دوسرے ممالک سے نقل مکانی
کرکے یورپ میں بسنے والوں کی تعداد ... ر ۲۰ ر ۳ (تین لاکھ بیس ہزار) تھی لیکن اسی
عرصہ میں سبھی یورپین ممالک میں نسلی فسادات ہوئے افغان جنگ کے دوران پاکستان میں ۴۰ لاکھ افغان
مجاہدین نے پناہ لے رکھی تھی۔ صوبہ سرحد جیسے غریب اور غیر ترقی یافتہ علاقہ
کے عوام کو اپنے معیار زندگی کے گرنے کی وجہ سے سخت دقتوں کا سامنا کرنا پڑا
لیکن وہاں کوئی نسلی کشاکش نہیں پیدا ہوئی۔ اس میں کوئی تعجب کی بات نہیں ہے
کہ ان حالات میں برطانیہ کے اسکولوں میں پچھلے سال سے دوبارہ مذہبی تعلیم کا اجرا کیا گیا۔
یہ تھے وہ حالات جن کی وجہ سے سنہ ۱۹۸۰ء کی دہائی میں مجھے خدا کی جانب
رجوع کرنے کا موقع ملا۔ قرآن کریم کہتا ہے کہ "غور و فکر کرنے والوں کے
لئے نشانیاں موجود ہیں" ان نشانیوں میں سے ایک چیز کرکٹ بھی تھی۔
میں جتنا زیادہ اس کھیل کا شعور رکھتا گیا اسی قدر یہ بات میری سمجھ میں آتی گئی کہ جس

چیز کو میں محض اتفاق سمجھ رہا تھا وہ حقیقتاً منشاءِ الٰہی تھی لیکن اسلام کو سمجھنے کا دروازہ مجھ پر سلمان رشدی کی شیطانی آیات کے بعد کھلا۔

مغربی ممالک میں رہنے والے میرے جیسے بہت سے دوسرے لوگوں کو اِس کتاب کے خلاف مسلمانوں کے ردِعمل کا خمیازہ بھگتنا پڑا۔ ہمارے سامنے صرف دو راستے تھے "جنگ یا فرار"۔ میں نے یہ محسوس کیا تھا کہ اسلام پر کئے جانے والے حملے ناواجب تھے لہٰذا میں نے اس کے خلاف لڑنے کا فیصلہ کرلیا۔ لیکن اسی کے ساتھ مجھے یہ احساس ہوا کہ اسلام کے متعلق میرا ناقص علم میری راہ میں مانع ہوگا۔ چنانچہ میں نے اسلام کا مطالعہ کرنا شروع کردیا جس سے مجھے بہت فائدہ ہوا۔ میں نے علی شریعتی، محمد اسد، اقبال اور گائی ایٹن جیسے لوگوں کی تصنیفات کے ساتھ قرآن کریم کا مطالعہ کیا۔

میں مختصر الفاظ میں اپنی اس "تلاش حق" کا نتیجہ بیان کرونگا۔ جب بھی قرآن کریم مسلمانوں سے مخاطب ہوتا ہے تو یہ کہتا ہے کہ "جو ایمان لائے اور جنھوں نے اعمال صالح کئے"۔ دوسرے الفاظ میں ہر مسلمان پر دوہری ذمہ داری ہے۔ ایک خدا کے تئیں اور دوسری انسان کی جانب۔

اللہ پر ایمان کامل کا پہلا اثر میرے اوپر یہ ہوا کہ تمام انسانوں کا خوف میرے دل سے نکل گیا۔ قرآن جب یہ تعلیم دیتا ہے کہ زندگی اور موت اور عزت اور ذلت صرف خدا کے ہاتھوں میں ہے تو وہ ہر انسان کو تمام دوسرے انسانوں کے سامنے جھکنے کی ضرورت باقی نہیں رکھتا۔

اقبالؔ نے خوب کہا ہے ؎

وہ ایک سجدہ جسے تو گراں سمجھتا ہے
ہزار سجدوں سے دیتا ہے آدمی کو نجات

علاوہ ازیں اس شعور کے ساتھ کہ اس دنیائے فانی میں ہمیں آخرت کی تیاری کرنی ہے میں اپنے وضع کردہ زندانوں جیسے خوف ضعیفی، جس کی ہیبت مغربی ملکوں میں اس قدر عام ہے کہ بلاسٹک سرجری کرنے والوں کی بن آئی ہے) مادیت پرستی ذاتی اَنا، دوسروں کی تنقید وغیرہ وغیرہ سے آزاد ہو گیا۔ یہاں کہنا ضروری ہے کہ ہمیں دینی خواہشات کو ختم نہیں کرنا ہے بلکہ انھیں بااختیار بنانے کے بجائے ان پر اختیار حاصل کرنا ہے۔

اسلام کے دوسرے جزپر عمل کرنے کی بنا پر میں ایک بہتر انسان بنتا گیا۔ جس نے یہ سمجھ لیا کہ محو با لذات ہونے اور اپنے لیے زندگی گذارنے کے بجائے اللہ تعالٰے نے مجھے جو کچھ عطا کیا ہے اس سے ان لوگوں کی مدد کرنا چاہیئے جنھیں یہ سب کچھ حاصل نہیں ہے۔ اسلام کی ان تعلیمات نے مجھے کلاشنکوف بردار جنگجو بننے کے بجائے متحمّل اور بردبار بنا دیا۔ جو غریبوں اور کمزوروں کے دُکھ درد کا احساس کر سکتا تھا۔ میں نے اپنی کامیابیوں کو اپنی سعی کا ثمرہ سمجھنے کے بجائے اللہ تعالیٰ کا منشا سمجھا اور اس سے میرے اندر غرور کے بجائے انکساری پیدا ہوئی۔ عوام الناس کے تئیں دیسی صاحبوں کا مغرورانہ رویّہ اپنانے کے بجائے میں ان کی فلاح اور بہبود کی بات سوچنے لگا اور یہ محسوس کرنے لگا کہ ہمارے معاشرہ میں غریبوں اور کمزوروں کے ساتھ قرآن کے الفاظ میں "ظلم تو قتل سے بدتر ہے" کا معاملہ کیا جاتا ہے۔ میں حقیقتاً اب اسلام کے صحیح مفہوم کو سمجھنے کے

قابل ہوا ہوں۔ قلبی سکون صرف اسی وقت حاصل ہوتا ہے۔ جب اللہ پر کامل ایمان ہو۔

میرا خیال ہے کہ پاکستان میں ہم صرف جزوی طور پر اسلام پر عمل کر رہے ہیں۔ صرف اللہ پر ایمان لانا اور عبادت کر لینا کافی نہیں اس کے لئے اچھا انسان بننا بھی ضروری ہے۔ میرے خیال سے اکثر ایسے مغربی ممالک ہیں۔ جہاں اسلام کے امتیازی اوصاف جیسے عوام کے حقوق کی حفاظت، اور سماجی انصاف بہتر طور پر دیکھے جا سکتے ہیں۔ سچ تو یہ ہے کہ مجھے وہاں کچھ بہترین انسانوں سے سابقہ پڑا ہے۔ لیکن ان کی جو بات مجھے ناپسند ہے وہ یہ کہ وہ دوہرا معیار رکھتے ہیں ایک جانب اپنے عوام کی حفاظت کرتے ہیں اور دوسری طرف دوسرے ممالک کے لوگوں کو اپنے سے کمتر تصور کرتے ہیں مثلاً اپنے صنعتی پیداوار کا فاضل زہریلا فضلہ تیسری دنیا (غیر ترقی یافتہ ممالک) میں ڈھیر کرتے رہتے ہیں ایسی دوائیں دوسرے ملکوں میں فروخت کرتے ہیں جن پر انھوں نے خود اپنے ملکوں میں پابندی عائد کر رکھی ہے۔

پاکستان کو درپیش مسائل میں ایک یہ ہے کہ یہاں دو رجعت پسند گروہ اپنی طاقت مجتمع کر رہے ہیں۔ ایک گروہ مغرب پسندوں کا ہے جو اپنی کم علمی کے باعث اسلام کو مغرب کی نظر سے دیکھتا ہے۔ یہ گروہ ہر اس شخص کی مخالفت کرتا ہے جو معاشرہ کو اسلامی رنگ دینا چاہتا ہے۔ یہ لوگ یہ چاہتے ہیں کہ یہاں کا اسلام صرف اُن کی پسند کے مطابق ہو۔ دوسری جانب وہ گروہ ہے جو اس مغرب زدہ اعلیٰ طبقہ کے ردعمل کے طور پر اپنے آپ اسلام کا محافظ تصور کرتا

ہے۔ یہ گروہ رواداری اور تقویٰ کی نمائش میں مبتلا ہے جو بذاتِ خود روحِ اسلام کی نفی کرتی ہے۔

اب جس چیز کی ضرورت ہے، وہ یہ ہے کہ ان دونوں انتہا پسند گروہوں کے درمیان اِفہام و تفہیم کا دروازہ کھولا جائے۔ اس کے لئے اُن لوگوں کو جو ہمارے وسائل تعلیم کا سب سے زیادہ فائدہ اٹھاتے ہیں اسلام کا سنجیدہ مطالعہ کرنا ضروری ہے۔ ایمان باللہ پر اکتفا کرنے یا عبادت گذار بن جانا ان کا ذاتی معاملہ ہے کیونکہ قرآن کریم بھی یہی کہتا ہے کہ مذہب کے معاملہ میں کسی پر کوئی جبر نہیں ہے۔ بہرصورت ان لوگوں کو اپنی انتہا پسندی سے چھٹکارا حاصل کرنے کے لئے علم کا سہارا لینا ضروری ہے۔ انتہا پسندی سے صرف اظہارِ نفرت کافی نہیں ہے۔

قرآن کریم نے مسلمانوں کو "امتِ وسطیٰ" بتلایا ہے پیغمبر اسلامؐ کو صرف اللہ کا پیغام پہونچانے کا حکم دیا گیا تھا اور یہ کہا گیا تھا کہ کوئی اسلام قبول کرتا ہے یا نہیں کرتا اس کے لئے پریشان نہ ہوں۔ اس لئے اسلام میں دوسروں پر اپنے نظریات تھوپنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا ہمیں حکم دیا گیا ہے کہ ہم دوسرے مذاہب ان کی عبادگاہوں اور ان کے پیغمبروں کی تکریم کریں ملیشیا، انڈونیشیا میں نہ تو مسلمان فوجیں گئی تھیں اور نہ مبلغینِ اسلام کی منظم جماعتیں۔ لوگوں نے اسلام کو اس کے اعلیٰ اصولوں اور مسلمان تاجروں کے حسنِ اخلاق کی وجہ سے قبول کر لیا تھا۔ اس وقت اسلام کو بدنام کرنے میں سب سے بڑا ہاتھ اُن مسلمان ملکوں کا ہے جو مکمل اسلام کے بجائے جزوی اسلام پر عامل

ہیں۔ خاص طور پر ایسے ممالک جو اپنے عوام کو ان کے حقوق سے محروم رکھ رہے ہیں۔ حقیقت تو یہ ہے کہ اگر کوئی معاشرہ اسلام کے بنیادی اصولوں پر عامل ہو تو اس کی ایک بڑی خصوصیت رواداری ہوگی۔

اگر ہمارا مغرب زدہ طبقہ اسلام کا مطالعہ شروع کر دے تو وہ ہمارے معاشرہ کو فرقہ بندی اور اس کی انتہا پسندی سے نجات دلانے کے ساتھ ساتھ یہ بھی بتلا سکتا ہے کہ اسلام کتنا ترقی پسند مذہب ہے۔ یہ لوگ مغرب کو اسلامی نظریات سے روشناس کرا سکتے ہیں۔ گذشتہ سال شہزادہ چارلس نے آکسفورڈ کی اپنی ایک تقریر میں اس کا اعتراف کیا تھا کہ مغربی دنیا اس وقت بھی اسلام سے بہت کچھ سیکھ سکتی ہے لیکن اگر وہی لوگ جو اس کے لئے سب سے زیادہ اہل ہیں اسلام کو پسماندہ سمجھنے لگیں گے تو پھر یہ کام کون انجام دے گا؟ اسلام تو سارے عالم کے لئے ہے اور اسی لئے ہمارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کو رحمت للعالمین کا لقب دیا گیا تھا۔

حقیقت یہ ہے کہ آج پوری دنیا سیکڑوں قسم کے طرزِ حکومت، اندازِ زندگی اور اسلوبِ حیات کو آزمانے کے بعد ہر جگہ سے ناکام واپس ہو چکی ہے، وہ راہ تک رہی ہے کہ کون ہے جو انسانیت کو سکون کی لذت سے شاد کام کرے؟ کون ہے جو اس وقت کی بھٹکتی ہوئی روحوں کو صحیح سمت اور صحیح منزل پر ڈال دے؟ وہ لوگ کہاں ہیں جو موجودہ انسانیت کے درد کا درماں بن سکتے ہیں؟

مورتی پوجا کی شناعت ویدوں میں

محمد سرور فاروقی ندوی معاون مجلس تحقیقات و نشریات اسلام لکھنؤ

جیسا کی بعض لوگ عموماً یہ سمجھتے ہیں کہ اسلام کی ابتدا ۱۴۰۰ سال قبل ہوئی تے یہ ایک غلط فہمی ہے ایسا نہیں بلکہ نسل انسانی کی ہدایت کے لئے ابتدا ہی سے اصل مذہب صرف اسلام ہی تھا کسی نئے رسول کی بعثت سے مذہب کا صرف ایک جز شریعت (قوانین سے متعلق حصہ) تبدیل ہوتی رہی ہے اور اخیر میں پوری شریعت "قرآن مجید"، کی شکل میں حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو قیامت تک کے آنے والے انسانوں کی ہدایت کا ذریعہ بنا کر بھیج دیا گیا ہے جس میں کسی قسم کی کوئی تبدیلی نہ ہوئی ہے اور نہ ہوگی اسکے بالمقابل پچھلے تمام صحائف انسانی دراندازی سے محفوظ نہیں رہ سکے لیکن اس کے باوجود بنیادی عقائد، توحید، رسالت، آخرت کی جھلک کہیں کہیں ملتی

ہے جب کہ ہندو مذہب کے ماننے والے خود تسلیم کرتے ہیں کہ ویدوں میں اشلوک کی بہت بڑی تعداد وہ ہے جس کا بعد میں اضافہ ہوا بہر حال ان سب کے باوجود ہندو مذہب میں ویدوں کو کافی اہمیت حاصل ہے۔

صِفاتِ خُداوندی کا تقابلی جائزہ

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کے بہت سے صفاتی نام آئے ہیں مثلاً "العلیم" سب کچھ جاننے والا "البصیر" ناظر مطلق "الشہید" ہر ایک پر گواہ "المحیط" ہر ایک کا احاطہ کئے ہوئے وغیرہ۔

وَهُوَ معکم این ما کنتم واللہ بما تعملون بصیر ٥

جہاں کہیں بھی وہ (اللہ) تمہارے ساتھ ہے اور جو کچھ تم کرتے ہو خدا اس کو دیکھ رہا ہے۔ (الحدید ۴)

ولقد خلقنا الانسان ونعلم ما توسوس بہ نفسہ

ونحن اقرب الیہ من حبل الورید ٥ (ق ١٦)

ترجمہ:۔ ہم نے انسان کو پیدا کیا اور ہم اسکے ذہن میں پیدا ہونے والے وسوسوں کو جانتے ہیں اور ہم تو انسان کی شہ رگ سے بھی زیادہ اس کے قریب ہیں۔

مندرجہ بالا آیات ایک مسلمان کے اس یقین میں اضافہ کا باعث بنتی ہے کہ وہ تمام ضروریات میں اپنے اللہ کو براہ راست پکارے اور اس کی

عبادت کرے یہ کبھی اس کے ذہن میں نہیں آتا کہ اس کا ذرہ ہر چیز میں موجود ہے "المحیط"، کہنے سے لیکن عام لوگ اپنشدوں اور گیتا کی فلسفیانہ زبان سے اکثر دھوکا کھا جاتے ہیں مثلاً گیتا کے مندرجہ اشلوک کو دیکھیں۔

ترجمہ:۔ وہ شخص جو ہر جگہ مجھے دیکھتا ہے اور ہر ایک کو مجھ میں دیکھتا ہے وہ مجھے کبھی نہیں کھوتا اور نہ میں اسے کھوتا ہوں۔ (گیتا ۶ : ۳۰)

گیتا خود ہی اس کی تشریح اس طرح کرتی ہے!

"اپنی غیر ظہور پذیر شکل میں تمام کائنات میں سرایت کئے ہوں سبھی جاندار مجھ میں ہیں لیکن میں ان میں رہتا نہیں ہوں۔ (گیتا ۹ : ۴)

اگلے ہی اشلوک میں مزید وضاحت ہے۔

ترجمہ:۔ لیکن سبھی جاندار مجھ میں رہتے ہیں میری قدرت دیکھ کہ میں نے ہی سبھی جانداروں کو پیدا کیا اور ان کی پرورش کرتا ہوں پھر بھی میں ان میں نہیں ہوں۔ گیتا - ۹ ! ۵

ان سب کا مطلب یہ ہرگز نہیں ہے کہ خدا نے اپنے وجود سے ہر جگہ کو پُر کر دیا ہے اور نہ اس کا یہ مطلب ہے کہ اس کا وجود ہر شئے میں سرایت کئے ہوئے ہے جو لوگ اس غلط واہمہ میں مبتلا ہیں کہ خدا کا "انش" یا جز ہر شئے میں ہے ان کے لئے تو مورتی پوجا کا بالکل ہی کوئی جواز نہیں کیونکہ ان کے عقیدے کے مطابق خدا خود ان میں بھی ہے تو انہیں خود اپنی ہی مورتی پر دھیان جمانا چاہیئے تھا۔

یہ تو بالکل عام فہم بات ہے کہ خالق کا وجود مخلوق سے جدا اور برتر ہوتا

ہے کسی صنعت میں صانع کے وجود کا کوئی جز شامل نہیں ہوتا لیکن ایک ذات سے اسکا پورا وجود اس صنعت میں سرایت کیئے ہوئے ہوتا ہے ۔ کیونکہ تخلیق کا ذرہ ذرہ بنانے والے کی صناعی اور قدرت کی گواہی دیتا ہے اور وہ اپنی بنائی ہوئی شئے کے ہر جز کو جانتا ہے ۔ اس کے مصرف کو جانتا ہے خدا اس پوری کائنات کا خالق ہے اس لئے اس کے ذرے ذرے کو جانتا ہے ۔ اس سے باخبر ہے اور اس کے ہر ذرہ پر مکمل قدرت رکھتا ہے یہ مطلب ہے خدا کے ہر شئے میں سرایت کرنے کا یا ہر جگہ موجود ہونے کا نہ یہ کہ وہ تمام اشیاء میں رہائش پذیر ہے ۔

تخلیق کا بیانِ رگ وید میں

ترجمہ :- اس نے ہی رات و دن کو درست کیا وہ ان کا بھی مالک ہے جن کی آنکھیں بند ہیں عظیم خالق نے پھر مناسب ترتیب میں سورج اور چاند بنائے اس نے ترتیب کے ساتھ ہی آسمان و زمین بنائے فضا کے مراحل ، ہوا اور روشنی کو پیدا کیا ۔ (رگ وید ۱۰، ۱۹، ۳۲)

اس کے علاوہ یہ بھی قابلِ غور بات ہے کہ اگر مخلوق خدا کے وجود کا حصہ ہوتی جیسا کہ بعض لوگ " ونش واد " کے قائل ہیں تو جنت اور دوزخ کا وجود نہ ہوتا کیونکہ خدا کے وجود کے ایک حصہ کا دوزخ میں

جلایا جانا انتہائی مضحکہ خیز ہے موت کے بعد جزا اور سزا اس کا ناقابل تردید ثبوت ہے کہ روح مرنے کے بعد خدا میں جاکر شامل نہیں ہو جاتی بلکہ علیٰحدہ وجود کی حقیقت سے سزا یا جزا پاتی ہے اگر روح خدا کے وجود کا حصہ ہوتی تو موت کے بعد جسم سے علیٰحدہ ہونے کے بعد خدا میں مل جاتی ـــ جب کہ ہندو مذہب کی کتب میں جنت اور دوزخ کا بھی تفصیلی بیان ہے۔

جنت کی مثال :-

ترجمہ۔ پاک کرنے والے کے ذریعہ پاک ہو کر ایسے جسم کے ساتھ جس میں ہڈیاں نہ ہونگی وہ درخشاں ہو کر روشنیوں کی دنیا میں پہنچتے ہیں ان کے مسرور جسموں کو آگ نہیں جلاتی ہے جنت کی دنیا میں ان کے لیے بڑی لذتیں ہیں۔

(اتھروید۔ ۴!۳،۲!۲)

ترجمہ :- شہد کے کناروں اور مکھن سے بنی نہریں جو شراب اور اور دودھ دہی اور پانی سے لبریز ہونگی بے پناہ شیریں ان سے ابل پڑتی ہوگی۔ یہ چشمے جنت کی دنیا میں تجھ تک پہنچیں گے کنول کے پھول سے بھری ہوئی پوری پوری جھیلیں ترے پاس آئیں گی۔

(اتھروید ۴!۳۷ : ۶)

دوزخ کا تذکرہ :-

ترجمہ :- جو گنہگار ہیں خدا سے وعدہ میں جھوٹے ہیں اور خدا کے وفادار نہیں ان کے لئے یہ اتھاہ گہرائی والا مقام وجود میں آیا ہے،

(رگ وید ۴ : ۵: ۵)

ترجمہ :۔ وہاں اس کے جسم کو بھڑکتی ہوئی لکڑیوں کے بیچ میں ڈال کر جلایا جاتا ہے کہیں خود اور کہیں دوسروں کے ذریعہ کاٹ کاٹ کر اس سے اپنا ہی گوشت کھلایا جاتا ہے سانپ بچھو وغیرہ ڈسنے والے اور ڈنک مارنے والے ہیں، پہاڑ کی چوٹیوں میں گرایا جاتا ہے ۔ یہ سب سزائیں اس طرح کی رَورَو نامی دوزخیوں کی بھی بہت سی عقوبتیں عورت ہو یا مرد اس طرح کی زندگی میں ہونے والے گناہ کے باعث بھگتنا ہی پڑتا ہے ۔

(شری مدبھگوت پران ۳ : ۳۰ : ۲۵ تا ۲۸)

خدا لاانتہا اور لامحدود ہے جبکہ انسانی عقل محدود ہے اور محدود کبھی لامحدود کا احاطہ نہیں کرسکتا اگر ہمارا محدود صلاحیتوں والا دماغ خدا کا احاطہ کرسکتا تو خدا لامحدود نہ ہوتا مذہبی کتب نے اس کو اس طرح بیان کیا ہے ۔

ترجمہ :۔ کائنات کی کوئی چیز اس کے مشابہ نہیں ہے ۔

ترجمہ ۔ کون جانتا ہے؟ اور کون یہ بتا سکتا ہے ۔؟ یہ کیسے پیدا ہوئی اور مخلوق کیسے وجود میں آئی؟ دیوتا بھی تو اس کی پیدائش کے بعد ہیں، تو پھر کون بتا سکتا ہے کہ یہ پہلے کیسے وجود میں آئی ۔

(رگ وید ۱۰ : ۱۲۲ : ۶)

(برہد آرنیک اپنشد) میں "نہیں نہیں" کی ایک طویل تکرار خدا کے صفات سے متعلق سوالات کے جواب میں موجود ہے ۔

"کیا وہ کثیف ہے؟"، "نہیں" "کیا وہ لطیف ہے"؟ "نہیں" "کیا وہ کوتاہ ہے"؟ "نہیں" "کیا وہ دراز ہے"؟ "نہیں" ، اسی طرح ہر ایسی

صفت سے متعلق سوال پر جس سے انسانی عقل سوچ سکتی ہے یہی جواب ملتا ہے کہ نہیں وہ ایسا نہیں ہے، اپنشدوں میں "نرگسن"، ہر ایسی صفت سے پاک جس سے انسانی عقل سمجھ سکے) کہا گیا ہے ظاہر ہے کہ بے انتہا اور لامحدود کی صفات بھی لامحدود ہوں گی اس لیے ان کی اصل کیفیت سمجھ ہی نہیں سکتے۔ جب کوئی شخص کسی چیز کو نہیں جانتا اسکو سمجھانے کے لئے وہی زبان استعمال کرنی پڑتی ہے جس کے الفاظ کے معنی وہ سمجھتا ہے اسیطرح خدا کی صفت کا بیان ہوتا ہے اس کے کسی عمل کو بتانا ہوتا ہے۔ تو ہاتھ کا ذکر بھی آتا ہے حالانکہ اس کے ہاتھ نہیں ہیں یہ تمثیلات ہیں۔ جب اس کی بصارت کا ذکر ہوتا ہے تو آنکھ لفظ بھی استعمال ہوتا ہے، حالانکہ اس کی آنکھیں نہیں ہیں، تو وہ بڑا کار (غیر متشکل ہے) جب یہ آسان سا فلسفہ سمجھ میں آجائے گا تو مذہبی کتب میں خدا کے تعلق سے بیانات میں کوئی تضاد محسوس نہیں ہوگا۔

لیکن بعض لوگ ان میں الجھ کر مورتی پوجا کے جال میں پھنس جاتے ہیں۔

جب کہ ہندوؤں کی مذہبی تمام کتب میں اسکی ممانعت آئی ہے۔

ویدوں کا فیصلہ مورتی پوجا کے سلسلے میں

"اوپر اطراف میں اور درمیان میں کہیں کسی نے اس (خدا) کا احاطہ نہیں کیا ہے"

"اس کی تشبیہ نہیں ہے اسکی شان عظیم ہے" (یجر وید ۳۲ : ۳۱۲)

ترجمہ :۔ اس کا کوئی جسم نہیں ہے ۔ (یجروید ۔ ۴ : ۸)

ترجمہ :۔ وہ لوگ تاریک گہرائیوں کے اندھیروں میں ڈوب جاتے ہیں اَسمبھوتی (فطرت اپنی بنیادی شکل میں جیسے آگ، مٹی، پانی وغیرہ) کے پجاری ہیں اور وہ اس سے بھی گہری تاریکیوں میں ڈوبتے ہیں جو سَمبھوتی (اسمبھوتی سے مرکب اشیاء مثلاً پیڑ پودے مورتیاں وغیرہ) میں ملوث ہیں۔

(یجروید ۔ ۴۰ ! ۹)

وہ (اللہ) ایک وہ سچ مچ ایک ہے ۔ (اتھروید ۱۳ : ۴ : ۱۲)

وہ ایک ہے اسی کی عبادت کرو ۔ (رگ وید ۱۶ : ۴۵ : ۶)

اس کے علاوہ کسی کی عبادت نہ کرو ۔ (رگ وید ۔ ۱ : ۱ : ۸)

اس کی کوئی شبیہ نہیں اس کا نام ہی اصل ہے یہی سب سے بڑی نیکی ہے ۔ (یجروید ۔ ۳۲ : ۳)

گیتا کا فیصلہ ۔ اس کے لطیف ہونے کے باعث اس کا احاطہ نہیں کیا جا سکتا وہ دور بھی ہے اور قریب بھی ۔

(گیتا ۔ ۱۳ : ۱۵)

پران کا فیصلہ :۔

ترجمہ :۔ خدا نہ تو لکڑی میں ہے نہ پتھر میں، نہ مٹی میں (سے بنی مورتی) میں وہ تو احساسات میں موجود ہے اس کا احساس ہونا ہی اس کے وجود کی دلیل ہے ۔ (گرُوڈ پران ۔ دھرم کانڈ ۔ پربت کھنڈ ۔ ۳۸ : ۱۳)

ویدوں کو ہندو خدا کا کلام مانتے ہیں مورتی پوجا کی ویدوں میں سختی

سے ممانعت کی گئی ہے ویدوں کے بعد ہندوؤں کی مقدس کتابوں میں اپنشد کا درجہ سمجھا جاتا ہے کل ۱۰۸ اپنشدوں سے ۱۰ اپنشد ہیں ایشش، کین، کٹھ پریشن، منڈک، مانڈوکیہ، ایشریہ، چھانڈوگیہ اور برھد آرنیک۔ یہ سب کتابیں مورتی پوجا کے بیان سے پاک ہیں پران بہت بعد کی تصنیفات ہیں۔ جنہیں رشیوں نے مرتب کیا تھا ان میں بھی کثرت سے مورتی پوجا کی ممانعت کی گئی ہے البتہ بعض پرانوں میں مورتی کی پوجا کا تذکرہ بھی موجود ہے، مورتی پوجا دراصل پرانوں کے دور ہی کی دین ہے جب لوگ ویدانت کی تعلیم سے کٹ چکے تھے۔

(سوامی وویکانند نے اس کی تائید ان الفاظ میں کی ہے)

"ویدک دور میں مورتی پوجا کا وجود نہ تھا اس وقت لوگ ایشور کو ہر جگہ موجود مانتے تھے۔"

(وویکانند ساہتیہ (ہندی) جلد ۱۷ ادوہت آشرم پتھوراگڈھ دوسرا ایڈیشن۔ ۱۹۷۳ صفحہ ۳۰

رشیوں نے مورتی پوجا کا رواج شروع کیا تاکہ وہ اس مورتی کے ذریعہ بنا کر خدا کو اپنے سامنے متشکل دیکھ سکیں۔

(وشنو رہسیہ (ہندی)، ص ۱۴۹)

جب لوگ تسلیم کردہ کلامِ الٰہی کی تعلیمات سے وابستہ تھے تو وہ ایک اللہ (غیر مجسم) کی بندگی کرتے تھے اور مورتی پوجا سے بہت دور تھے اس میں شک نہیں کہ ویدوں کی ناقابل تردید سخت تنبیہات

کے باوجود مورتی پوجا کا رواج ہی رہا کیونکہ ذہن نا قابل احاطہ کا احاطہ کرنا چاہتا تھا اگر ان لوگوں نے اپنے آپ کو علمی حقائق سے جدا کر لیا ہوتا تو مسئلہ کا بہت آسان حل انھیں کی کتابوں میں موجود تھا۔

اللہ نے اس انسان کو اشرف المخلوقات بنایا تھا لیکن اس انسان نے اپنے سے کمتر اپنے خادموں کے آگے سجدہ ریز ہو کر اپنے آپ کو ذلیل کیا لیکن اگر کوئی شخص اللہ پر اور اپنے پیدا کرنے والے کے سامنے حاضری پر یقین رکھتا ہو تو اسے چاہیئے کہ اس کی کتاب قرآن مجید پر ایمان لائے گردش کی ان تعلیمات کو ترک کر دے جو خدائی تعلیم سے ٹکراتی ہو اور اس مالک حقیقی کے آگے سر تسلیم خم کر دے اور محمدؐ کو اپنا آخری رسول تسلیم کرتے ہوئے شریعت محمدی کے آغوش میں آجائے اور پھر نئے عزم و حوصلہ کے ساتھ توحید رسالت کے ذریعہ کفر و الحاد اور باطل طاقتوں کو صفحۂ ہستی سے مٹانے کے لئے تیار ہو جائے اور ہزار سالہ کوتاہیوں کا کفارہ ادا کر کے "کُنْتُمْ خَیْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ" کا مصداق بنے۔

★ ★ ★

آج امت کا سب سے شدید مرض اور عظیم فتنہ یہی ترک تبلیغ اور ترکِ امر بالمعروف ہے جس نے اس کے ہر ایک نظام کو درہم برہم کر رکھا ہے جب کسی خاطی اور مجرم کو اپنے جرم و خطا پر مطلع ہونے کی صورت ہی نہ رہے اور کسی کی طرف سے کسی کو روک ٹوک کرنے کا راستہ ہی کھلا ہوا نہ ہو۔ گویا مریض کو نہ خود اپنے مرض کی خبر ہو نہ دوسرے کی طرف سے تنبیہ کی صورت ہو تو ظاہر ہے کہ پھر ازالۂ مرض کی صورت ہی کیا ہو سکتی ہے اور قوم کس طرح پنپ سکتی ہے۔ (قاری محمد طیب صاحبؒ)

انتخاب ملفوظات

حضرت مولانا محمد الیاس رحمۃ اللہ علیہ

مرتب: مولانا محمد اقبال قاسمی
استاذ جامعۃ الامام ولی اللہ الدہلوی الاسلامیۃ پھلت۔

بانیِ جماعتِ تبلیغ حضرت مولانا الیاس صاحب رحمتہ اللہ علیہ کی شخصیت اور ان کا کارِ دعوت کسی تعارف کا محتاج نہیں ہے۔ ایمان بالغیب کی دعوت، ایمانی قوت، اعتماد و توکل اور دعوت کے شغف و انہماک میں دور دور تک ان کی نظیر نہیں ملتی۔ دعوت و تبلیغ کے سلسلہ کے ان کے تجربات، ان کی وصیتیں اور نصیحتیں اور ان کے طریقۂ کار کے بارے میں ہم ان کے ملفوظات کا ایک مختصر انتخاب پیش کرنے کی سعادت حاصل کر رہے ہیں یہ کل انتخاب ملفوظاتِ مولانا محمد الیاسؒ مرتبہ مولانا محمد منظور نعمانیؒ سے ماخوذ ہیں۔

سب سے افضل کام

دیکھو سب جانتے ہیں اور مانتے ہیں کہ خدا غائب نہیں ہے بلکہ شاہد ہے اور ہر آن شاہد ہے تو اس کے حاضر ناظر ہوتے ہوئے بندوں کا اس میں نہ لگنا اور اس کے غیروں میں لگا رہنا یعنی اس سے اعراض اور اس کے ماسوا میں اشتغال اور انہماک سوچو یہ کیسی بے نصیبی اور کتنی بڑی محرومی ہے اور قیاس کرو یہ چیز خدا کو کس قدر غضب ناک کرنے والی ہوگی۔ اور خدا کے دین سے غافل اور اس کے اوامر و احکام کا لحاظ نہ رکھتے ہوئے دنیا میں لگا رہنا ہی اس سے اعراض اور اس کے ماسوا میں اشتغال و انہماک ہے اور اس کے برعکس اللہ میں لگنا یہ ہے کہ اس کے دین کی نصرت میں لگا رہے اور اس کے احکام کی فرمانبرداری کرتا رہے مگر اسکا لحاظ رکھنا پڑے گا جو بات جتنی زیادہ اہم اور جتنی زیادہ ضروری ہو اس کی طرف اسی قدر توجہ دی جائے اور یہ چیز معلوم ہوگی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوۂ حسنہ سے۔ اور معلوم رہے کہ آپ نے جس کام کے لئے سب سے زیادہ محنت اور سب سے زیادہ تکلیفیں برداشت کیں وہ کام تھا کلمہ کا پھیلانا، یعنی بندوں کو خدا کی بندگی

کے لئے تیار کرنا اور اس کی راہ پر لگانا، تو یہی کام سب سے زیادہ اہم رہے گا اور اس کام میں لگنا اعلیٰ درجہ کا خدا میں لگنا ہوگا۔

دین کی سب سے بڑی نصرت

یہ بھی یاد رہے کہ اپنی اپنی نمازیں پڑھنا، روزے رکھنا، اگرچہ اعلیٰ درجہ کی عبادتیں ہیں لیکن یہ دین کی نصرت کے کام نہیں ہیں، دین کی نصرت تو وہی ہے جس کو قرآن پاک اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے "نصرت" بتلا دیا ہے اور اس کا اصلی اور مقبول ترین طریقہ وہی ہے جس کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے رواج دیا اس وقت اس طریقہ اور اس رواج کو تازہ کرنے اور پھر سے اس کو جاری کرنے کی سعی کرنا دین کی سب سے بڑی نصرت ہے اللہ پاک ہم سب کو اس کی توفیق دے۔

کام اور چیز ہے برکات اور چیز

... لوگ میری تبلیغ کے برکات دیکھ کر یہ سمجھتے ہیں کہ کام ہو رہا ہے حالانکہ کام اور چیز ہے اور برکات اور چیز ہے۔ دیکھو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت شریفہ ہی سے برکات کا ظہور ہونے لگا تھا مگر کام بہت بعد میں شروع ہوا۔ اسی طرح یہاں سمجھو۔ میں سچ کہتا ہوں کہ ابھی تک اصلی کام شروع نہیں ہوا جس دن کام

شروع ہو جائے گا تو مسلمان سات سو برس پہلے کی حالت کی طرف لوٹ جائیں گے اور اگر کام شروع نہ ہوا بلکہ اسی حالت پر رہا جس پر اب تک ہے اور لوگوں نے اس کو منجملہ تحریکات کے ایک تحریک سمجھ لیا اور کام کرنے والے اس راہ میں بچل گئے تو جو فتنے صدیوں میں آتے وہ مہینوں میں آجائیں گے اس لئے اس کو سمجھنے کی ضرورت ہے

بغیر طلب کے دوسروں کے گھر جانا چاہئے

سیدنا صلی اللہ علیہ وسلم ابتدائے اسلام کے زمانہ میں (جب دین ضعیف تھا اور دنیا قوی تھی) بے طلب لوگوں کے گھر جا کر ان کی مجالس میں بلا طلب پہنچ کر دعوت دیتے تھے طلب کے منتظر نہیں رہے۔ بعض مقامات پر حضرات صحابہؓ کو از خود بھیجا ہے کہ فلاں جگہ تبلیغ کرو اس وقت وہی ضعف کی حالت ہے تو اب ہم کو بے طلب لوگوں کے پاس خود جانا چاہیئے۔ ملحدوں، فاسقوں کے مجمع میں پہنچنا چاہیئے اور کلمۂ حق بلند کرنا چاہیئے۔

آیت کُنْتُمْ خَیْرَ اُمَّۃٍ کی تفسیر

کُنْتُمْ خَیْرَ اُمَّۃٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْہَوْنَ عَنِ الْمُنْکَرِ وَتُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰہِ کی تفسیر خواب میں القا ہوئی کہ تم (یعنی امت مسلمہ مثل انبیاء علیہم السلام کے) لوگوں

کے واسطے ظاہر کئے گئے ہو اور اس مطلب کو اُخْرِجَتْ سے تعبیر کرنے میں اس طرف اشارہ ہے کہ ایک جگہ جم کر کام نہ ہوگا بلکہ در بدر نکلنے کی ضرورت ہے۔ تمہارا کام امر بالمعروف اور نہی عن المنکر ہے۔ اس کے بعد " تومنون باللّٰہ " فرما کر یہ بتلایا گیا ہے کہ اس امر بالمعروف سے خود تمہارے ایمان کو ترقی ہوگی ورنہ نفس ایمان کا حصول تو " کنتم خیر اُمّۃ " ہی سے معلوم ہوچکا ہے۔ پس دوسروں کی ہدایت کا قصد نہ کرو۔ اپنے نفع کی نیت کرو اور " اخرجت للناس سے مراد عرب نہیں بلکہ غیر عرب ہیں۔ کیونکہ عرب کے متعلق تو " لستَ عَلَیْہِمْ بِمُصَیْطِرٍ۔ وَمَا اَنْتَ عَلَیْہِمْ بِوَکِیْلٍ " فرما کر بتلا دیا گیا تھا کہ ان کے متعلق ہدایت کا ارادہ ہوچکا ہے آپؐ ان کی زیادہ فکر نہ کریں۔ ہاں " کنتم خیر امۃ " کے مخاطب اہل عرب ہیں اور الناس سے مراد دوسرے لوگ ہیں جو عرب نہیں چنانچہ اس کے بعد ولو آمن اھل الکتاب لکان خیرا لھم اس پر قرینہ ہے، اور یہاں " لکان خیرا لھم " فرمایا۔ لکان خیرا لکم نہیں فرمایا۔ کیونکہ مبلّغ کو تو تبلیغ ہی سے اپنے ایمان کی تکمیل کا فائدہ حاصل ہوجاتا ہے خواہ مخاطب قبول کرے یا نہ کرے۔ اگر مخاطب تبلیغ کا اثر قبول کرکے ایمان لے آئے تو اس کا اپنا بھی فائدہ ہوگا۔ مبلّغ کا فائدہ اس پر موقوف نہیں۔

نبی کریم کا طریق دعوت ہی اصل طریق ہے

دین کی عمومی تعلیم و تربیت کا طریقہ ہم اپنی اِس تحریک کے ذریعہ رائج کرنا چاہتے ہیں صرف وہی طریقہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں رائج تھا۔ اور اسی طرز سے وہاں عام طور پر دین سیکھا اور سکھایا جاتا ہے بعد میں جو اور طریقے اس سلسلے میں ایجاد ہوئے مثلاً تصنیف و تالیف اور کتابی تعلیم وغیرہ سو ان کی ضرورت حادثہ نے پیدا کی مگر اب لوگوں نے صرف اسی کو اصل سمجھ لیا ہے۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ کے طریقہ کو بالکل بھلا دیا گیا ہے حالانکہ اصل طریقہ وہی ہے اور عمومی و بڑے پیمانہ پر تعلیم و تربیت صرف اِسی طریقہ سے دی جاسکتی ہے۔

ایک دعا

اے اللہ کا فروں پر تیرے بندے ہونے کی حیثیت سے جو شفقت اور ترحم ہم میں ہونا چاہئے۔ اور اس کی وجہ سے جو حقوق ان کے ہم پر عائد ہوتے ہوں ان کی ادائیگی کی توفیق کے ساتھ ان کے کفر سے ہمارے قلب میں پوری پوری نفرت اور کراہیت پیدا کر۔

غیر اللہ سے نا امیدی ضروری ہے

اللہ کی باتوں کو فروغ دینے کی کوششوں میں جان دینے کے شوق کو زندہ کریں اور اس کا طریقہ سیکھیں اور اس پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو وعدے ہیں یقین کے ان سے امیدیں لگاتے ہوئے اور اس کے غیر سے بالکل امیدیں نہ لگاتے ہوئے بلکہ غیروں سے امیدیں منقطع کرتے ہوئے کام کرنا سیکھیں۔

"جَاهِدُوا فِي اللّٰهِ حَقَّ جِهَادِهٖ وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّيْنِ مِنْ حَرَجٍ"

پھر اسی سلسلہ میں فرمایا۔

"جتنی ضرورت اس کی ہے کہ اللہ ہی سے امیدیں رکھی جائیں اتنی ضرورت اس کوشش کی ہے کہ غیر اللہ سے امیدیں نہ رکھی جائیں۔ بلکہ ما سوا اللہ سے بالکل صرفِ نظر کر کے کام کرنے کی کوشش کی جائے۔

"اِنْ اَجْرِيَ اِلَّا عَلَى اللّٰهِ"

حدیث میں ہے کہ جو لوگ غیروں سے امیدیں رکھکر اچھے کام کریں قیامت میں ان سے کہہ دیا جائے گا کہ جاؤ انھیں سے جا کر اپنا اجر لو۔

مدارس اور خانقاہوں سے یہ کام افضل ہے

میں نے شروع میں مدرسہ پڑھایا یعنی درس دیا، تو طلباء کا ہجوم ہوا اور اچھے اچھے صاحبِ استعداد طلباء کثرت سے آنے لگے۔ میں نے سوچا کہ ان کے ساتھ میری محنت کا نتیجہ اور کیا ہوگا کہ عالم بننے ہی کے لئے مدرسوں میں آتے ہیں مجھ سے پڑھنے کے بعد بھی عالم یا مولوی ہی بن جائیں گے۔ اور ان کے مشاغل بھی وہی ہوں گے جو آج کل عام طور سے اختیار کئے جاتے ہیں۔ کوئی طِب پڑھکر مَطَب کرے گا کوئی یونیورسٹی کا امتحان دے کر اسکول کالج میں نوکری کرے گا مدرسہ میں بیٹھ کر پڑھاتا ہی رہے گا۔ اس سے زیادہ اور کچھ نہ ہوگا یہ سوچ کر مدرسہ میں پڑھانے سے میرا دل ہٹ گیا۔ اس کے بعد ایک وقت آیا جب میرے حضرت نے مجھ کو اجازت دے دی تھی تو میں نے طالبین کو ذکر کی تلقین شروع کی۔ اور ادھر میری توجہ زیادہ ہوئی اللہ کا ذکر کرتا۔ آنے والوں پر اتنی جلدی کیفیات اور احوال کا ورود شروع ہوا۔ اور اتنی تیزی سے حالات میں ترقی ہوئی کہ خود مجھے حیرت ہوئی اور میں سوچنے لگا کہ یہ کیا ہو رہا ہے اور اس کام میں لگے رہنے کا نتیجہ کیا نکلے گا۔

زیادہ سے زیادہ یہی کہ کچھ اصحابِ احوال اور ذاکر شاغل لوگ پیدا ہو جائیں۔ پھر لوگوں میں ان کی شہرت ہو جائے تو کوئی مقدمہ جیتنے کی دعا کے لئے۔ کوئی اولاد کے لئے تعویذ کی درخواست کرے۔ اور تجارت اور کاروبار میں ترقی کی دعا کرائے اور زیادہ سے زیادہ کر ان کے ذریعہ بھی آگے چند طالبین میں ذکر و تلقین کا سلسلہ چلے یہ سوچ کر ادھر سے بھی میری توجہ ہٹ گئی اور میں نے یہ طے کیا کہ اللہ تعالیٰ نے ظاہر و باطن جو قوتیں عطا فرمائی ہیں ان کا صحیح مصرف یہ ہے کہ ان کو اسی کام میں لگایا جائے۔ جس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی قوتیں صرف فرمائیں اور وہ کام ہے اللہ کے بندوں کو اور خاص کر غافلوں اور بے طلبوں کو اللہ کی طرف لانا اور اللہ کی باتوں کو فروغ دینے کے لئے جان کو بے قیمت کرنے کا رواج دینا۔ بس یہی ہماری تحریک ہے اور یہی ہم سب سے کہتے ہیں۔ یہ کام اگر ہونے لگے۔ تو اب سے ہزاروں گنے زیادہ مدرسے اور ہزاروں گنی زیادہ ہی خانقاہیں قائم ہو جائیں بلکہ ہر مسلمان مدرسہ اور خانقاہ ہو جائے۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی لائی ہوئی نعمت اس عمومی اندازہ سے بٹنے لگے جو اس کے شایانِ شان ہے۔

انعاماتِ الٰہیہ کے حصول کیلئے کم از کم پسینہ تو گرانا چاہیئے

جن مقامات کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جانوں کی بازی لگا

کے بلکہ اس جانبازی کے شوق و عشق سے حاصل کرنا بتلایا تھا۔ اور صحابۂ کرامؓ نے دین کی راہ میں اپنے کو مٹا کے جو کچھ حاصل کیا تھا لوگ اس کو آرام سے لیٹے لیٹے کتابوں سے حاصل کرلینا چاہتے ہیں جو انعامات اور ثمرات خون سے وابستہ تھے ان کے لئے کم از کم تو پسینہ گرانا چاہیے

پسند کو مباشرت کے قائم مقام سمجھنا بڑا دھوکا ہے اور شیطان یہ کرتا ہے کہ آدمی کو پسند ہی پر قانع بنا دیتا ہے۔

"اس ارشاد کا مطلب یہ ہے کہ کسی اچھے کام کو صرف اچھا سمجھ لینے سے اس کام میں شرکت نہیں ہوتی بلکہ اس میں لگنے اور اسکو کرنے ہی سے اس کا حق ادا ہوتا ہے۔ لیکن بہت سے لوگوں کو شیطان یہ فریب دیتا ہے کہ وہ کام سے متفق ہو جانے کو کام میں لگ جانا اور شریک ہونا سمجھنے لگتے ہیں یہ شیطان کا بڑا دھوکہ ہے

ایک صاحب نظر نے بڑے پتہ کی بات کہی ہے کہ جب کبھی مسلمانوں کو کوئی ٹھیس لگتی ہے، یا مسائل کا کوئی پہاڑ ٹوٹتا ہے تو چاروں طرف یہ سوال گردش کرنے لگتا ہے کہ امت کو کیا کرنا چاہیے؟ یہ سوال بالکل مبہم اور بے معنی ہے بالکل اسی طرح جس طرح کوئی سوال کرے ڈاکٹروں کو کیا کرنا چاہیے، وکلاء کو کیا کرنا چاہیے، انجینئروں کو کیا کرنا چاہیے۔ ظاہر ہے اس سوال کی ضرورت ہی نہیں، ڈاکٹروں کو ڈاکٹری کرنی چاہیے۔ وکلاء کو وکالت کرنی چاہیے انجینئروں کو انجینئرنگ کا کام کرنا چاہیے بالکل اسی طرح یہ امت مسلمہ جس کو خالق کائنات نے خیر امت بنایا ہے۔ اس کی بعثت کا مقصد اور اس کی پہچان بلکہ اس کا پیشہ دعوت بنایا گیا ہے۔ داعی امت کو دعوت کا کام کرنا چاہیے (دعوت ذمہ داری عمل)

حضرت تھانوی

اور

تبلیغ اسلام

جامع و مرتب
حافظ محمد ادریس قریشی ولی اللہی

تکمیل اسلام اور تبلیغ اسلام دونوں ہی کی دعوت دینا چاہیئے

جب اسلام ہی دینِ کامل ہے تو جن لوگوں کے پاس یہ نعمت نہیں ہے ان کے پاس بھی اس کو پہونچانا چاہیئے۔ کیوں کہ اوّل تو یہ بات مروّۃ وہمدردی کے خلاف ہے کہ ایک نافع (سود مند) چیز سے خود ہی فائدہ اٹھایا جائے۔ اور دوسروں کو محروم رکھا جائے دوسرے ہم کو شرعاً بھی اس کا حکم ہے کہ جن لوگوں کو اسلام کی خوبیاں معلوم نہیں ان کے سامنے اس کے محاسن کو بیان کریں۔ تو اب دو قسم کے لوگ ہیں۔ ایک وہ جن کے پاس اسلام کی

نعمت ہے مگر ادھوری ہے ان کو پورا مسلمان بنانے کی کوشش کی جائے۔ اس شعبہ کا نام تکمیلِ اسلام رکھتا ہوں۔ دوسرے وہ جن کے پاس یہ نعمت ہے۔ ان کو اسلام پہنچایا جانا چاہئے۔ اس شعبہ کا نام میں تبلیغِ اسلام رکھتا ہوں۔ اس میں بہت زمانہ سے مسلمان کوتاہی کر رہے ہیں۔ اس فرض کو سب ہی نے بھلا دیا۔ حالاں کہ انبیاء علیہم السلام کا اصل کام یہی تھا وہاں پڑھنا پڑھانا اور کتابوں کا درس کہاں تھا؟

ہماری یہ حالت ہے کہ لوگ تو اس کو معمولی کام سمجھتے ہیں اور جو لوگ اس کی ضرورت و مرتبہ کو سمجھتے ہیں۔ وہ بھی ایسی جگہ جا کر تبلیغ کرتے ہیں۔ جہاں ان کی خاطر و مدارات ہوتی ہے۔ کفار میں جاکر کوئی تبلیغ نہیں کرتا۔ کیونکہ وہاں خاطر و مدارات کہاں۔ بلکہ بعض دفعہ تو برا بھلا سننا پڑتا ہے۔ اس وجہ سے لوگ کفار کو تبلیغ کرتے ہوئے رکتے ہیں

(الاتمام لنعمۃ الاسلام صـ۲۸۷)

مخاطب کو حق نہ پہنچنے کی شرط

تبلیغ یعنی امر بالمعروف و نہی عن المنکر واجب ہے بشرطیکہ مخاطب کو حق نہ پہونچا ہو۔ (الکلام الحسن صـ۱۵)

بغیر دعوت کے دین دار نہیں بن سکتے

آج کل لوگوں نے سمجھ رکھا ہے کہ یہ کام تو مولویوں کے ذمہ ہے سو اگر یہ کام تنہا مولویوں کے ذمہ ہے تو پھر نماز روزہ کو بھی پیروں کے ذمہ سمجھو، اور تم آزاد زندگی گذارو، بس شکایت اس کی ہے کہ جو لوگ دین دار اور نمازی ہیں جس طرح وہ نماز کو ضروری سمجھتے ہیں کیا اسی درجہ میں تبلیغ کو بھی ضروری سمجھتے ہیں ؟ ہرگز نہیں اگر کبھی نماز قضا ہو جائے تو اس پہ ندامت ہوتی ہے مگر ترک تبلیغ پر ذرا بھی ندامت نہیں ہوتی ہے۔ اور اگر کبھی اتفاقاً کسی کو نصیحت کر دیتے ہیں تو بجائے اس کے کہ اس پر شکر کریں کہ آج مدت کے بعد فرض کی ادائیگی کی ہم کو توفیق ہوئی الٹا اس پر ناز کرتے ہیں کہ ہم نے بڑا کام کیا جیسے شب قدر میں جاگنے پر فخر ہوتا ہے۔ مگر نماز پڑھ کر کوئی فخر نہیں کرتا کھانا کھا کر کوئی ناز نہیں کرتا پھر نصیحت کر دینے پر فخر کیوں کرتے ہیں۔ راز وہی ہے کہ ظہر کی نماز تو اپنے ذمہ فرض سمجھتے ہیں اور تبلیغ کو فرض نہیں سمجھتے اس کو زائد کام سمجھ رکھا ہے ________ اس لئے اگر اس کی نوبت آجاتی ہے تو اس پر فخر کرتے ہیں اگر اس کو بھی فرض سمجھتے تو اس پر فخر نہ ہوتا بلکہ یہ سمجھتے کہ یہ تو ہمارے ذمہ ضروری تھا اور جس طرح نماز کے

ترک پر ندامت ہوتی ہے اس کے ترک پر بھی ندامت ہوتی اپنے نفس کو ملامت کی جاتی مگر اس کے ترک پر کوئی اپنے نفس کو ملامت نہیں کرتا۔ یہ تو ایسا ہوا، جیسے ایک آدمی صرف چار نمازیں پڑھے عشاء کی نماز نہ پڑھے تو یہ کوئی نمازی ہے؟ اس کو کوئی بھی نمازی نہ سمجھے گا پھر آپ تبلیغ کو نہ کر کے اپنے کو دیندار کیوں سمجھتے ہیں؟ خوب سمجھ لیجئے کہ اس کے بغیر آپ دین دار نہیں ہو سکتے۔

(التواصی بالحق صـ ۱۶۱)

میں بتلا چکا ہوں کہ تبلیغ صرف مولویوں کے ذمہ نہیں بلکہ ہر مسلمان کے ذمہ ہے بلکہ تبلیغِ عام بطور وعظ کے علماء کے ساتھ خاص ہے باقی تبلیغ انفرادی طور پر ہر شخص کے ذمہ ہے صـ ۱۹۱

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ نصیحت کرنے میں کسی کی تخصیص نہیں بلکہ امتی کے ذریعہ بھی امر بالمعروف ضروری ہے۔ اور حکم سب کو عام ہے۔ ہاں اسمیں تفصیل ہے کہ کس کے ذمہ کیا ہے۔ تبلیغ عام تو علماء کا منصب ہے اور تبلیغ خاص ہر جگہ اور ہر شخص پر ہے۔ بہر حال حکم عام ہے اور امر بالمعروف خاص کسی فرد بشر سے ساقط نہیں ہوتا۔ اور امر بالمعروف عام یعنی وعظ کہنا یہ صرف علماء پر واجب ہے۔

(آداب تبلیغ صـ ۱۰۵)

عقائد کی تبلیغ

عقائد کی تبلیغ عام طور پر لوگوں کو ناگوار ہوتی ہے، اور یہی ناگواری سبب ہے اس بات کا کہ ہم لوگ کفار کو اسلام کی تبلیغ نہیں کرتے۔ بلکہ آج کل عموما ہر قسم کی تبلیغ اس لئے متروک ہے کہ مخاطب کو اس سے ناگواری ہوتی ہے اور عقائد کی تبلیغ میں یہ ناگواری زیادہ ہوتی ہے۔ لوگ سمجھتے ہیں کہ مخلوق کی ناگواری کو کون اپنے سر لے۔ مگر یہ کوئی عذر نہیں۔ اگر ہمارے اسلاف بھی اس کا خیال کرتے تو ہم میں سے کسی کو بھی کلمۂ شہادت نصیب نہ ہوتا۔

(التواصی بالحق ص ۱۷۹)

اسلام کی خوبیاں بیان کرو

"خلاصہ یہ کہ کفار کے سامنے اسلام کی خوبیاں بیان کرو۔ جنگ و جدال بحث و مباحثہ کی ضرورت نہیں۔ کیا اسکے محاسن کم ہیں جو ان کو چھوڑ کر جنگ و جدال میں مشغول ہوں۔ اسکے حسن ہی کے بیان کرتے سے فرصت نہیں مل سکتی پھر لڑائی جھگڑے کی فرصت کب مل سکتی ہے"۔ (الاتمام لنعمۃ الاسلام ص ۴۶)

اصول کی تبلیغ یا فروع کی

حضرت نے ارشاد فرمایا کہ اصل میں تو مسلموں اور غیر مسلموں دونوں ہی کو تبلیغ کی ضرورت ہے اور جیسے اصول (عقائد، توحید، رسالت) ضروری ہیں اسی طرح فروع (احکام و مسائل) پر بھی عمل ضروری ہے۔ تو ضرورت دونوں میں مشترک ہے گو دونوں کی ضرورت کے درجہ میں فرق ہے مگر اس سے فروع کا غیر ضروری ہونا ثابت نہیں ہو سکتا۔

البتہ اگر کوئی شخص دونوں کام نہ کرسکے تو ایسے شخص کو چاہیئے کہ وہ یہ دیکھے کہ اس مقام پر مسلمانوں کو تبلیغ کرنے میں اصلاح کی زیادہ امید ہے یا غیر مسلموں میں تبلیغ کرنے میں ان غیر مسلموں کا زیادہ نفع ہے۔ بس جس صورت میں مخاطبین کے نفع کی زیادہ امید ہو اس صورت کو اختیار کرنا چاہیئے زیادہ اچھا ہے۔ (الافاضات الیومیہ، نہم، جزء اول ص۶۷)

تبلیغ میں بحث و مباحثہ کی ضرورت نہیں

"مسلمانوں کو اللہ کے نام پر یہ کام شروع کرنا چاہیئے اور ان لوگوں کی باتوں پر توجہ نہ کرنا چاہیئے (جو کام کی مخالفت کرتے ہیں) تبلیغ میں بحث و مباحثہ یا ہلڑ کی ضرورت نہیں، سکون و وقار سے کام کرو، جہاں مباحثہ کی دوسری طرف سے تحریک ہو وہاں کرو (بہ شرطیکہ مفسدۂ عظیمہ کا خطرہ نہ ہو) خود نہ چھیڑو بلکہ صاف کہدو کہ ہم اپنا کام کریں تم اپنا کام کرو، جس کا مذہب حق ہوگا اسکی حقانیت خود واضح ہو جائیگی ـــــ واللہ اسلام کی تعلیم وہ ہے کہ اس کی سادہ تعلیم کے مقابلہ میں کوئی تعلیم ٹھہر نہیں سکتی۔" (محاسن اسلام ص۲۹۸)

اصل کام دعوت الی اللہ ہے

اصل کام دعوت الی اللہ کا ہے اور اس کے محفوظ رکھنے کے لئے مدارس کی ضرورت ہے۔ اب یہ چاہیئے کہ جب مدارس سے ضروری علم حاصل کر لیں تو دعوت الی اللہ بھی کیا کریں۔ جس کا آسان ذریعہ وعظ ہے، اور پڑھنا پڑھانا اس کا مقدمہ ہے، اس لئے یہ شغل بھی ضرور رکھیں۔ جیسے نماز کے لئے وضو، اور وضو کے لئے پانی اور لوٹوں کا جمع کرنا ضروری ہے ایسے ہی تبلیغ کیلئے

پڑھنا پڑھانا ضروری ہے۔

مگر اگر کوئی شخص وضو اور لوٹوں ہی کے اہتمام میں رہے۔ وہ پانی ہی بھرا کرے اور نماز کا وقت گذر جائے تو کیا یہ شخص قابل تعریف ہے۔ پس اسی طرح پڑھنا پڑھانا دعوت الی اللہ کے صرف مقدمات ہیں۔ مگر ان مقدمات میں ایسی مشغولی ہوئی کہ اصل کام کو بھی بھول گئے۔ افسوس جو لوگ اس کے اہل تھے وہ لوگ بھی اس کو بھولے ہوئے ہیں۔ اور مقدمات (وسائل) ہی میں مشغول ہیں۔ اصل مقصود میں وقت صرف نہیں کرتے۔ (الدعوة إلى الله صـ۲۴)

تبلیغ میں کوشش کرنے کے معنی

کوشش کے یہ معنی نہیں کہ اس کا ثمرہ ضرور مرتب ہو جائے، مثلاً ہم مرتدین کو تبلیغ کریں تو وہ ارتداد سے بچ ہی جائیں۔ بلکہ کوشش کے معنی یہ ہیں کہ جو کام تمہارے قبضہ میں ہے وہ کر ڈالو، ان کو سمجھاؤ بجھاؤ، اسلام کے محاسن بتلاؤ، بس اس طرح کوشش کرو، اگر خدا نخواستہ پھر بھی ناکامی ہو تو رنج مت کرو، کیونکہ تم اپنے فرض سے سبکدوش ہو چکے۔

(ضرورتِ تبلیغ صـ۳۱)

یہ تمام اقتباسات "دعوت و تبلیغ کے اصول و احکام" مرتبہ مفتی محمد زید مظاہری ندوی سے ماخوذ و منتخب ہیں۔

تبلیغ اسلام

اہل افتاء کی نظر میں

غیر مسلموں میں دعوت الی الاسلام کے کام کی اہمیت' ضرورت اور اس کی شرعی و فقہی حیثیت کی وضاحت کے لیے پانچ سوالات پر مشتمل ایک استفتاء' اور اس کے بارے ہندوستان کے ممتاز دینی اداروں اور اصحاب افتاء کے چند جوابات ذیل میں نقل کیے جارہے ہیں' جن سے اس سلسلہ میں بڑی رہ نمائی حاصل کی جاسکتی۔ ہے اور اس مسئلہ کے متعدد پہلوؤں پر روشنی پڑتی ہے۔ نیز اربابِ افتاء کے نزدیک اس کام کی اہمیت وضرورت کا اندازہ ہوتا ہے۔

اس استفتاء میں کل پانچ سوالات کیے گئے ہیں۔ اسلام کی دعوت کا فقہی مرتبہ' دعوتِ اسلام مقدم ہے یا احکام کی دعوت' دعوت کا عمل صرف نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ خاص ہے یا اس کی ذمہ داری بعد میں امتِ مسلمہ پر بھی ہے' اسلام کی دعوت اور تعارف سے غافل یہ امت عند اللہ ماخوذ ہوگی یا نہیں' نیز دعوتی کام کرنے والوں کا تعاون کرنا شرعا کیا حکم رکھتا ہے؟

ان سوالوں کے جو جوابات ہمارے مؤقر اداروں کے دارالافتاء سے موصول ہوئے ہیں انہیں دعوتِ اسلام کے موضوع پر شائع ہونے والے اس خاص شمارہ کی زینت بنایا جارہا ہے۔ یہ تمام جوابات ہمارے ایک مخلص رفیق محترم مولانا معین الدین زلفی نے حاصل کیے ہیں۔ اس کے لیے ہم ان کے شکر گزار ہیں۔ مدیر

استفتاء

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسائل ذیل کے بارے میں :

سوال نمبر ۱ : غیر مسلموں میں اسلام کی دعوت اور مسلمانوں میں احکام شرع دینے کا شرعاً کیا درجہ ہے ؟ (فرض یا واجب، عین یا کفایہ)

سوال نمبر ۲ : دعوتِ اسلام مقدم ہے یا احکامِ اسلام ؟

سوال نمبر ۳ : کیا دعوت اسلام صرف نبی کریم ﷺ کی ذات گرامی کے ساتھ خاص تھی یا آپ ﷺ کے بعد امتِ مسلمہ پر بھی اس کی ذمہ داری عائد ہوتی ہے ؟

سوال نمبر ۴ : جن لوگوں تک اسلام کا تعارف یا دعوت نہیں پہنچ رہی ہے اور وہ حالتِ کفر میں مر رہے ہیں کیا امتِ مسلمہ عند اللہ ماخوذ ہوگی ؟

سوال نمبر ۵ : جو دعوتِ اسلام یا احکام، مسلموں اور غیر مسلموں میں کر رہے ہیں ان کا تعاون کرنا شرعاً کیا درجہ رکھتا ہے ؟

براہ کرم قرآن و حدیث کی روشنی میں جوابات مرحمت فرما کر عند اللہ ماجور ہوں۔ والسلام

جوابات

(۱)

وقف دار العلوم دیوبند

الجواب، حامداً ومصلیاً

نبی کریم ﷺ کی بعثت کے مقاصد میں داخل تھا کہ اسلام اور احکامِ اسلام کی تبلیغ فرما کر دنیا سے گمراہی اور ضلالت کو دور فرمائیں، متعدد نصوص قطعیہ اس پر شاہد

ہیں۔ یاأیھا الرسولُ بَلّغ ما أُنزل إلیکَ مِن رَّبك...... الایۃ

آپ ﷺ نے حسب موقع و حسب ضرورت طریقے دعوت کے اختیار فرمائے جس بے نظیر اولوالعزمی، جانفشانی، مسلسل جدوجہد اور صبر و استقلال سے فرض رسالت و تبلیغ کو ادا کیا ہے وہ اس کی واضح اور بین دلیل ہے کہ آپ ﷺ کو دنیا میں ہر چیز سے بڑھ کر اپنے فرض منصبی رسالت و ابلاغ کا احساس ہے، اللہ تبارک و تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کو دعوت اسلام کا کامیاب طریقہ بھی خود ہی مصرح فرمایا۔ اُدعُ اِلیٰ سَبیلِ ربك بالحِکمَۃِ وَالمَوعِظَۃِ الحَسَنَۃِ ...... الایۃ آپ ﷺ نے اس طریقہ کو ہر قدم پر پیش نظر رکھا اور کامیابی و کامرانی کا اعلیٰ مقام حاصل کیا۔ اس طریقۂ دعوتِ اسلام ہی کو دوسرے مقام پر اس طرح واضح فرمایا:

ولاتسبّوا الذین یدعون من دون اللہ بغیر علم ...... الایۃ۔ نبی کریم ﷺ نے تازیست پیغام رسالت کو پہنچانے کی پیہم سعی فرمائی، پھر حجۃ الوداع کے موقع پر اس ذمہ داری کی تکمیل اس حد تک فرمائی کہ عام خطاب فرماکر کہ "جو یہاں موجود ہیں وہ ان غائبین تک پہنچادیں جو یہاں موجود نہیں ہیں۔ اس طرح یہ سلسلہ قیامت تک کے لیے جاری فرمادیا یہ سب اسی پیغام کی تکمیل ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

ولتکن منکم امۃ یدعون الی الخیر، یامرون بالمعروف ...... الخ

یعنی ایمان، تقوی، اعتصام باللہ، اتفاق و اتحاد اسی وقت باقی رہ سکتا ہے جب مسلمانوں میں ایک خاص جماعت دعوت و ارشاد کے لیے باقی رہے اور اس کا طریقہ کار وہ ہو جو رسول اللہ ﷺ نے بایں الفاظ بیان کیا ہے:

من رأیٰ منکم منکرا فلیغیرہ بیدہ ......الخ (الحدیث)

یعنی حسب موقع، قول، عمل، تقریر، تحریر، وعظ و نصیحت اور ذرائع اشاعت وغیرہ کے ذریعہ ہر برائی کو دنیا سے مٹانے کی سعی کی جائے، لیکن یہ سعی حسب موقع و حسب استطاعت ہو، یعنی اس طریقہ کو اختیار کیے جانے میں کسی فتنہ میں مبتلا ہونے کا احتمال نہ ہو۔ ظاہر ہے کہ یہ کام وہی حضرات کر سکتے ہیں جو معروف کا علم رکھتے (ہوں) اور قرآن و سنت سے باخبر ہونے کے ساتھ ذی ہوش، موقع شناس بھی ہوں۔ ورنہ بہت ممکن ہے کہ ایک جاہل آدمی معروف کو منکر اور منکر کو معروف خیال کر کے بجائے

اصلاح کے سارا نظام ہی مختل کر دے۔ یا ایک منکر کی اصلاح کا ایسا طریقہ اختیار کر لے جو اس سے بھی زیادہ منکرات کے حدوث کا موجب ہو جائے۔ یا نرمی کی جگہ سختی اور سختی کی جگہ نرمی برتنے لگے۔ یا احوال و کوائف کو مد نظر نہ رکھ کر عظیم فتنہ میں مبتلا ہو جائے۔ شاید اسی لیے مسلمانوں میں سے ایک مخصوص جماعت کو اس منصب پر مامور کیا گیا ہے جو ہر طرح دعوت خیر' امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی اہل ہو۔

اس مختصر وضاحت کی روشنی میں معلوم ہوا کہ :

۱۔ غیر مسلموں میں اسلام اور مسلمانوں میں احکام کی دعوت دینا فرض کفایہ ہے۔

۲۔ اسلام اور احکام اسلام کی دعوت میں تقدم و تاخر زمانہ اور احوال کے اعتبار سے ہے۔

۳۔ دعوت اسلام ہو یا دعوت احکامِ اسلام' اس کی ذمہ داری صرف آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم پر ہی نہیں بلکہ حسب وضاحت مذکور تمام مسلمانوں پر بھی عائد ہوتی ہے۔

۴۔ اگر کسی بڑے فتنہ میں مبتلا ہونے کا احتمال ہو اس لئے کسی علاقہ کے لوگوں کو دعوت نہ پہونچ سکی تو انشاء اللہ امتِ مسلمہ ماخوذ نہ ہو گی۔

۵۔ جو جماعت دعوت اسلام یا دعوت احکامِ اسلام کا کام انجام دے اس جماعت کا تعاون کرنا بلا شبہ موجب اجر و ثواب ہے۔ تعاونوا علی البر والتقوی (قرآن کریم)

الجواب صحیح | واللہ اعلم

خورشید عالم غفرلہ
مفتی وقف دار العلوم دیو بند

احقر محمد احسان غفرلہ
خادم دار الافتاء وقف دار العلوم دیو بند

دار العلوم ندوۃ العلماء' لکھنؤ

۱۔ دونوں فرض کفایہ ہیں۔

۲۔ اس میں موقع و محل کا لحاظ کر کے مقدم کیا جائے گا۔ دراصل دونوں کی برابر درجہ میں اہمیت ہے۔

۳۔ آپ ﷺ کی امت پر بھی دعوت اسلام کی ذمہ داری "التکلیف مقید بالوسع" کے بقدر ہو گی۔

۴۔ نہیں۔ کیوں کہ اسلام کے عام ہو جانے کے بعد ان کی ذمہ داری ہے کہ اسلام کو خود معلوم کریں۔

۵۔ واجب کفائی ہے' تاکہ وہ اس کو انجام دے سکیں۔ فقط

محمد مستقیم ندوی

جواب صحیح ہے

ناصر علی

دار الافتاء ندوۃ العلماء لکھنؤ

مدرسہ مظاہر علوم (وقف) سہارنپور

حامدا و مصلیا و مسلما!

۱۔ فرض کفایہ ہے۔

۲۔ ان میں احوال کے اعتبار سے تقدیم و تاخیر ہو سکتی ہے۔

۳۔ یہ امت کے ہر فرد کی ذمہ داری نہیں ہے' جن کی ہے وہ بحمد اللہ پورا کر رہے ہیں۔

۴۔ اسلام و احکام اسلام جاننا ہر شخص کی اپنی ذمہ داری ہے۔

۵۔ بھلائی کا تعاون کرنا باعثِ ثواب ہے۔

فقط

کتبہ اشتیاق احمد

مفتی مظاہر علوم وقف سہارنپور

مدرسہ امینیہ اسلامیہ، دہلی

۱۔ فرض علی الکفایہ ہے۔ و لتكن منكم امة يدعون الى الخير، يأمرون بالمعروف و ينهون عن المنكر الخ.

۲۔ دعوت اسلام مقدم ہے، اس کے بعد دعوت احکام ہے۔

۳۔ نہیں۔ آپؐ کے بعد بھی امت کے اہل علم میں سے ایک جماعت کے ذمہ ہے۔

۴۔ اسلام کا تعارف تو ہو چکا، دعوت بھی پہنچ چکی، تاہم اس خدمت کو انجام دینا چاہئے۔ قد تبين الرشد من الغى.

۵۔ باعث اجر و ثواب ہے۔ فقط واللہ اعلم

عبدالرحمٰن غفرلہ
مفتی مدرسہ امینیہ، دہلی

مفتی محمد مکرم صاحب مسجد فتح پوری، دہلی

۱۔ فرض کفایہ ہے۔

۲۔ دونوں اہم ہیں۔

۴۔ اگر کوتاہی برتے گی تو ماخوذ ہوگی۔

۵۔ لازم ہے۔

واللہ اعلم

محمد مکرم احمد غفرلہ

فرض کفایہ کی حقیقت .فرض کفایہ کا لفظ سن کر عام طور سے لوگوں کا ذہن نماز جنازہ کی طرف جاتا ہے اور نماز جنازہ پر قیاس کرتے ہوئے ہر فرض کفایہ کے بارے میں یہ سمجھا جاتا ہے کہ چند آدمی اگر اس کی ادائیگی کے لیے کھڑے ہو جائیں تو سب کے ذمہ سے فریضہ ساقط ہو جاتا ہے، لہٰذا اگر دنیا کے مختلف گوشوں میں چند افراد بھی تبلیغ و دعوت، امر بالمعروف نہی عن المنکر کی ادائیگی میں لگے ہوئے ہیں تو ساری امت مسلمہ گناہ سے بچ جائے گی۔

اسلام نے جن کاموں کو فرض کفایہ یا واجب علی الکفایہ قرار دیا ہے ان کا مطالبہ امت مسلمہ کے ہر ہر فرد سے انفرادی طور پر نہیں ہوتا، بلکہ امت سے اجتماعی طور پر مطالبہ ہوتا ہے کہ ان کاموں کو بحسن و خوبی انجام دے اور اتنے افراد اس کام میں لگ جائیں جو اسے کما حقہٗ انجام دے سکیں۔ اگر ہر شخص نے دوسرے پر ٹال دیا، کوئی اس کی ادائیگی کے لیے تیار نہیں ہوا، یا صرف گنے چنے لوگ اس کام میں لگے جو اسے پورا نہ کرسکے تو پوری امت پر ترکِ فریضہ کا وبال ہوگا۔ مثلاً نماز جنازہ اور جہاد فی سبیل اللہ دونوں فرض کفایہ ہیں اگر نماز جنازہ اور میت کی تکفین و تدفین کے لیے ۸ ــ ۱۰ آدمی تیار ہو گئے اور انہوں نے حسن و خوبی کے ساتھ یہ فریضہ انجام دے لیا تو ساری امت گناہ سے بچ گئی، کیونکہ ۸ ــ ۱۰ آدمیوں ہی کے ذریعہ یہ فرض کفایہ انجام پا گیا۔ اس کے برخلاف اگر دشمن سے جہاد و قتال کے لیے صرف پندرہ بیس افراد تیار ہوئے جو دشمن کا ایک معمولی حملہ بھی نہیں روک سکتے اور دشمنانِ اسلام کی فوج فتحیاب ہوتی رہی تو کیا ان پندرہ بیس افراد کی مستعدی اور جاں نثاری پوری امت کو ترک فریضہ کے گناہ سے بچا سکتی ہے؟ نہیں اور ہرگز نہیں۔ فریضۂ جہاد سے امت مسلمہ اسی وقت سبکدوش ہو سکتی ہے جب کہ امت کے اتنے افراد اس فریضہ کی ادائیگی میں لگ جائیں جو اسلامی سرحدوں کی حفاظت کرسکیں، دشمن کو ناکام و ذلیل کر کے اعلاءِ کلمۃ اللہ کی اہم ذمہ داری پوری کرسکیں۔ اگر عالم اسلام کے ایک خطہ میں مجاہدوں کی سرفروش جماعت موجود ہے جو اس خطہ کی حفاظت اور وہاں اعلاء کلمۃ اللہ کر رہی ہے لیکن دوسرے خطوں کے مسلمان اپنے علاقوں میں فریضۂ جہاد سے غفلت برت رہے ہیں اور ان علاقوں میں کفار و مشرکین مسلمانوں کی جان و مال اور آبرو سے کھیل رہے ہیں تو کیا صرف اس خطہ کے مجاہدین کی سرفروشی اور جاں بازی ساری دنیا کے مسلمانوں کو فریضۂ جہاد سے سبکدوش کر دے گی؟ نہیں اور ہرگز نہیں ـــ عالم اسلام کے ہر علاقہ میں مجاہدین کی ایسی جماعت کی موجودگی ضروری ہے جو اسلامی سرحدوں کی حفاظت کرسکے، کسی خطہ کے مسلمان اگر اس میں مجرمانہ غفلت برتتے ہیں تو وہ ترکِ فریضۂ جہاد کے وبال سے نہیں بچ سکتے خلاصہ یہ کہ محض چند افراد کا فرض کفایہ کی ادائیگی میں لگ جانا ان چند افراد کو تو گناہ سے بچا سکتا ہے لیکن پوری امت تو فرض کفایہ سے اسی وقت سبکدوش ہوگی جب اتنے افراد اور ایسے افراد اس کام میں لگ جائیں جو بحسن و خوبی اسے انجام دے لیں۔ مولانا عتیق احمد بستوی

نور ہدایت

بسم الله الرحمن الرحيم

وَ مَنْ اَحْسَنُ قَوْلاً مِّمَّنْ دَعَاإِلَى اللّٰهِ وَعَمِلَ صَالِحًا وَّ قَالَ اِنَّنِیْ مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ ، وَلاَ تَسْتَوِی الْحَسَنَةُ وَلاَ السَّیِّئَةُ . اِدْفَعْ بِالَّتِی هِیَ اَحْسَنُ فَاِذَا الَّذِیْ بَیْنَكَ وَ بَیْنَه عَدَاوَةٌ كَاَنَّه وَلِیٌّ حَمِیْم (حم سجده ۳۳. ۳٤)

اوراس سے بہتر کس کی بات ہو سکتی ہے

جو خدا کی طرف بلائے ——— اور

نیک عمل کرے ——— اور

کہے کہ میں فرمانبر داروں میں سے ہوں۔

اور نیکی اور بدی برابر نہیں ہوتی

آپ نیک بر تاؤ سے ٹال دیا کیجئے

پھر یکایک آپ میں اور جس شخص میں عداوت تھی وہ ایسا ہو جائیگا

جیسے کوئی دوست ہو تا ہے۔

نور نبوت

لأن يهدى الله بك رجلا خير لك من حمر النعم (الحديث)

اگر اللہ تمہارے ذریعہ ایک آدمی کو ہدایت دیدے

تو یہ تمہارے لئے سُرخ اونٹوں سے بہتر ہے۔"

اداریہ

مجھے کہنا ہے کچھ اپنی زبان میں

اللہ کا شکر و احسان ہے کہ اس نے ماہنامہ ارمغان کی زیر نظر دوسری جلد پیش کرنے کی سعادت عطا فرمائی۔ جب اس خاص نمبر کا اعلان کیا گیا تھا تو اسکی بالکل توقع نہیں تھی کہ ہمیں اپنے اکابر علماء کرام اور اصحاب قلم کی اس قدر توجہ حاصل ہوجائے گی اور وہ اتنی بڑی تعداد میں اپنے مقالات اور مضامین سے نواز کر ہماری ہمت افزائی فرمائیں گے لیکن رفتہ رفتہ جب تمام مضامین جمع ہو گئے تو ان کی تعداد ہماری توقع سے بہت زائد تھی جن کا ایک ساتھ ایک جلد میں شائع کرنا ہمارے لئے دشوار تھا۔اسلئے یہ فیصلہ کیا گیا کہ اس جلد کو دو حصوں میں تقسیم کر دیا جائے اور ان کو معمولی وقفہ کے ساتھ شائع کر دیا جائے اسی کے مطابق ان تمام مضامین کو مرتب کر لیا گیا اور اسکے مضامین کی فہرست بنا لی گئی ۔ لیکن بعض وجوہات کی وجہ سے اسکی طباعت میں مزید تاخیر ہوتی رہی اس تاخیر کی وجہ سے بعد میں یہ طے کیا گیا کہ اسے اسکی پرانی ہی شکل کے مطابق ایک ساتھ یکجا طور پر فوراً شائع کر دیا جائے ۔ اور اپنے قارئین کی خدمت میں پیش کر دیا جائے۔

اسلئے ارمغان کے دعوت اسلام نمبر کی یہ دوسری جلد اپنے معزز قارئین کی نذر ہے۔ ربنا تقبل منا انك انت السميع العليم' وتب علينا انك انت التواب الرحيم.

وصی سلیمان ندوی

اسلامی دعوت کی اہمیت، ضرورت اور افادیت

نیز مختلف طبقات میں اس کے طریقۂ کار کے بارے میں ایک رہ نما کتاب

ارمغانِ دعوت

مولانا محمد کلیم صدیقی

نفرت و عداوت اور خدا فراموشی کے اس دور میں بھٹکتی ہوئی انسانیت کو در در کی غلامی سے نجات دلانا اور اسلامی دعوت کا کام کرنا ملت کی اہم ذمہ داری اور اس کے تمام مسائل کا حل ہے۔

صفحات ۱۲۰

قیمت صرف ۱۵؍روپے

ملنے کا پتہ

جمعیت شاہ ولی اللہ

پھلت ضلع مظفرنگر، یوپی

Pin- 251201

موجودہ عالم اسلام کیلئے

فیصلہ کن محاذ اور مرکزی میدانِ عمل

★ــــ مفکرِ اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی مدت برکاتہم

الحمد للہ وحدہٗ والصلوٰۃ والسلام علی من لا نبی بعدہٗ:

حضرات! ہم سب سے پہلے اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا کرتے ہیں اور ان لوگوں کے شکر گذار ہیں جنھوں نے میرے لئے یہ موقع فراہم کیا کہ آپ سے دعوتِ اسلام کے موضوع پر کچھ عرض کروں میرے لئے یہ بات باعثِ مسرت ہے کہ میرے مخاطب وہ حضرات ہیں جو امت کی فکری رہنمائی کر رہے ہیں اور اسلامی جمعیتوں اور تنظیموں کے ذمہ دار ہیں اور سب ہی دین کی خدمت سے وابستہ ہیں، اور سب سے زیادہ یہ بات میرے جذبات کے لئے مہمیز کا کام کر رہی ہے کہ یہ گفتگو وہاں ہو رہی ہے جو دعوتِ اسلام کا اولین مرکز، رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے مبعوث ہونے کی جگہ اور دیارِ امین ہے میں اگر اپنے آپ کو مخاطب کرکے ایک عرب شاعر کا یہ شعر پڑھوں

تو بے جا نہ ہو گا۔

حمامة جرعیٰ حومة الجندل اسجعی
فأنت بمرأی من سعاد ومسمع

"حومۃ الجندل کی بلبل: (مناسب وقت ہے کہ) تو نغمہ سرا ہو۔ شعاد نگاہوں کے سامنے گوش برآواز ہے۔

حضرات! دعوتِ اسلامی کا موضوع کوئی نیا موضوع نہیں ہے اس پر بہت کچھ لکھا اور بہت کچھ کہا جا چکا ہے اور عصر حاضر میں تو اس پر کافی ریسرچ کیا گیا ہے، تحقیقی مقالات اور کتابیں لکھی گئیں، بلکہ یوں کہنا چاہیئے کہ اس موضوع پر پوری لائبریری تیار ہو چکی ہے [1] جو اپنی صوری اور معنوی ہر لحاظ سے ممتاز ہے لہٰذا میں چاہتا ہوں کہ اپنی گفتگو صرف ایک موضوع پر محدود رکھوں اور وہ ہے "دعوتِ دین کے فیصلہ کن محاذ اور اس کے مرکزی میدانِ عمل"، جن سے نہ صرف دعوت کا رخ

---

[1] مجھے بھی اللہ تعالیٰ نے توفیق دی ہے کہ اس موضوع پر علمی اور تحقیقی انداز میں کچھ لکھوں، چنانچہ میری کتابیں (۱) رجال الفکر والدعوۃ فی الاسلام (تاریخ دعوت وعزیمت، چار جلدوں میں (۲) قرآن وسیرتِ نبوی میں دعوتِ دین کا اسلوب۔ (۳) ہندوستان میں اسلامی دعوت اور اس کا ارتقاء (۴) دعوت کا حکیمانہ اسلوب اور مبلغین کے اوصاف۔ (۵) دینی دعوت ہی کے ذریعہ سوسائٹی کو جاہلیت سے بچایا جا سکتا ہے۔ اور دین کو تحریف سے محفوظ رکھا جا سکتا ہے (۶) علماء ومبلغین کے لئے اصلاح کا صحیح طریقہ۔ (۷) علماء کی تربیت اور دین کا داعی تیار کرنے میں اسلامی یونیورسٹیوں کا کردار، اسی موضوع پر ہیں۔

متعین کیا جا سکے گا بلکہ عالمِ اسلام کی منزل کا تعین ممکن ہو گا، میں اپنے محدود مطالعہ ماضی کے تجربات اور حقائق کی روشنی میں صرف انہی گوشوں کی نشان دہی کروں گا۔ و باللہ التوفیق۔

۱۔ مسلم عوام اور ان کے تمام گروہوں میں ایمان کی قوت بیدار کرنا، اور اس کو جِلا دینا، کیونکہ ان گروہوں اور ان عوام کا اسلام سے وابستہ رہنا اور اس کے لئے ان کے دلوں میں جوش کا قائم رہنا ایک مستحکم اور ایک بلند شہر پناہ کی حیثیت رکھتا جس پر اس شہرِ اسلام کی بقاء کا دار و مدار ہے۔ یہی وہ خام مال ہے جو ہر پاک و مفید مقصد کے لئے استعمال ہو سکتا ہے، اور ایسے افراد کا وجود جوشِ عمل اور وسعتِ قلب و نظر اور اخلاص کے لحاظ سے پوری انسانی آبادی کا جوہر اور اس کا سب سے مفید اور مضبوط ترین مجموعہ ہو گا۔

ایمان کی پختگی اور دین کے لئے سرگرمی اور جوشِ عمل اسی وقت کار آمد ہو گی جب اس کے شرائط بھی پورے ہوں۔ اور ان افراد میں وہ اوصاف بھی پائے جاتے ہوں جن کی بنا پر وہ نصرتِ خداوندی کے مستحق ہوں، اور مشکلات پر قابو پانے اور دشمنوں پر غالب آنے کے سزاوار ہوں، وہ بنیادی شرائط یہ ہیں عقیدہ کی تصحیح، صرف خدائے واحد کی عبادت، اور ہر قسم کے شرک اور غلط عقائد سے مبرّا ہونا، جاہلیت کے رسوم اور غیر اسلامی شعائر، نفاق، عمل اور عقیدہ میں دورُخی، قول و عمل کے درمیان تضاد، اور گزشتہ اقوام کی روِش سے اجتناب۔ جو اپنی بداعمالیوں کی پاداش میں اللہ کے عذاب اور بے تعلقی کی مستحق قرار دی گئیں نیز موجودہ اقوام کی روش سے پرہیز جو اللہ کو بھول گئیں تو اللہ نے ان کو خود

فراموش کر دیا، اور جو دنیا کو ہلاکت اور تباہی کے راستے پر چلا رہی ہیں۔

اسی کے ساتھ دینی شعور کو۔ صحیح راستہ پر لگانا، اور اس شعور کی پرورش کرنا بھی ضروری ہے۔ جس سے وہ مسائل و حقائق کو اچھی طرح سمجھ سکیں دوست و دشمن میں تمیز کر سکیں اور نت نئے انداز کی تحریکوں کے دھوکے میں نہ آئیں تاکہ ہماری اگلی زندگی میں وہ ایسے دوبارہ نہ پیش آئیں جو قومی نعرہ بازیوں اور جاہلیت کی تحریکوں کا شکار ہونے سبب پیش آئے یا جو لسانی تعصب اور رسم و رواج کی پابندی کی وجہ سے نیز چالاک و ناپاک قیادتوں اور بیرونی سازشوں کے سبب مسلم عوام کی تباہی کا سبب بنیں، اور دینی شعور اور فراستِ ایمان کی کمی کی وجہ سے مسلم عوام اپنی سادہ لوحی کا شکار ہو گئے۔

۲۔ مذہبی حقائق اور دینی تصورات کو تحریف اور عصرِ حاضر کے مغربی تصورات سے محفوظ رکھنا، سیاسیات و اقتصادیات کی اصطلاحوں کو دینی مقاصد کے بیان کرنے کے لئے استعمال کرنے سے باز رکھنا چاہئے اور دین کو خالص سیاسی نظریہ کے طور پر پیش کرنے اور عصر حاضر کے فلسفیانہ اصول سے اسلامی اصول کو مطابق کرنے کی مبالغہ آمیز کوشش کے نقصانات سے باخبر رہنا بھی ضروری ہے، کیونکہ دینی حقائق اسلام کے بنیادی اور ہمیشہ یکساں قائم رہنے والے اصول ہیں۔ وہ اپنی جگہ پر مستقل بالذات ہیں اور وہ خود اپنے معیار ہیں، ان معیاروں کو کسی دوسری کسوٹی پر جانچنے کی ضرورت نہیں ہے، اس کو ناپنے کے لئے خود اُسی کا گز ہے۔ انبیائے کرام کی دعوت کا موضوع یہی اصول تھے، اور اسی کے لئے انھوں نے جہاد کیا۔ اور اسی کے

لئے انھوں نے سعی و جدوجہد کی، اور انہی پیمانوں پر آسمانی کتابیں نازل ہوئیں۔

اسی طرح ان باتوں سے پرہیز بھی ضروری ہے جو اللہ اور اس کے بندوں کے درمیان تعلق کو کمزور کرے، آخرت پر ایمان کی اہمیت گھٹائے اور مومن کے دل سے احکامِ خداوندی پر عمل کرنے کے جذبہ کو، اس کی خوشنودی حاصل کرنے کے شوق کو، اللہ سے تقرب کی تمنا کو اس کی رضا کے لئے اور اس کے ثواب کی امید میں کاوش کرنے کو بے اہمیت قرار دے۔ کیونکہ یہ باتیں اگر پیدا ہو گئیں تو امت کا تشخص اور اس کی انفرادیت مجروح ہو گی اور عند اللہ ایسے لوگوں کا کوئی وزن نہیں رہے گا۔ اسی طرح بت پرستی کے عقیدوں، صریح شرک، اور جاہلی عقیدہ ورواج کی برائیاں بھی ذہن نشین ہونا چاہیئے۔ اور صرف دستور ونظام پر تنقید اور غیر اسلامی حکومتوں کی زبانی مخالفت کو کافی سمجھنا دین کے قدیم سماوی اسلوب سے روگردانی اور جدید سیاسی اسلوب کی پیروی ہے۔

۳۔ نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روحانی، جذباتی اور قلبی تعلق کی پختگی اور آپ کی ذاتِ گرامی سے گہری محبت جو اپنی ذات، اہل وعیال اور آل واولاد سے ہو، جیساکہ صحیح احادیث سے ثابت ہے، رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر اس حیثیت سے ایمان کہ آپ خاتم الرسل، مولائے کل اور ہادیِ سُبُل ہیں اور آپ سے تعلق خاطر دین کی بنیاد ہے لہٰذا ان عوامل سے بچنا ضروری ہے جو اس محبت کے سرچشمہ کو خشک کرنے کا سبب بنیں، یا کم از کم ان کو کمزور کریں جذبات واحساسات میں سرد مہری پیدا کریں، اور اس کے نتیجہ میں سنت پر

عمل میں کوتاہی پیدا ہو، بے باکی اور دریدہ دہنی پیدا ہو، مزاج وافتاد ایسے رخ پر پڑ جائے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو سرمایۂ فخر باور کرنے اور آپ کی سیرت پڑھنے اور سمجھنے کا شوق کم ہو، اور آپؐ کی محبت ابھارنے اور اس کو غذا دینے کے ذرائع سے روگردانی مذاق عام بن جائے، ہمارے موضوع کے اس پہلو پر ہر ایک کو توجہ کرنے کی ضرورت ہے۔ اور خاص طور پر عرب بھائیوں کو اِس کی فکر زیادہ کرنی چاہیئے، کیونکہ عرب قومیت کی تحریکوں اور ماضی قریب کے حوادث نے ان کو اس سرچشمہ سے دور کرنے کی کوشش کی ہے جو ان کا سرمایۂ حیات ہے اور جس کے وہ زیادہ حق دار اور زیادہ ضرورت مند ہیں کیونکہ بعثتِ محمدیہ سے یہی سرزمین مشرف ہوئی۔ اور قرآنِ کریم ان کی زبان میں نازل ہوا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہی کی زبان میں گفتگو فرمائی۔

۴۔ تعلیم یافتہ طبقہ میں اور اس طبقہ میں اسلام پر اعتماد کی بحالی جن کے ہاتھوں میں تعلیم وتربیت اور وسائلِ ابلاغ کی باگ ڈور رہے۔ اسلام پر اعتماد کی بحالی کا مطلب یہ ہے کہ انھیں اس بات کا یقین ہو کہ اسلام کے اندر نہ صرف زمانہ کو ساتھ لے کر چلنے اور تعمیر وترقی کے میدان میں ہر ایک سے آگے بڑھنے کی صلاحیت ہے بلکہ وہ پوری انسانی آبادی کی قیادت بھی کرسکتا ہے، اور وہی زندگی کی کشتی کو ماہرانہ صلاحیت سے کھے کر سلامتی وخوش حالی کے کنارے تک پہونچا سکتا ہے، انسانی آبادی کو ہلاکت اور خودکشی کی راہ سے نکال سکتا ہے جس میں مغرب کی بوڑھی اور اندھی قیادت نے اس کو ڈال دیا

ہے، اور وہ سمجھ سکیں کہ وہ ایسی بڑی نہیں ہے جو ڈسچارج ہو چکی ہے یا وہ دیا نہیں ہے جس کا تیل خشک ہو چکا ہو اور جس کی بتی جل چکی ہو، بلکہ وہ ایک عالمی و سرمدی پیغام ہے اور سفینۂ نوح کی طرح تنہا سفینۂ نجات ہے جس پر سوار ہونے والے ہی غرق ہونے سے نجات پا سکتے ہیں۔

دین کی صلاحیت کے متعلق اعتماد کی کمی یا اسکا معدوم ہونا دراصل اس تعلیم یافتہ طبقہ کا مرض ہے جس نے مغربی ثقافت کے آغوشِ تربیت میں شعور کی آنکھیں کھولی ہیں۔ یا جس کو مغرب کی بالادستی نے یہی باور کرایا ہے۔ یہی طبقہ پوری ملت کی تباہی کا ذمہ دار اور ذہنی ارتداد کا سبب ہے۔ ساری دستوری یا تمدنی بدعنوانیاں جو پورے عالم اسلام کو کھوکھلا کر رہی ہیں وہ اسی طبقہ کی کم نگاہی یا بے راہ روی کا نتیجہ ہیں، مگر یہی لوگ مسلم اقوام پر مسلط ہیں جو صرف ایمان و قرآن کی زبان سمجھتا تھا اور جس کے اندر جوشِ عمل تھا، اور دین کے لئے قربانی کا جذبہ تھا غرض اسی نظامِ تعلیم نے حکمراں طبقہ اور جمہور کے درمیان گہری اور وسیع خلیج حائل کر دی ہے جس کی وجہ سے ہر جگہ ایک عمومی بے چینی اور اضطراب کا دور دورہ ہے، اور اس بات نے افراد کی ذہنی و عقلی قوتوں کو ایسے کاموں میں لگا دیا ہے جس کا کوئی فائدہ ان اقوام کو نہیں حاصل ہوا۔

۵- ضرورت ہے کہ مغرب سے درآمد کیا ہوا نظامِ تعلیم جو پورے عالم اسلام میں رائج ہے ایک بار نئے سرے سے اس کا جائزہ لیا جائے اور اس کو ایسے قالب میں ڈھالا جائے جو مسلم اقوام کے قد و قامت پر راست آئے

اس کے عقیدہ و پیغام سے ہم آہنگ ہو اور جس سے مسلم قوم کی معنوی خصوصیت نمایاں اور اس کی انفرادیت آشکارا ہو، مادی و الحادی عناصر سے پاک ہو تاکہ کائنات کا صرف مادّی تصور اس کے سامنے نہ ہو، کیونکہ جہاں تک علوم کا تعلق ہے وہ سب ایک دوسرے کا کاٹ کرنے والی اکائیاں ہیں جبکہ نظامِ فطرت ایک بے قید اور سب کو پامال کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے، تاریخ انسان کے اضطراب و بے چینی اور آپس کی جنگوں کے لامتناہی افسانوں کا پلندہ ہے، ان کو بنیاد بنا کر جب بھی عقلِ انسانی کی پرورش اور اس کے نمو و بالیدگی کی کوشش کی جائے گی تو کامیابی کا دائرہ محدود سے محدود تر ہوگا۔

نظامِ تعلیم میں جزوی اصلاحات اور معمولی کتربیونت کارآمد نہیں ہو سکتی، اس لئے ضرورت ہے کہ خواہ جس قدر بھی وسائل اور غور و فکر کی ضرورت پڑے، اچھے سے اچھے ذہن و فکر سے مدد لی جائے بہتر سے بہتر وسائل اختیار کئے جائیں تاکہ ایک پائیدار اور مفید نظامِ تعلیم و تربیت امّت کو مل جائے کیونکہ اس کے بغیر عالمِ اسلام اپنے پیروں پر کھڑا نہیں ہو سکتا، اپنی عقل اور ارادے کے مطابق کام نہیں کر سکتا، اس کے بغیر نہ تو حکومتوں کو مسلمان کارندے مل سکتے ہیں نہ مخلص منتظمین مل سکتے ہیں، نہ ایسے مومن و مخلص افراد مل سکتے ہیں، جو اسلامی تعلیمات کے مطابق سرکاری دفاتر، عوامی رفاہیت کے اداروں، انتظامیہ اور عدلیہ دانش گاہوں اور وسائلِ اعلام کو پابند کر سکیں تاکہ اسلام کا نظامِ معاشرت و حکومت پورے جمال و کمال کے ساتھ سامنے آئے اور مسلم سوسائٹی، اپنی خصوصیات اور انفرادی امتیازات کیساتھ دنیا کے سامنے آئے۔

۶۔ اس مقصد کے لئے ایک بین الاقوامی پیمانے پر مضبوط تحریک ہونی چاہئے کہ دنیا کے پڑھے لکھے سمجھ دار طبقہ میں اسلام کے علمی خزانوں کا تعارف کرایا جائے اور مسلمانوں کے علمی و دینی کارناموں سے انھیں آگاہ کیا جائے، علوم اسلامیہ میں زندگی کی ایک نئی روح پھونک کر متمدن دنیا پر یہ واضح کر دیا جائے کہ اسلام کے عائلی و اجتماعی قوانین دنیا کے بلند ترین اور وسیع ترین اصول پر مبنی ہیں اور وہ اصول جو نظام فطرت سے ہم آہنگ ہیں اور ان میں کبھی کسی تبدیلی کا امکان نہیں ہے اور اس کی نفع بخشی اور قوت کسی زمانہ میں نہ کم ہوئی اور نہ ہو سکتی ہے۔ اور وہ انسانی زندگی کی رہنمائی وقت کے ہر دھارے پر اور زندگی کے ہر موڑ پر پوری ذمہ داری کے ساتھ انجام دے سکتی ہے، اور لوگوں کے بنائے ہوئے قانون جن کو "وضعی قوانین" کہا جاتا ہے، سے بدرجہا بہتر و مفید اور پائیدار ہیں۔

۷۔ انسانی نفوس اور قومی وجدان میں تمدنی نظام کی جڑیں بہت گہری ہوتی ہیں خاص طور پر ایسا نظامِ معاشرت جو دینی بنیادوں اور اس کی تعلیمات کے سایہ میں پروان چڑھا ہو، اور جس کی تعمیر میں ایک خاص انداز کے مذہبی ذوق کو دخل ہو، اور جس پر اُس قوم کی چھاپ ہو، ایسے نظامِ معاشرت (یا تمدن) سے کسی قوم کو الگ کرنا اس کی زندگی کے میدان سے خارج کر دینے اور عقیدہ و عبادت اور مذہبی مراسم کے تنگ چوکھٹے میں قید کر دینے اور اس کے حاضر کا رشتہ ماضی سے توڑ دینے کے مرادف ہے، لہٰذا اسلامی حکومتوں اور مسلم سوسائٹیوں کا فرض ہے کہ وہ ایک مستقل بالذات تمدن کی باریک بینی

کے ساتھ تشکیل کریں جو مغرب کی کورانہ تقلید، بغیر پلاننگ کے سرسری اقدام اور احساس کمتری کے آثار سے پاک ہو، اسلامی تمدن کی نمائندگی پورے طور پر اسکے مرکزی قیادت میں، اداروں میں، گھروں میں، اجتماعی جگہوں میں، ہوٹلوں میں، تفریح گاہوں میں اور کسی حد تک اس کے دفتروں اور ہوائی جہازوں میں اور سفارت خانوں میں ہونی چاہیے۔ اس سے صرف یہی نہیں ہوگا کہ اسلامی ممالک اسلامی زندگی کا ایک نمونہ پیش کریں گے بلکہ اسلام کی ایک خاموش تبلیغ بھی ہوگی۔

۸۔ مغربی تمدن بشمول مغربی علوم ونظریات کو ایجادات وامکانیات کے ایک خام مال کی حیثیت سے قبول کیا جائے جس سے عالم اسلام کے فکری رہنما اور سربراہ ایک ایسا پائیدار مناسب وقت تمدن تیار کریں جس کی بنیاد ایمان واخلاق، پرہیزگاری اور رحم وانصاف پر ہو، دوسری طرف اس میں نمو وافزائش کی گنجائش ہو، اس میں قوت اور ترقی ہو، جس کا اثر تمام شعبۂ حیات پر پڑے، پیداوار بڑھے اور عوام میں خوش حالی آسکے خلاصہ یہ کہ مغربی علوم سے وہ چیزیں لی جائیں جنکی مسلم عوام یا مسلم ممالک اور حکومتوں کو ضرورت ہے جس سے عملی فوائد میسر ہوں اور جس پر مغرب و مشرق کی چھاپ نہ ہو، اس کے علاوہ وہ چیزیں جس کی انھیں ضرورت نہیں ہے اُس سے استغنا برتا جائے مغرب سے معاملہ ایک ہمراہی اور مدمقابل کے جیسا ہو، کیونکہ اگر مشرق اس بات کا محتاج ہے کہ مغربی علوم سے بقدرِ ضرورت اخذ کرے تو مغرب بھی بہت سی چیزیں مسلم ممالک سے لے سکتا ہے، ممکن ہے کہ مغرب کو ان ممالک سے سیکھنے

اور حاصل کرنے کی زیادہ ضرورت ہو۔

۹۔ مسلم ممالک میں چند ایسے ملک بھی ہیں جنہوں نے ماضی میں دعوتِ اسلامی اور اسلامی تمدن کی قابلِ ذکر اور شاندار خدمتیں انجام دی ہیں۔ اور عصرِ حاضر میں جو اس بات پر تلی ہوئی ہیں جس طرح ممکن ہو اسلامی عنصر کو ناپید کر دیا جائے یا جن کے یہاں "یہ دیگر لیسو اسلام" کو مقبول بنانے کی کوشش کی ہو رہی ہے، اور اسلام کی تفسیر سیاسی مصالح اور حکمرانوں کے شخصی ذوق و مزاج کے مطابق کی جا رہی ہے ان حکومتوں کو یاد دلایا جائے کہ یہ سیاست ایک ناکارہ اور بانجھ سیاست ہے جو کسی اسلامی ملک میں کبھی کامیاب نہیں ہوئی۔ ان حکومتوں کو یہ یاد دلانے کی ضرورت ہے کہ وہ بجائے ناممکن العمل اور غیر فطری کوششوں کے اپنی قوت اور اپنی امکانی صلاحیتوں کو ملک و ملت کے مشترک دشمن کے خلاف صرف کریں جس سے ملک و ملت کو تقویت حاصل ہو۔

جہاں تک اُن ممالک کا تعلق ہے جن میں اکثریت مسلمانوں کی ہے، اور حکمرانِ اسلام سے صلح کل قسم کا معاملہ کرتے ہیں وہاں اسلامی قوانین کے نفاذ کی ضرورت ہے، اور اس کے لئے فضا کو سازگار بنانے کی حاجت ہے، جو اسلامی قوانین کو نافذ کرنے میں معاون ثابت ہو، اور قوانینِ اسلام کے نافذ کرنیکے نتیجہ میں جو اللہ تعالیٰ کی مدد و نصرت اور برکت و سعادت حاصل ہو گی اسے سمجھانے کی ضرورت ہے، نیز اِن ممالک میں کوشش ہونی چاہیئے کہ ایک مرکزی قیادت ہو جس کی بنیاد اسلام کے نظامِ شوریٰ پر ہو اور خیر و نفع کے کاموں میں آپسی تعاون جس کی اساس ہو، اور کم از کم اپنی کوتاہی کا احساس ضرور ہو کہ مسلمان "امامتِ

عامہ،، کے وجود سے محروم ہیں، امامتِ عامہ یا خلافتِ اسلامیہ جس کو قائم کرنا مسلمانوں کا فرض تھا اور جس کے نہ قائم کرنے کی ان سے پرسش ہوگی۔

۱۰۔ وہ ممالک جو غیر اسلامی ہیں وہاں اسلام کی دعوت اور اس کا تعارف حکمت وبصیرت کے ساتھ جاری رکھنا چاہیئے اور وہ منہج اختیار کرنا چاہیئے جس میں اسلامی تعلیمات کی روح جلوہ گر ہو، زمانہ کے مزاج کو بھی نظر انداز نہیں کیا گیا ہو

رہے وہ ممالک جہاں مسلمان اقلیت میں ہیں وہاں اس بات کی فکر رکھنی ہے کہ اسلام کی صحیح نمائندگی ہو، اسلامی زندگی ایسی ہو جو دوسروں کو متوجہ کرے اور جس کی طرف لوگوں کے دل مائل ہوں، اخلاقی اور روحانی قدروں کی قیادت مسلمانوں کو سنبھالنا چاہیئے، اسلام صرف اس صورت میں اپنی ضرورت اور اہلیت ثابت کرسکتا ہے، اور مسلمان اپنی دعوتی مہم اور قائدانہ کردار ان ملکوں میں ادا کرسکتے ہیں۔

۱۱۔ آخر میں یہ عرض کرنا ہے (جو اس سلسلہ کی انتہائی بات نہیں ہے۔) کہ اسلام کی فطرت، اس کی تابناک تاریخ اور فطرتِ سلیمہ کا تقاضہ، اور بنی نوع انسان کی طبعی خصوصیت کا یہ مطالبہ ہے کہ ایک دعوتی، ایمانی حرکت مسلمانوں میں ضرور قائم رہے جو ایجابی انداز کی ہو اور مضبوط بنیادوں پر قائم ہو داعیوں میں مردانہ صفات ہوں، بلند حوصلگی ہو، ان کی نگاہیں دوررس ہوں اور وہ دنیا کے عظیم طاقتوں کا مقابلہ کرسکیں، وہ طاقتیں جنھوں نے ناجائز اور ناحق مسلم و غیر مسلم سبھی قوموں کے انجامِ کار کے مسائل اپنے ہاتھ میں لے لئے ہیں، لیکن یہ بات کہ داعی الی اللہ ان صفات کا حامل ہو یا ان کے اندر یہ صفتیں پیدا ہو جائیں

اُس وقت ممکن ہے جب کہ پورے یقین اور اطمینانِ قلب کے ساتھ ایک طاقتور دعوتی تحریک میں شریک ہوں۔ اور ان کے اندر اسلام کی برتری کا عقیدہ ہو، اور اس بات پر ان کو یقین ہو کہ بشریت اس دین کی محتاج اور ضرورت مند ہے۔

دعوتِ اسلام کی سرگرمی میں قربانی کا جذبہ، سرفروشی کی دھن، کوہ کنی کی ہمت، تکلفات سے عاری زندگی گذارنے کی عادت اور اگر ضروری ہو تو خطرات میں کودنے کی جرأت (مغامرہ) بھی مطلوب ہے، کیونکہ فطرتِ انسانی یہ ہے کہ وہ اسی ایمان کی عزت کرے جس میں قوت ہو، اس فرد کی عزت کرے جس کو اپنے اصول و عقائد پر اعتماد ہو، اور قابل فخر سمجھتا ہو جس کے یہاں لذت اندوزی اور مال وجاہ کی بے وقعتی ہو، اور جس کے اندر اپنے آپ کو خطرات میں ڈالنے کی ہمت ہو انسانی فطرت ہمیشہ اس چیز کو اہمیت دیتی ہے جو شے نایاب اور اس کی دسترس میں نہ ہو، لہٰذا کمزور انسان قوی انسان کے احترام پر فطرتاً مجبور ہے، غریب آدمی امیر کی عزت کرتا ہے، ناخواندہ پڑھے لکھے پر رشک کرتا ہے، یہاں تک کہ ایک کمینہ بھی شریف انسان کی عزت اپنے دل میں رکھتا ہے۔

اسلامی تاریخ جاں بازی کے کارناموں اور خطرات کا مقابلہ کرنے کے واقعات سے پُر ہے، وہ اصحابِ علم وبصیرت جو اقوام وملل کی تاریخوں سے واقف ہیں اور وہ لوگ جن کے ضمیر زندہ ہیں وہ مشرق ومغرب کی قیادتوں سے اُکتا چکے ہیں اور ان سے نفرت کرنے لگے ہیں۔

ایک خلا کا پایا جانا یعنی ایسی تحریکِ ایمانی اور دعوتی کا نہ پایا جانا جو اپنی جگہ پر قوی بھی ہو، اور ایجابی بھی، اور ایک ایسی سوسائٹی کا نہ پایا جانا

جو مضبوط بنیادوں پر قائم ہو اور مادی تمدنوں کی پیدا کردہ خرابیوں سے پاک ہو اور جو اسلام کی تعلیمات اور اس کی قدروں کی محافظ ہو۔ ایسی سوسائٹی کا نہ پایا جانا، اور دعوتی خلا اسلامی وجود کے لئے بڑا خطرہ ہے، صحیح عقائد اور اسلامی زندگی کے لئے خطرہ ہے، ـــــــــــ کیونکہ کسی ضروری چیز میں خلا جو بشریت کی نفع بخشی کے لئے ضروری ہو زیادہ طویل عمر کا مستحق نہیں ہو سکتا۔ ایسے خلا کا نتیجہ یہ ہوگا کہ کوئی دوسری تحریک سامنے آئیگی جو بے راہ روی کی دعوت دے گی، بے مقصد و بے فائدہ عقائد کے لحاظ سے لغو اور ناقص، سلبی انداز کی تحریک جو تباہی و بربادی کا ذریعہ بنے گی، جن لوگوں نے مذاہب، تحریکات اور مختلف قسم کی دعوتوں کا مطالعہ کیا ہے وہ جانتے ہیں کہ جب کوئی صحیح اور پائیدار اسلامی تحریک سامنے نہیں ہوگی تو ایک غلط قسم کی تحریک اس کی جگہ لے لے گی، اور اگر کہیں اس غلط قسم کی تحریک نے کسی درجہ میں خطرات کا مقابلہ کر لیا اور کچھ قربانیاں دکھادیں اور مادی مظاہرہ سے اپنے آپ کو ذرا بلند دکھادیا، اور مسلم ممالک میں اسلامی تعلیمات سے دوری کی وجہ سے جو فساد ہے اس کی نشان دہی کر دی، اور بڑی طاقتوں کو ذرا للکار دیا، نعرہ بازیوں سے فضا کو اپنے حق میں استوار کر لیا اور پروپگنڈوں سے تھوڑے کام کو پہاڑ بنا کر پیش کر دیا تو پھر کیا ہے لوگوں پر اس کا سحر چل جاتا ہے اور سب اندھا دھند اس کے پیچھے لگ جاتے ہیں، خاص طور پر نوجوان تعلیم یافتہ طبقہ یا نیم تعلیم یافتہ طبقہ میں دھوم مچ جاتی ہے، اور وہ لوگ جو بعض مسلم ممالک کی بے راہ روی سے نالاں ہیں، ان پر اسطرح کی تحریکوں کا ایسا جادو چل جاتا ہے جس کو نہ کسی واعظ

کا وعظ دور کرسکتا ہے اور نہ کسی صاحبِ ضمیر وقلم کا قلم، اور نہ کوئی منطقی استدلال کام دیتا ہے اور نہ کوئی علمی جائزہ اور تحقیق، پہلی صدی ہجری میں خوارج کی تحریک کی تاریخ، چھٹی اور ساتویں صدی ہجری میں باطنیوں اور فدائیوں کی تحریک کی تاریخ، حسن بن الصباح، کے افسانے اور جو اس کے مرکزِ عمل "قلعۂ موت" میں ہوا کرتا تھا، اور بہتیری فوجی اور انقلابی تحریکوں کی تاریخ جو اسلام کے نام پر بگڑی ہوئی صورتِ حال کو ازسرِ نو الٹ کر درست کرنے کا دعویٰ کرتی رہی ہیں اور محض جھوٹ اور مکر و فریب کا لبادہ اوڑھ کر پبلک کے سامنے آئیں، اسی طرح بعض معاصر انقلابی وعسکری تحریکیں جنھوں نے اپنی غلط رخ پر چلنے والی تحریکوں کی مدد کے لیے اور اپنے سیاسی مقاصد کو پورا کرنے کے لیے ہزاروں نوجوانوں کو اپنے گرد جمع کرلیا جو ہر قربانی کے لئے تیار رہے، یہاں تک کہ بعض وہ حلقے اور گروہ جو اسلامی تعلیمات کے محافظ سمجھے جاتے تھے اور ان کے فکر و عمل میں بیداری پائی جاتی تھی وہ بھی اس ریلا میں خس وخاشاک کی طرح بہہ گئے، اور قرآنی نصوص اور اسلامی عقائد کی روشنی میں کسی کو جانچنے اور پرکھنے کی ضرورت نہیں محسوس کی، اور نہ انھوں نے اسلام سے منسوب فرقوں کا انصاف کے ساتھ مطالعہ کیا۔

مسلم زعماء ومفکرین کے ذہن میں یہ بات ہوگی کہ سیلاب کی رَو کو ایک سیلاب ہی روک سکتا ہے طوفان کا مقابلہ اس سے زیادہ قوت کا طوفان ہی کر سکتا ہے، عالمِ اسلام کی موجودہ جو حالت ہے اس کو معذرت کے ساتھ عرض کروں گا کہ وہ جمود کی حالت ہے، اس پر راحت طلبی اور گراں خوابی طاری ہے۔

اس کے اندر کوئی ایمانی مضبوط دعوت نہیں ہے اور نہ صحیح عقائد اور بلند و پاکیزہ مقاصد کے لئے قربانی اور فدائیت کا جذبہ ہے، فکری اور عسکری لحاظ سے بھی وہ خود کفیل نہیں ہیں، اور یہ بات ہمیشہ ایک خطرناک صورت حال کے پیدا ہوجانے کی آگاہی دیتی ہے، اور ہر طور پر غلط قسم کی کھوکھلی تحریکوں کے جال میں نوجوانوں کو ڈال دینے کے لئے زمین ہموار کرتی ہے، کیونکہ نوجوان موجودہ صورت حال سے نالاں اور جن کو صحیح میدانِ عمل نہیں مل رہا ہے، ان تحریکات کا شکار ہوجاتے ہیں کیونکہ ان کو وہاں کسی قدر سکون میسر آتا ہے اگرچہ ان تحریکات کی حیثیت اس سراب کی ہے جس کا نقشہ قرآن نے ان الفاظ میں بیان کیا ہے۔

"کسراب بقیعۃ یحسبہ الظمآن ماء حتی اذا جاءہ لم یجدہ شیاًء ووجد اللہ عندہ فوفاہ حسابہ"[1]

"مثل سراب کے چٹیل میدان میں کہ پیاسا اس کو پانی خیال کرتا ہے یہاں تک کہ جب اس کے پاس آیا تو اس نے کچھ بھی نہ پایا اور اس کے پاس (قضائے) الہٰی کو پایا، سو اللہ نے اس کا پورا حساب چکا دیا"

لیکن یہ انسانی فطرت اور اقوام ملل کا تجربہ ہے، اور جو لوگ بھی "عصر جدید میں اسلام"، اور اسلام کے مستقبل کی فکر رکھتے ہیں اور جن کو عقیدہ کی صحت، خدا اور رسول پر ایمان کی عظمت اور تعلیمات دین عزیز ہے ان کو اس حقیقت کو سامنے رکھنا چاہیئے۔

---

[1] سورۂ نور ۳۹

یں اپنا یہ مختصر مقالہ ایک قرآنی آیت پر ختم کرتا ہوں جس میں اللہ تعالیٰ نے انصار و مہاجرین کی اولین مختصر جماعت کو مخاطب فرمایا ہے اور ان میں رشتۂ مواخات کے قیام سے ساری دنیا اور انسانیت کے مقدر کو مربوط کیا ہے۔

.... اِلَّا تَفْعَلُوْہُ تَكُنْ فِتْنَةٌ فِي الْاَرْضِ وَفَسَادٌ كَبِيْرٌ" [۱]

" اگر یہ نہ کرو گے تو زمین میں بڑا فتنہ اور بڑا فساد پھیل جائے گا "

---

[۱] سورۂ انفال ۷۳

محسنین کرام! ہم کوہ صفا پر واصباحاہ کی صدا لگانے کی ہمت، طائف میں مدعوئین کے پتھر کھا کر دعائیں دینے کا ذوق تو پیدا کریں دو جہاں کے سردار کی طرح اپنا وطن اپنا سب کچھ اس دعوت کی راہ میں چھوڑ کر ہجرت کرنے کے لئے آمادہ تو ہوں، ابوجہل اور ابولہب کی گالیوں، گلے میں پھندا لگانے اور سر پر اوجھ اور گندگی ڈالنے کے باوجود ان کے لئے دعائیں کرنا اور ایک ایک کے پاس ستر ستر مرتبہ جانا اور راتوں کو ہادیٔ کل کے حضور رونا اور دعائیں کرنا تو سیکھیں؟ ہم شعب ابی طالب میں گرفتاری کو تیار تو ہو جائیں۔ پھر اگر رکاوٹیں دور نہ ہوں تو کہیں کہ مشکلات ہیں یا مسائل ہیں۔ آپ کھلی آنکھوں دیکھیں گے۔

کلا نمد ھولاء و ھولاء من عطاء ربک وما کان عطاء ربک محظورا

کا اعلان حق ہوگا۔ پھر طائف کے محمد بن قاسم جیسے فاتح ظاہر ہو کر رہیں گے۔ پھر فتح مکہ کا نظارہ سامنے آئیگا۔ پھر عمر بن الخطاب سے اسلام کو قوت ہوگی۔ پھر بلال جیسے جیالے اور احد احد کی صدا لگانے والے ملیں گے پھر فاتحانِ احد، اور خالد بن الولید جیسے سیف من سیوف اللہ سامنے آئیں گے۔ لا تثریب علیکم الیوم کہنے کا اعزاز ہمیں ملے گا۔ بس کوشش اس نہج پر کیجئے۔ فتوحات بھی اسی انداز میں نصیب ہوں گی۔ انشاء اللہ۔

(محمد کلیم صدیقی)

کارِ دعوت اور طریقۂ کار

مولانا مفتی سید عبدالرحیم لاجپوری راندیر (گجرات)

الحمد للہ الذی ھدانا للایمان وما کنا لنھتدی لولا ان ھدانا اللہ ونشھد ان لا الہ الا اللہ وحدہٗ لا شریک لہٗ۔ ونشھد ان سیدنا ومولانا محمداً عبدہٗ ورسولہ المبعوث الی کافۃ للناس بشیراً ونذیراً وداعیا الی اللہ باذنہ وسراجاً منیراً صلی اللہ علیہ وعلی آلہ وصحبہ اجمعین ومن تبعھم الی یوم الدین

اما بعد! تمام انسان ایک ماں باپ حضرت آدم وحوا علیہما السلام کی اولاد ہیں اس لحاظ سے ہر شخص کے دل میں پوری انسانیت کی ہمدردی اور خیر خواہی ہونا چاہیئے اور یہ وصف اللہ تعالیٰ کو بے انتہا پسند ہے حدیث میں ہے۔

عن انس وعبد اللہ رضی اللہ عنہما قالا قال رسول اللہ

علیہ وسلم الخلق عیال اللہ فاحبُّ الخلق الی اللہ من احسن الی عیالہ ۔

حضرت انس اور حضرت عبد اللہ رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا، مخلوق اللہ کا کنبہ ہے، پس اللہ تعالیٰ کے نزدیک وہ شخص بہت محبوب ہے، جو حق تعالیٰ کے کنبہ کے ساتھ حسنِ سلوک کرے۔

(مشکوٰۃ شریف ص۴۲۵ باب الشفقۃ والرحمۃ علی الخلق)

شیخ سعدی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔

بنی آدم اعضائے یک دیگر اند — کہ در آفرینش ز یک جوہر اند
چو عضوے بدرد آورد روزگار — دگر عضو ہا را نماند قرار
تو کز محنت دیگراں بے غمی — نشاید کہ نامت نہند آدمی

یعنی حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تمام اولاد آپس میں اعضاء کے مانند ہیں اسلئے کہ سب کی پیدائش ایک جوہر یعنی آگ، پانی اور مٹی سے ہوئی ہے پس ایک عضو میں حوادث زمانہ سے درد پیدا ہو جائے تو دوسرے اعضاء کو بھی قرار اور چین نہیں آتا۔ اے مخاطب اگر تو دوسروں کے رنج والم سے بے غم رہتا ہے تو تجھ کو "آدمی" ہی کہنا زیبا نہیں ہے۔ (گلستاں، بابِ اوّل)۔

نیز حدیث میں ہے: الدین النصیحۃ۔ دین سر تا پا خیر خواہی ہے۔

لہٰذا انسانیت کے ناطہ ہر انسان کے دل میں پوری انسانیت کی ہمدردی غمخواری اور خیر خواہی اور پوری انسانیت کا درد ہونا ضروری ہے اور انسانیت کی سب سے بڑی ہمدردی اور خیر خواہی یہ ہے کہ وہ ایمان اور اسلام کی دولت سے مالا مال ہو جائے اور ہمیشہ ہمیشہ کی جہنم کی آگ سے بچ جائے اور اسے

اللہ تعالیٰ کی رضامندی اور جنت میں داخلہ نصیب ہو جائے۔

دنیا میں انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی بعثت کا اصلی مقصد دعوت الی اللہ یعنی ایمان اور توحید ہی کی دعوت دینا ہوتا ہے۔ خاتم الانبیاء سیّد المرسلین حضور اقدس صلے اللہ علیہ وسلم کی شب و روز کی یہی فکر تھی اور آپ کے قلب مبارک میں سب سے زیادہ جو درد و غم تھا وہ صرف یہ تھا کہ انسان اپنے معبودِ حقیقی پر ایمان لے آئے اور اپنے رب کو پہچانے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سوز و گداز اور دل کی گھٹن کا قرآن مجید کے ان الفاظ مبارکہ کی روشنی میں اندازہ لگائیے:

لَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ اَلَّا يَكُوْنُوا مُؤْمِنِيْنَ۔ — شاید آپ ان کے ایمان نہ لانے پر رنج کرتے کرتے اپنی جان تک دیدینگے

(قرآن مجید پارہ ۱۹ سورۂ شعراء آیت ۳)

ایک جگہ اور ارشادِ ربانی ہے:

لَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ عَلٰٓى اٰثَارِهِمْ اِنْ لَّمْ يُؤْمِنُوْا بِهٰذَا الْحَدِيْثِ اَسَفًا — سو شاید آپ اُن کے پیچھے اگر یہ لوگ اس مضمونِ قرآنی پر ایمان نہ لائے تو غم سے اپنی جان دیدینگے۔

(قرآن مجید پارہ ۱۵ سورۂ کہف آیت ۵)

حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت قیامت تک کے تمام انسانوں کیلئے ہے۔ قرآن مجید میں ہے:

قُلْ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنِّىْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ جَمِيْعًا۔ — اے (دنیا جہاں کے) لوگو میں تم سب کیطرف اللہ کا بھیجا ہوا پیغمبر ہوں —

(قرآن مجید پارہ ۹ سورۂ اعراف آیت ۱۵۸)

ایک اور جگہ ارشاد فرمایا:

وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا كَآفَّةً لِّلنَّاسِ بَشِيْرًا وَّنَذِيْرًا وَّلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ۔
(قرآن مجید پارہ ۲۲ آیت ۲۸)

اور ہم نے آپ کو تمام لوگوں کے واسطے پیغمبر بنا کر بھیجا ہے (ایمان لانے پر ان کو ہماری رضا و ثواب کی) خوشخبری سنانے والے اور (ایمان نہ لانے پر ان کو ہمارے غضب و عذاب سے) ڈرانے والے لیکن اکثر لوگ نہیں سمجھتے۔

ایک اور مقام پر ارشاد خداوندی ہے۔

وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ
(قرآن مجید پارہ ۱۷ سورۃ انبیاء آیت ۱۰۷)

اور اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم) ہم نے آپ کو تمام جہانوں کیلئے رحمت بنا کر بھیجا ہے۔

جب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت پوری انسانیت کیطرف ہے اور آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام پوری انسانیت کیلئے رحمت اور محسن انسانیت ہیں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی جو امت اجابت ہے اسے بھی پوری انسانیت کے لئے رحمت بننا ہے لہٰذا پوری انسانیت کا درد و غم دل میں رکھ کر ساری انسانیت کو جہنم کی آگ سے بچانے کی فکر کرنا ہے اور تمام انسانوں کو سوز و گداز کے ساتھ ایمان و اسلام کی دعوت دینا ہے اس امت کو خیر امۃ اسی بنیاد پر کہا گیا ہے، لہٰذا دوسرے دینی کاموں کے ساتھ ساتھ اس عظیم ذمہ داری کو بھی انجام دینے کی فکر کرنا ہے اس مقدس کام کا جس قدر حق ہے وہ ادا نہیں ہو رہا ہے اللہ تعالیٰ ہمیں معاف فرمائیں اور ہمارے اندر اس کا احساس پیدا فرمائیں، کہ ہم پوری فکر اور درد کیساتھ اس عظیم کام کو انجام دیں۔

شمائل ترمذی میں حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ، سے روایت ہے۔

قال رسول صلی اللہ علیہ وسلم لقد اخفت فی اللہ وما یخاف احدٌ ولقد اوذیت فی اللہ ومایوذی احدٌ..... الخ

(شمائل ترمذی ص۲۷ باب ماجاء فی عیش النبی صلی اللہ علیہ وسلم)

ترجمہ: اللہ تعالیٰ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا اللہ کے راستہ میں جس قدر مجھے ڈرایا گیا ہے، اتنا کسی کو نہیں ڈرایا گیا اور جس قدر میں ستایا گیا ہوں کوئی (بنی) اس قدر نہیں ستایا گیا۔

یہ صعوبتیں اور تکالیف حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دو ایمان ،،اہی کی دعوت میں برداشت کی ہیں، ورنہ صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین اللہ تعالیٰ اور پیارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ہر حکم پر عمل کرنے کیلئے دل وجان سے ہمہ وقت تیار رہتے تھے۔ صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کے اتباع کے واقعات احادیث اور سیَر کی کتابوں میں محفوظ ہیں۔

طائف کا سفر رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے کس مقصد کے لئے کیا؟ اور اس سفر میں آپ کو کس قدر تکلیف پہنچائی گئی حتیٰ کہ نعل مبارک لہو لہان ہو گئی ان تمام تکالیف کے بعد رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ملکُ الجبال سے فرمایا (انہیں ہلاک نہ کیا جائے) میں اللہ سے امید کرتا ہوں کہ اللہ ان کی نسل میں ایسے لوگ پیدا کریگا جو صرف اُس وحدہٗ لاشریک لہٗ کی عبادت کریں گے اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کریں گے،، ہادیِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے یہ الفاظ مبارکہ قابلِ غور اور قابلِ عبرت ہیں اور ان الفاظ سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ آپ کے قلب میں انسانیت کا کس قدر درد تھا! شعب ابی طالب میں تقریباً تین سال تک آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام اور آپ کے جانثار صحابہ رضؓ نے کس قدر صعوبتیں برداشت کیں! سردارانِ قریش نے کس کس انداز سے آپ کو ستایا یہاں تک کہ آپ ﷺ

نے اور آپ کے صحابہؓ نے اپنے پیارے وطن مکہ مکرمہ چھوڑ کر مدینہ منورہ ہجرت کی ۔ یہ سب صعوبتیں اور تکالیف آپ نے کون سے کام میں برداشت کیں ؟ یہی دعوت الی اللہ کے کام میں !

محسنِ انسانیت ۔ رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا سوز و گداز ، آپ کا درد و غم ، دعوت الی اللہ کی راہ میں استقامت اور ثابت قدمی ، یہ اوصاف حمیدہ ہمیں بھی اپنے اندر پیدا کرنے کی شدید ضرورت ہے ، صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین جن جذبات کو لے کر اطرافِ عالم میں پھیلے اور دعوت الی اللہ کو مقصدِ زندگی بنایا اور اس کے لئے ہر نوع کی قربانی دی اللہ کرے ہمارے اندر بھی اس کی جھلک اور جذبہ پیدا ہو جائے ۔ ! اللہ پاک اپنے فضل سے یہ اوصاف اور کارِ نبوت انجام دینے کا سرفروشانہ جذبہ پیدا فرمائے ۔ آمین بحرمۃ النبی الامی صلی اللہ علیہ وسلم ۔ وما ذلک علی اللہ بعزیز۔

دعوتی کام تعلق مع اللہ ، ہمدردی خیر خواہی اور موعظہ حسنہ کے ساتھ کیا جائے مناظرانہ انداز اور تنقیص کی صورت سے اجتناب رہے ، اللہ تعالیٰ کے سامنے اپنے عجز کا اقرار بھی رہے اور دعاؤں کا اہتمام بھی رہے ، دلوں کے مالک اللہ تعالیٰ ہیں اور ہدایت دینا اللہ رب العزت ہی کے قبضۂ قدرت میں ہے ۔

"لَيْسَ عَلَيْكَ هُدٰهُمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَهْدِىْ مَنْ يَّشَآءُ"

ہر وقت یہ بات پیشِ نظر رہے ۔ دل میں اس بات کو جما لینے سے انشاء اللہ ناامیدی اور ناکامی کی کیفیت پیدا نہ ہوگی ، صبر و حلم ، عفو و درگذر اور اخلاقِ حسنہ کا دامن کبھی ہاتھ سے نہ چھوٹے ۔ خالص اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی کے لئے کام کریں کسی قسم کی دنیوی غرض اور مالی لالچ نہ ہو اللہ تعالیٰ ہر ایک فرد

میں داعیانہ صفات پیدا فرمائیں ۔ آمین ۔

مولانا محمد کلیم صاحب صدیقی اور ان کے رفقائے کار قابلِ صد مبارکباد ہیں اسی فکر اور درد کو لے کر چل رہے ہیں اور اس مقدس کام کو مقصدِ زندگی بنا رکھا ہے اور اسی مقصد کے لئے "جمعیۃ شاہ ولی اللہ" قائم فرمائی ہے ، پیشِ نظر رسالہ "ارمغان دعوت" مولانا کی دعوتی تقریروں کی تلخیص ہے مضامین مفید اور کارآمد ہیں ، اسلوبِ دعوت ، طریقِ دعوت اور داعی کی صفات پر بھی بہترین ہدایات ہیں جو حضرات اس میدان میں کام کرنا چاہیں ان کے لئے انشاء اللہ مشعلِ راہ ہے ۔ جزاھم اللہ خیر الجزاء :۔ مفکرِ اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی دامت فیوضہم ، حضرت مولانا عبدالحلیم صاحب جونپوری دامت برکاتہم اور حضرت مولانا صدیق احمد باندوی مدظلہم نے جو کچھ تحریر فرمایا ہے احقر اس سے پوری طرح متفق ہے ۔

دعا کرتا ہوں اللہ تعالیٰ مولانا اور ان کے رفقائے کار کو اپنے مقصد میں کامیابی عطا فرمائے بلند حوصلے عطا فرمائے اور دعوتی میدان کو بیش از بیش وسیع بنائے اور امت کے ہر فرد کو یہ درد اور سوز عطا فرمائے آمین بحرمۃ سید المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہٖ وصحبہٖ وسلم تسلیما کثیرا کثیرا ۔

تبلیغ

حسبِ استطاعت سب پر غالب ہے

الحاج مفتی نظام الدین قاسمی، دار الافتاء، دار العلوم، دیوبند

الحمد لاھلہ والصلوٰۃ علی اھلہا ۔ وبعد

فقد قال تعالیٰ انا نحن نزلنا الذکر وانا لہ لحافظون پ۱۴

یعنی ہم نے ہی نازل کیا ہے ذکر کو اور ہم ہی اس کے نگہبان ہیں ومحافظ ہیں اس آیت کریمہ میں بجائے قرآن کے ذکر بول کر اشارہ فرمایا گیا کہ محض نصوصِ قرآنیہ ہی کی حفاظت میں نے نہیں لی بلکہ پورے دین کی حفاظت میں نے اپنے ذمہ لی ہے اس لئے کہ ذکر سے مراد پورا دین ہے اور پورا دین کتاب وسنت اور اجماع امت واجتہاد مجتہدینِ برحق کا نام ہے لہذا ہم ان سب کی حفاظت کریں گے اور اسی کی جانب اس آیت کریمہ میں بھی انا انزلنا الیک الذکر لتبین للناس ما نزل الیھم ولعلھم یتفکرون ۔ پ سورہ نحل اس پورے دین کو ہم نے اس لئے نازل کیا ہے کہ آپؐ اس دین کو تمام انسانوں کے لئے بیان فرمائیں ۔

پھر اسی کی تصویب وتشریح اس حدیث پاک میں ارشاد فرمائی گئی

کہ لیبلغ الشاھد الغائب یعنی جو لوگ وہاں موجود ہیں وہ سب لوگ ان تمام غائبین کو خواہ مسلم ہوں یا غیر مسلم ہوں سب کو یہ تمام احکام دین پہونچائیں اور اس حکم امر کا صیغہ بول کر اشارہ فرمادیا کہ یہ تبلیغ حسب استطاعت و قوت سب پر غالب ہے۔

پھر اس حکم کی مزید تشریح اس حدیث پاک میں فرمائی گئی کلکم راعٍ وکلکم مسئول عن رعیته او کما قال علیه الصلوٰة والسلام یعنی اے مسلمانوں تم سب لوگ تمام انسانوں کے چرواہا اور نگراں ہو تاکہ کوئی اِدھر اُدھر بدکنے نہ پائے اور تم سب لوگوں سے اس کا سوال و محاسبہ ہوگا اور اسی حکم پاک میں اسطرح منصوص فرمادیا کنتم خیر امة اخرجت للناس تامرون بالمعروف وتنهون عن المنکر و تومنون باللّٰه پ۴ س آل عمران یعنی تم سب کو اس لئے پیدا کیا کہ تم لوگ تمام انسانوں کو خواہ مسلم ہوں یا غیر مسلم اچھی باتوں کا حکم کرو اور بری باتوں اور ناجائز کاموں سے حسب استطاعت و قوت روکا کرو۔

پھر اس کام کے لئے خود ہی ایک ضابطہ مقرر فرمادیا اور وہ یہ ہے ادع الیٰ سبیل ربك بالحکمة والموعظة الحسنة وجادلهم بالتی هی احسن اور اگر امر بالمعروف ونہی عن المنکر میں کچھ سختی یا مخاصمہ وغیرہ کی نوبت آجائے تو اس

لئے یہ بھی ضابطہ فرما دیا گیا وجادلھم بالتی ھی احسن یعنی احسن مجادلہ کا حکم دیا گیا۔

غرض انہیں ضابطوں و قاعدوں کے مطابق انسانوں میں دین کی دعوت اور اس پر عمل کرنے کرانے کی سعی پیہم کرتے رہا کرو اور یہی مفہوم بعینہٖ غیر مسلمین میں بھی احکامِ شرع پہونچانے کا ہے اور یہی معلوم کرنے کا جناب نے حکم فرمایا ہے سب کا حاصل یہ ہے کہ عین تبلیغ اور ارشاد کے موقع میں بھی اپنے ایمان و عمل کی نگرانی کرتے رہا کرو کما ارشار الیہ کنتم خیر امۃ .... و تؤمنون باللہ۔

بس جس نے اس کے مطابق عمل کیا اس کے عمل کے احسن ہونے میں اور اللہ کے نزدیک مقبول ہونے میں کیا شبہ ہو سکتا ہے۔

واللہ ھو الموفق والمعین فی کل حال وعلیٰ کل منوال اور اس دعا پر مضمون ختم ہے۔

اللھم وفقنا لما تحب وترضیٰ من القول والفعل والھدی وانک علیٰ کل شی قدیر

دعوتِ دین کا پہلا مرحلہ

مولانا ڈاکٹر عبد اللہ عباس ندوی، معتمد تعلیم ندوۃ العلماء لکھنؤ

تاریخِ اسلام میں بہت سی ایسی باتیں ہیں جن میں مورخوں کا اختلاف ہے لیکن چند باتیں ایسی بھی ہیں جن میں کسی کا، کسی دور میں اختلاف نہیں رہا ہے اس کو سب مانتے ہیں، انہی باتوں میں جن کے اندر کسی کا اختلاف نہیں ہے یہ واقعہ ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر پہلی وحی آئی اور آپ کو حکم ہوا کہ اللہ کی وحدانیت اور اپنے رسول ہونے کی خبر سب کو دیدیں اور اسلام قبول کرنے کی دعوت دیں تو آپ پر سب سے پہلے ایمان والی خاتون حضرت بی بی خدیجہ رضی اللہ عنہا تھیں، بیوی سے زیادہ شوہر کو کون پہچان سکتا ہے جس سے رات دن کا ساتھ ہوتا ہے، جو باتیں دنیا کے لئے مخفی یا پرائیویٹ ہوتی ہیں وہ سب بیوی کو معلوم ہوتی ہیں، لہٰذا حضرت ام المومنین خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا نے آپ کی سیرتِ پاک کو دیکھ کر ایمان قبول فرمایا، ان کے بعد مردوں میں سب سے پہلے سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ ایمان لائے جو تقریباً آپ کے ہم عمر تھے، بچپن سے جوانی تک،

اور نوجوانی سے پختہ عمر تک آپ کے ساتھ تھے، حضرت صدیق اکبر نے کوئی وعظ نہیں سنا تھا جس سے وہ متاثر ہوکر دینِ اسلام قبول کرتے، نہ اس وقت تک قرآن پاک کی کوئی مکمل سورت نازل ہوئی تھی۔ نہ اسلام کے اصول، مساوات، حریت، اخلاقی ضوابط، معاشرت کے آداب مرتب ہوئے تھے بات یہ تھی کہ انھوں نے دعوت کو نہیں بلکہ داعی (صلی اللہ علیہ وسلم) کو دیکھا تھا آپ کی پاک سیرت کا نقش صدیق اکبر کے دل و دماغ پر ثبت تھا، اس وقت تک کسی معجزہ کا ظہور بھی نہیں ہوا تھا، سب سے بڑا معجزہ آنحضرت ارواحنا فداہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پاک سیرت تھی، امانت داری، صدق گفتاری، غریبوں کے ساتھ ہمدردی، ناداروں کے ساتھ رحم ولطف کا انداز دیکھ چکے تھے اس لئے دعوت اسلام پر سب سے پہلے لبیک کہا، نوعمر صاحبزادوں میں حضرت سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ، تھے جنہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ناداری اور افلاس کا زمانہ دیکھا تھا اور بہت قریب سے آپ کی سیرت پاک کو دیکھا تھا وہ ایمان لائے، آپ کے غلام حضرت زید بن حارثہ بھی اولین ایمان لانے والوں میں ہیں غلام سے زیادہ اپنے آقا کو کون پہچان سکتا ہے، اس سے کون سا راز پوشیدہ رہ سکتا ہے، لہٰذا ان کا ایمان لانا بھی ایک طرح کا اعلان تھا کہ وہ سیرتِ پاک کو پڑھ کر یا سن کر بلکہ دیکھ کر اور برت کر اس سے متاثر ہوکر ایمان لائے تھے یہ ہے تاریخ اسلام کا پہلا صفحہ، دوسرا صفحہ کھولئے وہ جانثار صحابہ اور صحابیات دارِ ارقم میں محصور ہوئے وہ کون لوگ تھے؟ یہ وہ لوگ تھے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرتِ پاک اور آپ کے رفیقِ غار حضرت سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ، کی امانت ودیانت کو دیکھ چکے تھے، ان کے علاوہ جو اس زمانہ میں ایمان لائے سب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور اولیں ایمان لانے والوں کی سیرت واخلاق ہمدردی

غمگساری اور انسان دوستی کا ذاتی تجربہ رکھنے والے تھے اسی لئے جب سارا قبیلہ اسلام دشمنی پر تُلا ہوا تھا اسلام کی دعوت پر جنھوں نے لبیک کہا انہیں میں حضرت عثمان بن عفان (جو بعد میں خلیفۂ راشد ہوئے) حضرت زبیر بن العوام حضرت عبدالرحمٰن بن عوف، حضرت سعد بن ابی وقاص، طلحہ بن عبید اللہ ہیں۔

انہی صحابۂ کرام کے معاً بعد حضرت ابو عبیدہ بن الجراح، حضرت ارقم بن الارقم، حضرت عثمان بن مظعون، حضرت عبیدہ بن الحارث، حضرت سعید بن زید حضرت خباب بن الارت، حضرت عبد اللہ بن مسعود، حضرت عمار بن یاسر، حضرت صہیب رضی اللہ عنہم اجمعین، ہاں حضرت بلال حبشی رضؓ کو بھی نہ بھولئے جن کو اسلام لانے کی سزا میں ان کا آقا مار مار کر لہو لہان کر رہا تھا، تو حضرت ابوبکر صدیق رضؓ نے ان کو خرید کر آزاد کر دیا، اسلام لانے کی سزا جوان کو جھیلنی پڑی اس کا تذکرہ سیرت کی کتابوں میں پڑھئے تو آج بھی رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں دیکھنے کی بات، جو کہ یہ سرفروشی کا جذبہ اور پوری برادری کے خلاف سینہ سپر ہونے والے صحابۂ کرام اُس وقت ایمان لائے تھے جب کہ اسلام میں کوئی مادی کشش نہیں تھی، بلکہ جان مال اور بے آبروئی کا خطرہ تھا، یہاں تک کہ ان حضرات کو حبشہ کی طرف ہجرت پر آمادہ ہونا پڑا، تاکہ وہاں ایک انصاف پسند بادشاہ کی مملکت میں اطمینان کی سانس لے سکیں۔

اسلام کی ابتدائی تاریخ کا یہ واقعہ اور اسلام لانے والوں کے کچھ نام اس لئے ذکر کئے گئے ہیں کہ دیکھا جائے کہ اسلام کی دعوت پر ایمان لانے والوں نے سیرت کو اور عمل کو دیکھا تھا، زبانی اور تحریری دعوت کی افادیت و ضرورت سے انکار نہیں خود سرکارِ دو عالم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب اعلانیہ دعوت دی تو کوہِ صفا کے تاریخی خطاب سے آغاز فرمایا، اور ملوک و سلاطین کسریٰ

اور ہرقل کو تحریر کے ذریعہ دین کی طرف بلایا، لہٰذا تقریر و تحریر کی ضرورت اور اس کے افادیت اور ان کے مطابقِ سنتِ نبوی ہونے سے کوئی انکار نہیں کر سکتا ہے لیکن یہ ماننا پڑے گا کہ ابتداء سیرت کے عملی نمونوں سے ہوتی تھی، اور تبلیغ دین کا پہلا مرحلہ "رفتار" ہے گفتار نہیں "عمل" ہے قول نہیں، قول وہی معتبر ہے، جس کی عمل تصدیق کرتا ہو۔

اِس ملک (ہندوستان) "برصغیر ہندوستان، پاکستان، بنگلہ دیش" میں حضرت خواجہ معین چشتی رحمہ اللہ تعالیٰ کے ذریعہ اسلام پھیلا اور آج ہم یہاں دس کروڑ مسلمان ہیں، اور اسی کے لگ بھگ پاکستان اور بنگلہ دیش میں ہیں یہ سب خواجہ اجمیریؒ کا طفیل ہے۔ آپ جانتے ہیں کہ انھوں نے کوئی تلوار نہیں چلائی تھی اور تلوار تھی ہی کہاں؟ کوئی انجمن، سوسائٹی، جماعت کی تشکیل نہیں کی تھی، کوئی جوڑ توڑ، سیاسی داؤ پیچ وہ نہیں جانتے تھے صرف اللہ کا نام تھا، جس کو اپنے اخلاق اور نفسِ گرم کی قوت سے عام کرتے تھے۔

دعوتِ دین کا صحیح اور بنیادی اور سب سے کارآمد اور دلوں کو کھینچنے اور سرکشوں کو زیر کرنے والا طریقہ یہ ہے کہ مسلمان اپنی سیرت کو اسلام کا آئینہ بنا کر دکھائیں۔

اگر کسی سخت سے سخت دشمن کو یہ معلوم ہو کہ فلاں دفتر کا مسلمان کارندہ جھوٹ نہیں بولتا، رشوت نہیں لیتا، کام چوری نہیں کرتا۔ اپنے فرائض پوری تندہی سے انجام دیتا ہے، اگر معلوم ہو کہ مسلمان سے مزدوری کرائیے تو اس کی ضرورت نہیں کہ کوئی اس کی نگرانی کرے وہ خود منٹ منٹ اپنے کام میں صرف کریگا جس کا معاوضہ اس کو لینا ہے، کوئی مسلمان درزی کپڑا نہیں چراتا، وقت کا پابند ہے، بات کا سچا ہے۔ کوئی مسلمان کاریگر، دوکاندار یا کوئی بھی شخص چھوٹے سے چھوٹے

کام پر لگا ہو یا بڑے سے بڑے کام پر وہ اپنی اُجرت حق حلال لیتا ہے، تو بتایئے کون اس کی دشمنی کرے گا اور کون ہے جو پسند کرے گا کہ ایسے افراد ملک چھوڑ کر دوسری جگہ جائیں۔

ایک عرب چپراسی نے راقم الحروف سے کہا کہ میں یہ کام کل شام تک مکمل کردونگا یہ وعدہ آپ بالکل اس طرح سمجھئے جیسے کسی امریکی کا وعدہ ہوتا ہے یہ سن کر مجھ پر حسرت و عبرت کا لرزہ طاری ہو گیا کہ ایک مسلمان ایک ایسی قوم کے فرد کو آئیڈیل بنا رہا ہے جو قوموں اور ملکوں کے ساتھ غداری میں معروف ہے محض اس لئے کہ بعض کلرکوں اور دفتری لوگوں کے وعدہ کو دیکھ چکا ہے۔ یہ صفت مسلمان کی تھی اور چاہیئے یہ تھا کہ وہ یہ کہیے کہ میرا وعدہ ایک مسلمان کا وعدہ ہے۔

مگر صورتِ حال کیا ہے، غیر مسلموں میں کون سا عیب ہے، جو ہماری سوسائٹی میں نہیں ہے، اور ہم اسلام اور غیر مسلموں کے درمیان دیوار بن کر کھڑے ہو گئے ہیں، کوئی اسلام کو سمجھنا چاہتا ہے تو پہلے ان لوگوں کو دیکھتا ہے جو مسلمان ہیں یا وہ کہتا ہو کہ آپ جن تعلیمات کا حوالہ دے رہے ہیں، وہ آنکھوں سر دں پر، سب اچھی باتیں ہیں، بیشک آپ کے اسلاف نے بڑی قربانیاں دی ہیں، بیشک قرآنی تعلیمات اعلیٰ و ارفع ہیں یہ سچ ہے کہ اللہ کا عذاب نافرمان قوموں پر آتا ہے بات سب سچی مگر ان سچائیوں پر ایمان لانے کا دعویٰ جو کرتے ہیں وہ ہماری ہی طرح ہیں یہ دنیا کے پیچھے بھاگنے والے، حرام و حلال کی تمیز نہ کرنے والے، مادّہ پرست شہوت پرست دنیا پرست،

حضرت مخدوم و مربی مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی دامت برکاتہم نے آج سے تقریباً نصف صدی پہلے عربوں کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا تھا کہ آج اگر وہ کفار و مشرکین زندہ ہو کر آجائیں جو غزوۂ بدر میں قتل کئے گئے تھے یا دوسرے

غزوات میں ہلاک ہوئے تھے اور کہیں کہ بتایئے ہمارا قصور کیا تھا کہ ہم سے الگ ہوکر ایک مسلم جماعت سامنے آئی، جو دنیا طلبی، مادہ پرستی ہم میں تھی وہ آج آپ کے معاشرہ میں ہے، خدا کا خوف آخرت کا ڈر اگر ہم نہیں تھا تو آج آپ میں بھی نہیں ہے۔ اگر دنیا طلبی ہی مطلوب تھی تو ہمارے اسلاف نے آپ کے پیغمبر (صلی اللہ علیہ وسلم) کو دعوتِ اسلام کے پہلے ہی مرحلہ میں سب کچھ پیش کر دیا تھا، مال ودولت، جاہ حکمرانی، عیش وعشرت مگر اس وقت آپ کے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے سب کو یہ کہکر ٹھکرا دیا کہ اگر تم سب میرے ایک ہاتھ میں آفتاب اور دوسرے ہاتھ میں ماہتاب بھی رکھ دو تو بھی ہم اس دعوت سے باز آنے والے نہیں ہیں اس راہ میں جان دیدیں گے مگر دنیا کی دولت وحکومت لے کر اس کو چھوڑنا پسند نہیں کریں گے، بتائیے کہ وہ ہلاک ہونے والے کفار آپ سے پوچھیں تو کیا جواب دیں گے؟

یہ تو فرضی بات ہوئی کہ کفار زندہ ہوکر ایسا سوال کریں، میں کہتا ہوں کہ آج اگر کوئی غیر مسلم موٴرخ آپ سے پوچھے کہ اسلام کے نام پر جو جنگیں ہوئیں جن میں لاکھوں مسلمان جان بحق ہوئے اور ہزاروں کو انھوں نے تہہ تیغ کیا ان سب کا مقصد کیا تھا کیسی امت تیار کرنا مطلوب تھا کیا یہی مسلمان جن کے بارے میں علامہ اقبال نے صحیح کہا ہے "یہ مسلماں ہیں جنھیں دیکھ کے شرمائیں یہود"؟

لہٰذا اگر واقعی کوئی شخص صدقِ دل کی دعوت دینا چاہتا ہے تو کم از کم درجہ یہ ہے کہ داعی اور مبلغ اپنے آپ کو اسلام کا نمونہ بنا کر پیش کریں، پھر دوسرے مرحلہ پر تقریر بھی ہے اور تحریر بھی ہے، انجمن بھی ہے اور مدرسہ بھی ہے، ہم غیر مسلموں کو ضرور دعوت دیں یہ ہمارا فرض ہے کہ ان کو جہنم کی آگ سے بچانے کی سعی کریں ہمدردی اور انسانیت کا تقاضہ ہے، مگر ہماری بات میں اثر اس وقت پیدا ہوگا جب ہم اسلام کو فلسفہ کی تھیوری اور اقلیدس کا فارمولہ بنا کر نہیں بلکہ زندگی کی جیتی جاگتی حقیقت بنا کر پیش کریں، اور یہی فطری طریقہ ہے۔

عصرِ جدید میں

دینی دعوت اور اسلامی تحریکیں

★ ڈاکٹر محمد مجتبیٰ ندوی، جامعہ نگر، نئی دہلی

اسلام پوری انسانیت کی بھلائی، کامیابی، فلاح وبہبود اور کامرانی وشادمانی کا وسیلہ، دنیا وآخرت میں چین وسکون اور آرام وعافیت کا ذریعہ ہے، یہ دستورِ حیات، لائحۂ زندگی اور مکمل صاف ستھری، پاکیزہ روز وشب گذارنے کی سب سے آسان راہ ہے، وحدانیت، ایک مولیٰ ومالک سے لو لگانے اور اس کے سوا ہر طاقت سے رشتہ توڑنے اور اسی مالک کے بھیجے ہوئے اعلیٰ اقدار وکردار کے پیغمبروں پر ایمان، آنے والی زندگی فرشتوں اور غیب کی باتوں پر یقین، انھیں کے بتائے ہوئے طریقہ پر اپنے سر کو سارے جہاں کے مالک اللہ تعالیٰ کے سامنے جھکانے، اور طاعت وعبادت کرنے عام انسانوں کے ساتھ لین دین، دکاندیاد

میں انصاف اور اچھا برتاؤ کرنے، شیریں کلامی، خوش اخلاقی اور سب کا بھلا چاہنے اور ہر ایک کے کام آنے اور ہر ایک کے دکھ درد اور خوشی میں شریک ہونے، اپنی کامیابی کے ساتھ سارے عالم کی کامیابی کی فکر کرنے اور چاہنے ہی کا دینِ اسلام اور اس کی دعوت کا مطالبہ ہے۔

اسلام کا مزاج، دعوت اور اس کی روح الٰہی پیغام کا پہونچانا ہے، یہی اس کا فریضہ، انبیاء کرام ؑ کی سنت، نبیِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا اُسوہ اور طریقۂ حیات ہے یہ قیامت تک باقی رہے گا اور امت مسلمہ اس کی ذمہ دار رہے گی، اگر فریضۂ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر میں کوتاہی برتی گئی تو بارگاہِ الٰہی میں روزِ محشر باز پرس اور جواب دہی کا سامنا کرنا ہو گا، ارشادِ باری تعالیٰ ہے۔

وَلْتَكُنْ مِنكُمْ أُمَّةٌ يَدْعُونَ إِلَى الْخَيْرِ، وَيَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنكَرِ وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ

(آل عمران: ۱۰۴)

"اور چاہیے کہ رہے تم میں ایک جماعت ایسی جو بلاتی رہے نیک کام کی طرف اور حکم کرتی رہے نیک کاموں کا، اور منع کریں برائی سے، اور وہی پہونچے اپنی مراد کو۔"

نیز ارشاد فرمایا:۔
كُنتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنكَرِ وَتُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ (آل عمران ۱۱۰)

(تم ہو بہتر سب امتوں سے جو بھیجی گئی عالم میں، حکم کرتے ہو اچھے کاموں کا اور منع کرتے ہو برے کاموں سے اور ایمان لاتے ہو اللہ پر) ایک دوسری آیت میں۔ امر بالمعروف و نہی عن المنکر نہ کرنے کا نقصان بتایا گیا۔

"لُعِنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوا مِنْ بَنِيْ اِسْرَائِيْلَ عَلٰى لِسَانِ دَاوٗدَ وَعِيْسَى ابْنِ مَرْيَمَ ذٰلِكَ بِمَا عَصَوْا وَّكَانُوْا يَعْتَدُوْنَ ه كَانُوْا لَا يَتَنَاهَوْنَ عَنْ مُّنْكَرٍ فَعَلُوْهُ لَبِئْسَ مَا كَانُوْا يَفْعَلُوْنَ"

(سورۂ مائدہ ۷۹)

"ملعون ہوئے کافر بنی اسرائیل میں کے، داؤد علیہ السلام کی زبان پر اور عیسیٰ علیہ السلام بیٹے مریم کی، یہ اس لئے کہ وہ نافرمان تھے اور حد سے گذر گئے تھے، آپس میں منع نہ کرتے برے کام سے جو وہ کر رہے تھے، کیا ہی برا کام ہے جو کرتے تھے۔"

مزید فرمایا:۔

"فَلَمَّا نَسُوْا مَا ذُكِّرُوْا بِهٖ، اَنْجَيْنَا الَّذِيْنَ يَنْهَوْنَ عَنِ السُّوْٓءِ وَاَخَذْنَا الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا بِعَذَابٍ بَئِيْسٍ بِمَا كَانُوْا يَفْسُقُوْنَ۔"

(سورۂ اعراف ۱۶۵)

"پھر وہ جب بھول گئے اس کو جو ان کو سمجھایا تھا تو نجات دی ہم نے ان کو، جو منع کرتے تھے برے کام سے، اور پکڑا گنہگاروں کو برے عذاب میں، بسبب ان کی نافرمانی کے"۔

اور سورۂ عصر میں نہایت بلیغ انداز سے ایمان، عمل صالح اور حق و ثبات قدمی کی تحسین و ہمت افزائی کی گئی ہے۔

وَالْعَصْرِ ۝ إِنَّ الْإِنْسَانَ لَفِي خُسْرٍ ۝ إِلَّا الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ ۝

"قسم ہے عصر (زمانہ) کی مقرر انسان ٹوٹے میں ہے، مگر جو لوگ کہ یقین لائے، اور کئے بھلے کام اور آپس میں تاکید کرتے رہے سچے دین کی، اور آپس میں تاکید کرتے رہے تحمل کی"۔

یہی سورۂ عصر ہے یہ جب نازل ہوئی تو صحابۂ کرام رضؓ نے اسے لکھ کر بیت اللہ کی دیوار پر چپکا دیا، عربوں کو اپنی زبان دانی پر بڑا ناز تھا، ان آیات کو پڑھ کر ششدر رہ گئے اس دور کے سب سے بڑے شاعر لبید بن ربیعہ (معلقات کا مشہور شاعر) کو بلایا گیا اور اس نے پوری سورۃ پڑھی اور حیران رہ گیا، بیت اللہ کا طواف شروع کر دیا، طواف کے ہر چکر پر سورۃ کے سامنے ٹھہر کر اسے پڑھتا اور پھر طواف کرنے لگتا۔ طواف پورا کرنے کے بعد اس سورۃ کے نیچے لکھا۔

"وَاللّٰهِ مَا هٰذَا مِنْ كَلَامِ الْبَشَرِ"، "اللہ کی قسم یہ کسی انسان کا کلام نہیں ہے"، اور مسلمان ہو گیا شعر کہنا چھوڑ دیا اور اپنے آخری شعر میں قرآن مجید کی عظمت، بلاغت، تاثیر اور دعوتی روح کا اظہار کرتے ہوئے اپنے اسلام کی سعادت حاصل ہونے پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا ہے یہی اسکا آخری شعر ہے:۔

الحمد اللہ اذ ؛ لم یاتینی اجلی
حتیٰ اکتست من ؛ الاسلام سوبالا

"اللہ کا شکر ہے میں نے اپنی موت آنے سے قبل ہی اسلام کا لباس زیب تن کر لیا"۔

اللہ عز وجل نے اسلام کی دعوت دینے والے کی تحسین کی ہے اور اس کی گفتگو کو سب سے شیریں بات قرار دی ارشادِ ربانی ہے۔

" وَمَنْ أَحْسَنُ قَوْلاً مِّمَّن دَعَا إِلَى اللّٰهِ وَعَمِلَ صَالِحاً وَقَالَ إِنَّنِي مِنَ الْمُسْلِمِينَ۔ (السجدہ ۳۳)

"اور اس سے بہتر کس کی بات ہو گی جس نے بلایا اللہ کی طرف، اور کیا نیک کام، اور کہا میں حکم بردار ہوں"۔)

اور یہ بھی حکم فرمایا کہ دعوت دین، حکمت و دانشمندی اور سلیقہ و خوش گفتاری سے ہو۔

" اُدْعُ إِلَىٰ سَبِيلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَ جَادِلْهُم بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ "، (النحل ۱۲۵)

"بلا اپنے رب کی راہ پر، پکی سمجھا کر اور نصیحت سنا کر بھلی طرح، اور الزام دے ان کو جس طرح بہتر ہو"۔

مذکورہ بالا آئتیں دینی دعوت اور پیغامِ الٰہی کو عام کرنے اور اس کے نشر و اشاعت کے لئے نہ صرف آمادہ و ہمت افزائی کرتی ہیں بلکہ اسے مومن کا ایک فریضہ اور عبادت قرار دیتی ہیں۔

سنتِ نبوی اور احادیث بھی اس بارے میں بہت واضح ہیں۔

ر ابو رقیہ تمیم ابن اوس الداری رض سے روایت کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ

علیہ وسلم نے فرمایا۔ دین تو خیر خواہی ہے۔ ہم نے عرض کیا کہ کس کے لئے؟ فرمایا: اللہ، اس کی کتاب اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم، ائمہ مسلمین اور ان کے عام لوگوں کے لئے" (مسلم)۔

حضرت جریر بن عبد اللہ رضی سے روایت ہے انھوں نے کہا کہ، میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے نماز قائم کرنے، زکوٰۃ ادا کرنے اور ہر مسلمان کے ساتھ خیر خواہی کے لئے بیعت کی، "اللہ تعالیٰ اس کو سرسبز و شاداب رکھے جس نے میری بات سنی اور اسے اچھی طرح یاد کرکے اسی طرح پہونچا دیا جس طرح سنا، تو کبھی فقہ کا حامل فقیہ نہیں ہوتا اور کبھی فقہ کو منتقل کرنے والا اس شخص کی جانب جو اس سے زیادہ فقہی بصیرت رکھتا ہے، تین چیزیں ایسی ہیں کہ ان سے مومن کا دل کینہ نہیں رکھتا، اخلاصِ عمل، ولی امر کیلئے خیر خواہی، اور سوادِ اعظم سے وفاداری کیونکہ انکی دعا رشامل حال رہتی ہے۔ (احمد و ترمذی)

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انھوں نے بیان کیا کہ، میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہتے ہوئے سنا: "تم میں سے جو شخص منکر کو دیکھے تو اسے اپنے ہاتھ سے مٹا دے اگر ہاتھ سے نہ مٹا سکے تو زبان سے اسے برا کہے، اور اگر ایسا بھی نہ کر سکے تو دل سے برا سمجھے، اور یہ ایمان کا سب سے کمزور درجہ ہے۔ (مسلم)

حضرت حذیفہ رضی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں۔ انھوں نے فرمایا "قسم اس ذات پاک کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے تم ضرور بالضرور نیکی کا حکم دوگے اور ضرور بالضرور برائی سے روکوگے، ورنہ

قریب ہے کہ اللہ تعالیٰ تم پر عذاب لے آئے اور تم دعا کرو جو قبول نہ کی جائے۔"

(ترمذی)

امر بالمعروف و نہی عن المنکر سے متعلق بکثرت احادیث وارد ہیں اور بنی اسرائیل اور دوسری قوموں کی کوتاہیوں پر عتاب و سزا کا ذکر کیا گیا ہے، نیز برائیوں اور منکرات پر سکوت کے نتیجہ میں عام مصائب اور فتنوں کا تذکرہ آیا ہے، جو تمام حدیث کے مجموعوں میں وارد ہوئی ہیں۔

اس دعوت کو بڑی قربانیوں، ایثار، جدوجہد، لگن، اور اخلاص و ہمت اور خدا کے حکم کے مطابق نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جزیرۂ عرب میں پورے طور سے عام کیا اور صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کو اس دعوت میں رچا بسا کر اور تربیت دے کر پوری انسانیت کی صلاح و فلاح کے لئے تیار کر دیا، نبیِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع کے خطبہ میں اپنی تبلیغ و دعوت کا خلاصہ بیان فرما کر تکمیلِ فریضہ کی گواہی بھی حاصل کی، قرآنِ مجید کی آخری آیت نے تکمیلِ دعوت کا اعلان بھی کر دیا۔

اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ وَرَضِیْتُ لَکُمُ الْاِسْلَامَ دِیْناً۔ "آج میں نے تمہارے لئے تمہارے دین کی تکمیل کر دی اور تم پر نعمت پوری کر دی اور تمہارے لئے دینِ اسلام کو پسند کر لیا" اسی کی برکت تھی کہ مسلمان دنیا کے تہائی حصہ پر اس دعوت و نظامِ اسلامی کو نافذ کر سکے جو تمام نوعِ انسانی کے لئے ۱۲ سو سال تک نمونۂ قدوہ اور لائحۂ عمل اور دستورِ حیات تھا اور رہتی دنیا تک بنا رہے گا مسلمانوں نے جب دعوت اور پیغامِ الٰہی اور احکامِ خداوندی

کو انفرادی اور اجتماعی زندگی میں نافذ کرنے میں کوتاہی برتی تو اغیار کے تسلط
اور مغربی تہذیب و تمدن اور طرزِ فکر اور غیر اسلامی طرزِ معاشرت اور رسم و رواج کے شکار
ہوگئے مگر چونکہ قرآن مجید، سنتِ نبوی اور پیغام الٰہی بعینہٖ موجود تھا اس لئے جا بجا دینی
دعوت اور اسلامی تحریکیں اٹھیں اور امتِ مسلمہ کی دینِ حنیف، صراطِ مستقیم کی
جانب رہنمائی کرتی رہیں۔

یوں تو ہر دور میں کوئی مجدد اور مصلح پیدا ہوتا رہا۔ جو مسلمانوں کو بیدار اور دین
کی تجدید کرتا اور اسلامیت کی لہر دوڑاتا رہا۔ لیکن صلیبی غلبہ اور سامراجی تسلط نے
عیسائی پادریوں مستشرقوں، ادیبوں، قلمکاروں اور فنکاروں کے واسطہ سے
دورِ جدید میں مسلمانوں کو سخت آزمائش اور ابتلاء میں ڈال دیا جس نے
عقیدہ و فکر، معاشرت و ماحول اور تعلیماتِ دین پر شدید ترین حملے کئے، اس کا
مقابلہ ایک شخص نہیں کر سکتا تھا بلکہ پوری جماعت کی ضرورت تھی، جماعتیں اور
انجمنیں عالمِ اسلام کے ہر حصہ میں حالات و ضرورت کے مطابق تشکیل پائیں جو
گویا اصلاحی ہم جہت دعوت تھیں جہاد کی ضرورت بھی حالات کی سنگینی نے
پیدا کردی جس کا مقصد مغربی سامراج سے وطن کو آزاد کرانا تھا جیسا کہ سرحد
کی جنگ شدید اور ہنگامی حالت کے نتیجہ میں اور بطورِ تمہید پیش آئی، مگر قائدِ تحریک
امیر المومنین حضرت سید احمد شہید رحؒ اور ان کے چند مخلص ساتھیوں اور رفقاء
کی شہادت نے اس مقصد کے حصول میں تاخیر کردی لیکن روح وہی کارفرما رہی
اور اس دعوت و تحریک کے اثرات باقی رہے اور دعوتی کام کرنے والوں
کو آج بھی کمک پہونچا رہے ہیں، اور پوری جنگ آزادی میں یہی روح جذبہ کارفرما رہا۔

اور پورے عالم اسلام اور اس کے بعد پوری دنیا میں نہ صرف مسلمانوں بلکہ تمام انسانوں کی فلاح و بہبود اس کا مقصد تھا اس تحریک سے قبل عالم اسلام میں تین ایسی شخصیتیں پیدا ہوئیں کہ جنھوں نے مسلم حکمرانی کے زوال کا اندازہ و یقین کرتے ہوئے مستقبل کا لائحۂ عمل تیار کر دیا تھا، یمن میں امام محمد بن علی شوکانی، سعودی عرب میں امام محمد بن عبدالوہاب اور ہندوستان میں امام ولی اللہ دہلوی رحؒ[ا]، جن میں سب سے زیادہ مؤثر، طاقتور ہمہ جہت و ہمہ گیر شخصیت امام ولی اللہ دہلوی کی تھی جن کی بعض تصنیفات کی اسلامی تاریخ میں نظیر نہیں ملتی ہے، اور ان کے دعوتی خاکہ اور نصاب تعلیم نے امتِ مسلمہ کے عقیدہ فکر اور تشخص کو باقی رکھنے میں اہم کردار ادا کیا جس کی تمہید حضرت مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی رحؒ نے دعوت و اصلاح کے حکیمانہ طرز فکر و عمل سے کر دی ہے، اور اصلاح و دعوت کے میدان میں سب سے کامیاب طریقہ یہی رہا ہے، حضرت مجدد صاحبؒ نے اسی دانشورانہ طریقہ سے ہندوستان میں اسلام اس کے تشخص، امتِ مسلمہ اور اس کے اعلیٰ اخلاق و کردار کو نہ صرف بچالیا بلکہ مغلیہ سلطنت میں مزید ایک عرصہ کے لئے جان ڈال دی اور اس تخت پر سلطان اورنگ زیب عالمگیر رحؒ جیسا بادشاہ جلوہ افروز ہوا جس نے خلفاءِ راشدین کی یاد تازہ کر دی حضرت مولانا سید ابوالحسن علی صاحب ندوی مدظلہ تحریر فرماتے ہیں:

ا؎ تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو تاریخ دعوت و عزیمت حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی صاحب مدظلہ اور راقم السطور کے مضامین شائع شدہ "البلاغ" ماہ بمبئی۔

"اس طرح ایک تنہا شخصیت نے (حضرت مجدد صاحب) اپنی قوتِ ارادی اور طاقتور ایمان سچی عزیمت، اپنی قیمتِ عرفان، اپنی طاقت کے تحفظ اور خودداری سے نفس کو لایعنی اور غیر ضروری امور سے بچاکر اس علاقہ میں اسلام کی بیداری کے لئے وقف کر دیا، اور توفیقِ الٰہی سے حکومت اور اس کے رجحان میں انقلاب برپا کر دیا اور عقیدۂ وحدتِ وجود کا نام ونشان مٹا دیا جو تصوف، ادب اور شاعری میں جگہ بنا چکا تھا اور طریقت کو شریعت سے جدا کر دیا تھا اور مسلمانوں کے عقیدہ، فکر وخیال اور رسم ورواج میں دوسری جاہلی اقدار جاری ہو گئی تھیں"[1]

حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ نے اسی فکر ودعوت سے روشنی حاصل کرکے زیادہ وسیع ہمہ گیر اور حالات کے پیش نظر اصلاح کا خاکہ پیش کیا جس کا خلاصہ حضرت مولانا مدظلہ کی الفاظ میں یہ ہے:

۱. توحیدِ اسلامی کے عقیدہ سے جاہلی گرد وغبار کو صاف شفاف کر کے اسکی اصلی شکل وصورت میں پیش کیا۔

۲. عوام کا کتاب وسنت سے براہ راست رابطہ اور استفادہ کا موقع اور ذریعہ کمزور پڑ گیا تھا یا تقریباً ختم ہو گیا تھا، حضرت شاہ صاحب نے قرآن مجید کا ترجمہ کر کے اور حدیثِ نبوی کی نشر واشاعت کرکے عام فہم بنا دیا۔

۳. دینی علوم خصوصاً حدیث شریف سے علماءِ ہند کی معلومات ناقص اور کمزور ہو گئی تھیں آپ نے صحاح اور موطا اور دوسرے علوم کی شرح واشاعت کرکے اور ان کے صاحبزادوں اور گھرانہ نے توجہ مبذول کر کے اسکا درجہ اور قدر وقیمت ہندوستان میں بلکہ عالم اسلام میں بڑھا دیا۔

[1] الدعوۃ الاسلامیہ فی الہند ص ۲۱

کرکے اس کا درجہ اور قدر و قیمت ہندوستان میں بلکہ عالم اسلام میں بڑھادیا

۴۔ انھوں نے محسوس کیا کہ عالم اسلام جلد ہی تعقل پسندی اور فکری انقلاب سے دوچار ہونے والا ہے اس لئے فکر اسلامی کی تفہیم و توضیح رموز دین اسرار شریعت و حکمت کا بیان، اسلام میں نظام خلافت، زندگی و معاشرہ کے نظم و ضبط کے سلسلے میں اسلام کے طرز و اصول کی وضاحت از بس ضروری ہے۔ اس سلسلے میں انھوں نے ایسی کتابیں تصنیف کیں جو اسلامی کتب خانوں میں تحفہ اور خاصہ کی چیز ہیں۔ جیسے کہ حجۃ اللہ البالغہ اور ازالۃ الخفاء فی خلافۃ الخلفاء۔

۵۔ انھوں نے واضح طور سے محسوس کیا کہ اب ہندوستانی حکمراں خاندان میں طاقت اور جان ڈالنے سے کچھ حاصل نہ ہوگا اس لئے کہ بقول علامہ ابن خلدون:۔

(جب کسی حکومت کو بڑھاپا اور شیخوخت لاحق ہو جاتی ہے تو اس میں تازگی اور طاقت پیدا کرنا ممکن نہیں ہوتا۔) پھر اس کے اصلاح کی کوشش لاحاصل ہے لہذا۔ ایک ایسی جماعت کی تشکیل دینا ضروری ہے جو اسلامی انقلاب برپا کرسکے اور جدید دینی بنیادوں پر اسلامی حکومت قائم کرسکے [۲]

اسی خاکہ، پروگرام اور اسکیم کو اپنا کر ان کے صاحبزادگان حضرت شاہ

---

[۱] الدعوۃ الاسلامیہ فی الہند ص ۲۱۔

[۲] الدعوۃ الاسلامیہ فی الہند ص ۲۴ — ۲۳

عبدالعزیز محدّث دہلوی، حضرت شاہ عبدالقادر اور حضرت شاہ عبدالغنی رحمہم اللہ نے اصلاح و دعوت، تدریس و تربیت کا کام شروع کیا جن کی کوششوں اور تربیت کا نتیجہ تھا کہ حضرت سید احمد بن عرفان شہید اور حضرت مولانا اسماعیل شہید رحمہما اللہ کی تحریکِ دعوت و جہاد پروان چڑھی، اور اس نے سرحد اور شمال مغربی ہندوستان میں اسلامی ماحول پیدا کر دیا اور پورے ہندوستان میں اصلاحِ دعوت، تحریکِ استقلال و حریت، مدارس کی تشکیل او احیاءِ اسلام و تجدیدِ دین کی روح پیدا کر دی، جیسا کہ سطورِ بالا میں اشارہ کیا گیا۔[1]

پھر اٹھارہویں صدی کے اختتام اور انیسویں صدی کے آغاز میں مسلمانوں کو پسپائی، ذلت، رسوائی اور اقتدار سے محرومی نے مایوسی اور بحرانی کیفیت میں مبتلا کر دیا تھا بیشتر مسلمان یورپ کی فوجی برتری، صنعتی و تجارتی ترقی، سیاسی کامرانی تعلیمی و ثقافتی ارتقاء سے مرعوب ہو کر احساسِ کمتری کے شکار بھی ہو گئے یورپی پادریوں، تعلیم یافتہ لوگوں دانشوروں اور مغربی حکمرانوں نے اسلام، اس کے عقیدہ، اعلیٰ اخلاق و اقدار پر زبردست یورش کی، جس کے نتیجہ میں مسلم علماء و مفکرین پہلے تو ملزموں کے کٹہرے میں محصور نظر آئے اور ان کے اعتراضات اور الزامات کا معذرت اور تنازل کے انداز میں جواب دیتے رہے، پھر کچھ اعتماد و جرأت کر کے اسلامی واقعات اور

---

[1] الدعوۃ الاسلامیہ فی الہند ص ۲۴ — ۲۳

تاریخِ جہاد کو انفرادی لغزش یا اجتہاد کی غلطی قرار دینے کی کوشش کی جس سے مسلم معاشرہ میں اپنی تاریخ وروایات سے بے اعتمادی پیدا ہونے لگی، اور یورپ و مغرب کو تمام حیثیتوں سے نمونہ وآئیڈیل کا درجہ دے دیا۔ یہ دونوں صورتیں مسلم معاشرہ اور اسلامی تشخص پر ایک کاری ضرب ثابت ہو جاتیں اگر عین وقت پر افغانستان سے سیّد جمال الدین افغانی ایک شعلہ جوّالہ بن کر منصۂ عالم پر ظاہر نہ ہو جاتے، انھوں نے دینی علوم، عربی و فارسی زبان کے علاوہ فرانسیسی و انگریزی زبان و ادب پر عبور حاصل کیا تھا یہ اس دور میں اولین علماء و مفکرین میں تھے جنھوں نے یورپ اور مغرب کے خطرہ کو محسوس کر کے اُس کے سیاسی اقتدار کو چیلنج کیا، اور مصر میں چند ایسے شاگرد اور ہمنوا تیار کر لئے کہ جن کے ذریعہ پورے عالم اسلام میں سامراج سے آزادی کا صور پھونک دیا۔
جن حضرات نے ان کی آواز پر لبیک کہی اور بعد میں بھی ان کی تحریک آزادی کو متحرک و فعال رکھا ان کے چند اسماء گرامی یہ ہیں:۔
شاگردِ رشید شیخ محمد عبدہ، شیخ محمد رشید رضا، سعد زغلول پاشا احمد عرابی پاشا، محمود سامی البارودی، مصطفی لطفی منفلوطی، اور امیر شکیب ارسلان ، (ان حضرات کے حالات کے لئے ملاحظہ راقم السطور کے مضامین شائع شدہ مجلّہ ,,البلاغ،، بمبئی)
برِ صغیر ہند میں بھی سید جمال الدین افغانی نے مختصر قیام کیا اور یہی جوت جگایا اور جنگِ آزادی کے میدان میں ہندو مسلمان رہنما نمودار ہوئے

جنھوں نے انگریز سے حریت و استقلال اور ان کے سیاسی تسلط و اقتدار سے چھٹکارے کے لئے نمایاں خدمات انجام دیں، اسی دوران ہندوستان میں ایک ایسا عظیم مفکر، دانشور، فیلسوف، شاعر و قانون داں پیدا ہوا جس نے سیاسی سامراج سے آزادی حاصل کرنے سے کہیں زیادہ تہذیب و تمدن، مغربی معاشرت، مغربی افکار و خیالات، مغربی ذہنیت و عقلیت اور مغربی سحر انگیزی سے آزادی و چھٹکارا اور نجات کی پُرزور دعوت دی، یہ علامہ محمد اقبال کی شخصیت تھی، جنھوں نے اپنے خطبات اور لازوال اعلیٰ معیار کی شاعری سے ایک عظیم اور فعّال طاقت و تحریک برپا کردی جس نے پورے عالم اسلام کو حیاتِ نو اور نشاتِ ثانیہ کا پیغام دیا۔

ان مذکورہ بالا شخصیتوں کی انفرادی کوششوں، قربانیوں اور کاوشوں کے نتیجہ میں عالم اسلام میں متعدد جماعتیں، انجمنیں اور تحریکیں اٹھیں جنھوں نے اسلامی دعوت احیاءِ دین، اور مسلم معاشرہ میں اعتماد و اعتبار کی فضاء پیدا کی اور پھر بیداری کی لہر دوڑائی، چند جماعتوں کا ایک سرسری جائزہ پیشِ خدمت ہے۔

۱) مغرب شمالی افریقہ میں سنوسی تحریک جس کے بانی شیخ محمد بن علی سنوسی تھے

۲) مصر و شام اور پھر پورے عالم عرب میں اخوان المسلمین جو یورپ، امریکہ ایشیا و افریقہ میں اثر انداز ہوئی اسکے بانی امام حسن البنا شہید تھے۔

۳۔ ہندو پاکستان میں جماعت اسلامی کے بانی مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی تھے جس کے اثرات عالم عربی و یورپ و امریکہ میں نمایاں ہیں۔

نیز ہندوستان میں تحریکِ ندوۃ العلماء، جمعیۃ العلماء ہند، حمایتِ اسلام اور جمعیۃ اہل حدیث نے اہم کردار ادا کیا ہے۔

۴۔ ترکی میں: جماعت نور جسکے بانی شیخ سعید بدیع الزماں نورسی تھے

۵۔ جماعتِ عباد الرحمٰن: لبنان، اس کے بانی الجنیر محمد عمر داعوق تھے جماعت اسلامیہ، اس کے قائد و سربراہ، استاذ فتحی یکن ہیں۔

۶۔ سوڈان: مھدوی تحریک اس کے بانی محمد احمد بن عبداللہ تھے

۷۔ ترکی رفاہ پارٹی اس کے بانی: پروفیسر نجم الدین اربکان ہیں

۸۔ فلسطین، اردن، شام و لبنان، حزب التحریر کے بانی: شیخ تقی الدین النبھانی تھے

۹۔ مصر: انجمن شبانِ مسلمین: بانی صالح حرب پاشا

۱۰۔ انڈونیشیا: حزب اسلامی ماشومی اس کے بانی: ڈاکٹر محمد ناصر تھے

۱۱۔ ایران ——— فدائیان اسلام جس کے بانی: نواب صفوی تھے

۱۲۔ جماعت تبلیغ ایک عالمگیر دعوت، ہندوستان، اس کے بانی حضرت مولانا الیاس کاندھلوی صاحب رحمۃ اللہ علیہ تھے۔

۱۳۔ بنگلہ دیش، فرائضی تحریک جس کے بانی: حاجی شریعت اللہ تھے۔

شمالی افریقہ کی سنوسی جماعت:۔

سنوسی تحریک کے بانی شیخ محمد بن علی سنوسی مراکش کے ایک گاؤں

میں پیدا ہوئے وہاں ہی ابتدائی اور ثانوی تعلیم حاصل کی اس کے بعد جامع القرویین میں اعلیٰ تعلیم پائی دینی تعلیمی، تربیتی اصلاحی جذبوں و صلاحیتوں کی بنا پر تدریس کے منصب پر فائز کئے گئے اور جلد ہی مرکز توجہ بن گئے۔ انہوں نے علماء اور مسلم معاشرہ کا جائزہ لیا تو مایوسی ہوئی، اس لئے دعوتی و اصلاحی خدمت کا ارادہ کیا اور اس کے لئے مسلم ممالک کے دورے پر نکل پڑے، مصر میں قیام کر کے وہاں مرکز اور خانقاہ بنائی پھر خیال ہوا کہ حرمین شریفین کی زیارت کر کے وہاں مرکز قائم کرنے کی کوشش کریں تاکہ تمام مسلم ممالک سے آنے والے مسلمانوں کو اپنا پیغام پہونچا سکیں اس جماعت کے مقاصد یہ تھے۔

۱۔ مسلم معاشرہ سے خلافِ شرع رسم ورواج اور بدعات کو دور کرنا۔

۲۔ غیر ملکی اقتدار سے آزادی کا حصول

۳۔ تعلیم وتربیت اور عام اصلاح

۴۔ مسلمانوں اور غیر مسلموں میں تو یہ وانابت اور نشر اسلام۔

مکہ مکرمہ میں ان کی خانقاہ بڑی کامیاب خدمات انجام دے رہی تھی کہ اسی دوران فرانسیسی سامراج کی جانب سے وطنِ مراکش پر شدید حملہ کی خبر سنی، وطن روانہ ہوئے مگر فرانسیسی حکومت نے انھیں مراکش میں داخل نہ ہونے دیا تو لیبیا کے صحرائی علاقہ کا رخ کیا اور آخر میں ایک گذرگاہ (جغبوب) میں اپنا مرکز بنایا، ان کے انتقال کے بعد ان کے صاحبزادے شیخ احمد سنوسی نے قیادت سنبھالی، اور اصلاح وتربیت کے ساتھ

ساتھ اطالوی فوج سے زبردست مقابلہ کیا قریبی افریقی ممالک نے بھی اس کے زبردست اثرات قبول کئے ، اس جماعت نے تعلیم وتربیت ، اصلاح وجہاد کے میدان میں نمایاں خدمات انجام دیں اور آئندہ آنے والی اسلام پسند نسلوں کے لئے بہترین اسوہ اور قدوہ چھوڑا اس کے بہترین تربیت یافتہ افراد نے دین کی سربلندی وطن کی آزادی اور معاشرہ کی اصلاح اور دعوت وجہاد کی راہ میں جامِ شہادت نوش کیا جس میں سب سے زیادہ نمایاں نام شہید عمر مختار کا ہے۔

ترکی کی جماعت نور:۔ شیخ بدیع الزماں نورسی نے یہ جماعت قائم کی شیخ نورسی اناضول کے ایک مشرقی گاؤں نورس میں ۱۲۹۳ھ میں پیدا ہوئے خلافتِ عثمانیہ کے عہد میں ممبر منتخب ہوئے ، سلطان عبدالحمید ثانی سے قریب رہے۔ مگر سلطنت کی اسلام سے دوری پر سخت تنقید کی ، اور انجمن اتحاد وترقی کی حمایت کی ، مگر مصطفی کمال کی سربراہی اور پھر لادینی وسیکلر رجحان نیز علماء اور اسلام پسندوں کی خونریزی سے انھیں اندازہ اور یقین ہوگیا کہ یہ اسلام دشمن انجمن ہے۔ اس کی اصلاح کی کوشش کی مگر مخالفتوں سے دوچار ہوئے اور سخت اذیتیں اٹھائیں جیل اور جلاوطنی کی سزاؤں کے دوران ۱۹۶۰ء میں خالقِ حقیقی سے جاملے ان کے بعد ۱۸۹۶ء میں لارڈ کچنر نے از سرِ نو انگریزی حکومت بحال کرلی۔

تحریک مہدوی ، سوڈان :۔ بانی محمد احمد بن عبداللہ ۱۸۷۰ء میں جماعت کا خاکہ تیار ہوا ، ۱۸۸۱ء میں مصر وسوڈان میں انگریزی تسلط کے خلاف آواز بلند کی ، انھیں کردفان کی سلطنت پیش کی گئی مگر رد کردی ، سوڈان کے عوام کی حمایت سے حکومت قائم کرلی اور انگریزوں کو شکست دی وہ گیارہویں امام کے

نام سے دعوت دیتے تھے۔۔

اخوان المسلمین : امام حسن البنا، پیدائش محمودیہ میں ۱۹۰۶ء مطابق ۱۳۲۴ھ اسماعیلیہ کے مدارس میں تدریس کے فرائض انجام دیئے، خالص دینی و علمی گھرانہ میں پیدا ہوئے۔

والد احمد عبد الرحمن بنا ممتاز عالم وفقیہ تھے اور مسند امام احمد کو ۲۴ جلدوں میں مرتب کیا تھا اس کے علاوہ حدیث وفقہ کے موضوع سے متعلق متعدد تصنیفیں ہیں ۱۹۲۵ء میں اخوان مسلمین کی تشکیل اسماعیلیہ میں ہوئی ان کے دست راست شیخ محمد فرغلی تھے جو انقلاب مصر کے بعد مصر کے صدر جمال عبد الناصر کے حکم سے اپنے چھ اخوانی ساتھیوں کے ساتھ ۱۹۵۴ء میں شہید کئے گئے۔

نقراشی پاشا کی وزارت عظمیٰ کے دوران ۱۲ فروری ۱۹۴۹ء مطابق ۱۳۶۸ھ میں قاہرہ کی جماعت شبان مسلمین کے مرکز میں ان پر حملہ کیا گیا، گولی لگی، اسپتال پہونچائے گئے۔ مگر ڈاکٹروں کو ہدایت دلائی گئی کہ انھیں کوئی مدد نہ پہونچائی جائے چنانچہ اسی رات یہ پاک نفس اور عظیم داعی اسلام اللہ تعالیٰ سے جا ملا اور پوری جماعت پر پابندی عائد کردی گئی یہاں تک کہ کسی کو جنازہ میں شرکت کی اجازت بھی نہ دی، بوڑھے والد بزرگوار اور عورتوں نے تجہیز وتکفین اور تدفین کا کام انجام دیا، لیکن جماعت نے شدید ترین پابندیوں، قید وبند و زندان وسلاسل کے درمیان اپنا کام جاری رکھا اور تاریخ دعوت وعزیمت میں ایک سنہرے باب کا اضافہ کیا مسلسل اس کے کارکن تختۂ دار پر چڑھتے رہے اور خونی داستان رقم کرتے رہے

جس کے سرِ فہرست سید قطب شہید کا نام نامی ہے جنھوں نے عزیمت پر عمل کر کے بخوشی پھانسی کا پھندہ گلے میں ڈلوا لیا اور پھر ان کے خون کے مبارک قطروں نے پوری دنیا میں اسلامی بیداری اور قربانی کی فضا پیدا کر دی جس سے دوسری جماعتیں اور تحریکیں بھی ترقی و کامرانی کی راہ پہ گامزن ہیں۔ اسی کا فیض ہے کہ نہ صرف مصر و سوڈان و شام و الجزائر بلکہ یورپ، امریکہ میں اسلام اور اس کے اقدار کی عظمت و رقیہ کو وسعت و قبولیت حاصل ہو رہی ہے۔

جن جماعتوں اور تحریکوں کا نام مذکورہ بالا صفحات میں آیا ہے ان کے مقاصد اصول و ضوابط اور سرگرمیاں و اصلاحی قربانیاں جماعت اخوان مسلمین کے نور کی کرنیں اور اسی کے بحرِ بے کنار کی موجوں کی لہریں ہیں۔

ہندوستان کے پایۂ تخت دہلی کی بنگلہ والی مسجد میں ۱۹۲۰ء اور ۱۹۴۰ء کے درمیان ایک نحیف و لاغر، مگر دردناو تاں مگر ایمان و یقین کی دولت سے مالا مال اور بہت حوصلہ، عزم و ولولہ سے بھرپور ممتاز عالم دین اور ولیِ کامل حضرت مولانا محمد الیاس رحمۃ اللہ علیہ نے دعوت و اصلاح کی بنا جن چھ باتوں پہ ڈالی تھی اور گرد و نواح اور میوات کے سیدھے سادے نیک دل مسلمانوں کو نماز کا پابند بنانے کی کامیاب کوشش کی تھی اس کی نیک دعاؤں، صالح تمناؤں اور آہِ سحر گاہی کی گونجوں نے اس پاک نفس کے دونوں جانشینوں حضرت مولانا محمد یوسف صاحب اور حضرت مولانا محمد انعام الحسن صاحب رحمہما اللہ کے ذریعہ پورے عالم کو لبیک کہلوا دیا اور آج یہ دعوت نہ صرف مسلمانوں بلکہ پورے عالمِ انسانیت کے دلوں پر

دستک دے رہی ہے اور یہ مژدہ سنا رہی ہے کہ وہ دن دور نہیں جب اسلام کے زیر سایہ انسانیت کو سکھ چین کی نیند اور اس کے دل کو سکون واطمینان نصیب ہو جائے گا۔

یہی وہ دعوت ہے جس کے علمبردار اور خاکہ ساز حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ تھے اور اسی کے نقش قدم پر گامزن ہو کر انھیں کے مولد و وطن پھلت میں جامعہ امام ولی اللہ دہلویؒ عملی نمونے پیش کرنے کی پرخلوص کوشش کر رہی ہے اللہ تعالیٰ شرف قبولیت بخشے۔

ایں دعا از من واز جملہ جہاں آمین باد

سب سے زیادہ جس چیز کی ضرورت ہے، جس چیز کی کمی ہے وہ یہ ہے کہ مسلمانوں نے اپنا منصب فراموش کر دیا، آپ معاف کریں مسلمان تو اس لئے تھے کہ مسلمان جس ملک میں جائیں اس ملک میں خدا کی خدائی کا ڈنکا بجے اور وہاں جو غیر اللہ کی پرستش ہوتی ہے وہ مٹ جائے وہ فراموش ہو جائے، وہ ایک تاریخی افسانہ بن جائے، لوگ کہیں کہ کیا ایسا ہو سکتا ہے مسلمان اس لئے تھے کہ جس ملک میں وہ قدم رکھیں وہاں ظلم کا خاتمہ ہو جائے وہاں درندگی کا خاتمہ ہو جائے اور نفس پرستی کا خاتمہ ہو جائے، شہوانیت کا خاتمہ ہو جائے، جنسی بے راہ روی اور انحرافات کا خاتمہ ہو جائے۔

(حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی)

غیر مسلموں میں تبلیغ

ایک دینی فریضہ اور

ملّی وسیاسی ضرورت

★ — مولانا برہان الدین سنبھلی دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ

اسمیں کسی ذی عقل کیلئے شبہہ کی گنجائش نہیں اور کائنات کا ذرہ ذرہ اس بات پر گواہی دے رہا ہے کہ سب کا پیدا کرنے اور پالنے والا ہے ایک نہایت حکیم و دانا اور قادر و توانا ہے۔ یہ حقیقت نہ صرف آسمانی کتابوں اور خدا کے پیغمبروں نے بیان کی، بلکہ تمام سلیم الفطرت انسانوں کی فطرت پکار پکار کر اس کا اعلان و اعتراف کرتی آرہی ہے۔ ایک قدیم عرب شاعر نے "کُلُّ اِلیٰ ذَاتِ الاِلٰہِ یَئِیْرُ" کے بلیغ انداز میں یہی اظہار و اعتراف کیا تھا۔ سب سے بڑھ کر یہ کہ قرآن مجید نے صراحت کی ہے کہ مشرکین عرب بھی اسی ایک کو تمام کائنات کا خالق و رازق مانتے تھے، " وَلَئِنْ سَاَلْتَہُمْ مَنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ لَیَقُوْلُنَّ اللّٰہُ - وَلَئِنْ سَاَلْتَہُمْ مَنْ نَزَّلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَحْیَا بِہِ الْاَرْضَ

بَعدَ مَوتِہَا لَیَقُولُنَّ اللّٰہُ " شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ نے (اپنی شہرہ آفاق کتاب حجۃ اللہ میں) نقل کیا ہے کہ یہ حقیقت مشرکینِ عرب وغیرہ کے درمیان بھی تسلیم شدہ تھی۔ موصوف کے الفاظ ہیں۔ " القرآن ناصٌّ علی انّھُما مِنَ المقدمات المسلّمۃ عندھم " لیکن یہ عجیب بات ہے کہ اس واضح و مسلم حقیقت سے عملی و فکری انحراف ور دگردانی کی تکلیف دہ کہانی (یعنی شرک و بت پرستی کی روایت)، اُتنی ہی قدیم ہے جتنی کہ انسان کی معلوم تاریخ چنانچہ آدمِ ثانی حضرتِ نوح علیہ السلام کے زمانہ سے لیکر آج تک یہ مرض اور مریض ذہنیت برابر چلی آرہی ہے۔

اس مرض کی سنگینی اور اس کے ازالہ کی تدابیر کے ضروری ہونے کا اندازہ اِس بات سے لگایا جاسکتا ہے از آدم تا ایندم، اِن مساعی کا تسلسل چلا آرہا ہے جن سے یہ 'مرض' زائل ہو۔

پہلے تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے تقریباً ایک لاکھ انبیاء علیہم السلام اِسی مُہم پر بھیجے گئے اور سب نے آکر یہ پیغام دیا۔ یٰقَومِ اعْبُدُوا اللّٰہَ مَالَکُم مِن اِلٰہٍ غَیرُہٗ " اور اسی زرّیں سلسلہ کے خاتم و آخر (علیٰ نبینا وعلیہم الصلوات والسلام) کی بعثت کے بعد یہ ذمہ داری وارثینِ (انبیاء یعنی علماء) کے سپرد کی گئی، جسے وہ بطریقِ احسن انجام دیتے رہے۔ اس کا ایک ثبوت یہ ہے کہ ظلمتِ شرک وکفر برابر سکڑتی اور نورِ ایمان مسلسل پھیلتا رہا، تاآں کہ آج کلمہ گویوں کی تعداد قرونِ اولیٰ کے مسلمانوں سے کہیں زیادہ ہے۔ مردم شماری کے اعداد وشمار کے مطابق مسلمان کل انسانی آبادی کا

کم و بیش، ایک تہائی حصہ ہیں (زادہم اللہ وبارک فیہم)، لیکن مسلمانوں کی تعداد کے یہ خوش کن اعداد وشمار، داعی اور مبلغ حضرات کے اطمینان سے بیٹھ جانے یا انھیں اپنے کام میں ڈھیل ڈالنے کا جواز نہیں پیدا کرتے نہ اس غرض سے یہاں پیش کئے بلکہ اسلاف اور پیشرو حضرات کی مساعی کا اندازہ کرنے اور ان کے نقش پا سے راہنمائی اور سبق حاصل کرنے کی غرض سے ذکر کر دیئے گئے ہیں۔ سچ تو یہ ہے کہ اس تعداد میں نہ جانے کتنے صرف نام کے مسلمان ہیں جنھیں کام کا بنانے کی مہم بھی کچھ کم اہم نہیں ہے۔ (کیوں کہ یہ کام چنداں آسان نہیں) جو بحمد اللہ بعض افراد، ادارے اور جماعتیں۔ بالخصوص تبلیغی جماعت کر رہی ہے شاید یہ بات تسلیم کرنے میں کسی کو تامل نہ ہو گا کہ دنیا میں جبتک اسلام کا اجالا پوری طرح نہیں پھیل جاتا یعنی خدا کا ایک بندہ بھی خدا سے بے گانہ رہتا ہے۔ اس وقت تک کسی داعی کیلئے چین و اطمینان سے بیٹھنا درست نہیں، خاص طور سے ایسے ملک میں جہاں صورتحال یہ ہو کہ سینوں کے اندر نورِ ایمان کی جھلملاتی ہوئی شمع بجھا دینے کے لئے بڑے بڑے منافخ (پھونک مارنے والے آلات) حکومت و عوام کی پوری طاقت کے ساتھ استعمال کئے جارہے ہوں، وہاں داعی حضرات پر نہ صرف اِن، آلات، کے اثرات کا توڑ کرنے کی ذمہ داری عائد ہوتی ہے بلکہ جو لوگ نورِ ایمان سے ابھی تک محروم ہیں ان تک یہ روشنی پہنچانا بھی داعی کے فرائض میں داخل ہے۔ اس کے لئے بقدرِ استطاعت و وسعت ہر ایک داعی پر تمام صلاحیتوں کا بروئے کار لانا ضروری ہے اور کسی قسم کی کوتاہی و تساہل کو راہ دینے کی گنجائش نہیں (مسلمانوں کا، اسلامی اخلاق اور شرعی قوانین و اصول

معاملات وغیرہ میں پوری طرح اپنانا بھی تبلیغِ اسلام کا اہم ذریعہ بن سکتا ہے) کا۔ کیونکہ، اس راہ میں کوتاہی نہ صرف خداوند تعالےٰ کی ناراضگی کا باعث بلکہ مسلمانوں کی دنیاوی تباہی کا سبب بھی بن سکتی ہے، جس طرح دریا اپنی روانی چھوڑنے کے بعد باقی نہیں رہتا بلکہ اس کا پانی سڑ کر بدبو پھیلانے لگتا ہے۔ اسی طرح جو دین اشاعت پذیر نہیں رہتا وہ، اور اس کے ماننے والے بھی سمٹتے سمٹتے۔ بالآخر مٹ جاتے ہیں جس پر مذاہب وادیانِ عالم کی تاریخ گواہ ہے۔ شاید یہی وہ راز، یا سبب ہے جس کی بناء پر بعض ایسے ادیان والے بھی اپنے اپنے، دین، کو تبلیغی کہنے اور اس کی اشاعت میں بڑھ چڑھ کر حصہ لینے لگے جو اصلاً تبلیغی اور اشاعتی نہیں تھا مثلاً" عیسائی مذہب، کہ وہ اصلاً صرف بنی اسرائیل کیلئے تھا، (جس پر حضرت عیسیٰؑ کے صریح اقوال۔ اور اللہ کا کلام،، ورسولا الی بنی اسرائیل،، دال ہے) خلاصہ یہ کہ ہندوستان جیسے ملک میں اسلام کی (غیر مسلموں میں)، تبلیغ کرنے کی اہمیت نہ صرف شرعی و دینی ہے۔ بلکہ ملّی سیاسی، عمرانی، تمدنی اور عقلی بھی ہے کہ اسکے بغیر عالم اسباب میں مسلمانوں کا ہندوستان میں وجود و بقا خطرہ میں پڑ سکتا ہے سب سے بڑھ کر یہ کہ اسی فریضہ کی عدمِ ادائیگی خداوندی غضب کا مستحق بنا سکتی ہے۔ جس کے نتیجہ میں یہاں کے مسلمان (خدانکردہ) خسر الدنیا والآخرۃ کا مصداق بن سکتے ہیں۔ (لاقدر اللہ) ان وجوہ واسباب کا تقاضہ ہے کہ مسلمان اس فریضہ سے غافل نہ رہیں اور اس کی ادائیگی میں ادنیٰ سستی نہ برتیں۔ ،، واللہ الموفق وعلیہ التکلان،،

اُمّتِ مُسلمہ

دعوت اسلام کے لئے اپنے رب کے نزدیک جوابدہ ہے

• مولانا قاضی مجاہد الاسلام صاحب قاسمی

اسلام خدا کا وہ پسندیدہ دین اور انسانی زندگی کا وہ سادہ، سیدھا اور فطری راستہ ہے جو خالق کائنات نے انسانوں کے لئے منتخب فرمایا ہے یہ دین ہمیشہ ایک رہا ہے اور اللہ کے تمام نبیوں اور رسولوں نے انسانوں کو ہمیشہ اسی ایک دین کی دعوت دی ہے۔ اِنَّ الدِّیْنَ عِنْدَ اللّٰہِ الْاِسْلَام۔ جب بھی انسانیت اس سیدھی راہ سے منحرف ہوئی مشکلات اور خطرات سے دوچار ہوئی۔ اور روئے زمین پر فساد رونما ہوا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے کسی نئے رسول کو بھیج کر انسانیت کو مشکلات سے نکالا اور ظلم وفساد کا خاتمہ کیا۔ اور آخر میں اپنے آخری رسول حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث فرما کر دینِ حق کو مکمل صورت میں دنیا کے سامنے پیش فرما دیا۔

اور خود اس دین کی حفاظت کی ذمہ داری لی۔ اب قیامت تک آنے والے تمام انسانوں کی اخروی فلاح کا مدار تو صرف اس دین کی پیروی پر ہے ہی۔ اس دنیا میں بھی انسانیت کی فلاح و کامرانی اور امن وسلامتی اس دین کی پیروی میں ہے۔ آج انسانیت جن پیچیدہ مسائل سے دوچار اور جن مہلک خطرات میں گھری ہوئی ہے اس کی بنیادی وجہ صراطِ مستقیم سے انحراف ہے۔ اور اس کا واحد حل یہ ہے کہ انسانیت دوبارہ اس صراط مستقیم پر گامزن ہو اور اس صالح اور عادلانہ زندگی کو قبول کرے۔ اور امت مسلمہ جو اس دین اور پیغام کی حامل ہے وہ اس دعوت کو تمام انسانیت تک پہنچانے کی مکلف اور اپنے رب کے نزدیک جواب دہ ہے وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ وَيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ شَهِيْدًا (البقرۃ)

آج انسانیت حالت اِحتضار میں اس امت کی طرف ٹکٹکی لگا کر دیکھ رہی ہے کہ یہ امت نئے عزم وارادہ کے ساتھ اور اپنا متوقع کردار ادا کر کے انسانیت کو یقینی ہلاکت سے بچائے۔

اس ملک کا سب سے بڑا مسئلہ شرک اور بت پرستی ہے جسے خدا نے ظلمِ عظیم اور نا قابلِ عفو جرم قرار دیا ہے۔ باقی جتنی برائیاں ہیں وہ سب شرک ہی کے بطن سے جنم لیتی ہیں۔ جس ملک و معاشرہ میں شرک کا رواج ہو گا وہ غضبِ الٰہی اور دنیاوی زندگی میں ذلت

و خواری کا شکار ہوگا۔ اور یہ شرک کا لازمی نتیجہ ہے اِنَّ الَّذِیْنَ اتَّخَذُوا الْعِجْلَ سَیَنَالُهُمْ غَضَبٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ وَذِلَّةٌ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا (الاعراف) اس لئے ماحول کو شرک کی لعنت سے پاک کرنے کی کوشش کرنا جہادِ عظیم ہے۔ شرک کی کوئی بنیاد نہیں، نہ اس عقیدہ میں ذرہ برابر معقولیت ہے اور الحمد للہ کہ ملک کا سنجیدہ اور تعلیم یافتہ طبقہ بت پرستی سے متنفر اور نالاں ہے۔ اس کے برخلاف توحید اس کائنات کی سب سے بڑی حقیقت اور سب سے بڑی صداقت ہے جس کا اعتراف ہر انسان کی فطرت میں موجود ہے اس لئے توحید کی دعوت ہر سنجیدہ اور سلیم الفطرت انسان (جن کی تعداد ہر ملک و معاشرہ میں زیادہ ہوتی ہے) کے دل کو اپیل کرتی ہے۔ برادرانِ وطن کے نزدیک جو کتاب الہامی سمجھی جاتی ہے اس میں بھی توحید کی تعلیم اور شرک کی مذمت کھلے لفظوں میں موجود ہے۔ ہماری ذمہ داری ہے کہ ایسی قدرِ مشترک چیزوں کو تلاش کریں اور انھیں اپنی دعوت کی بنیاد بنائیں کہ اس کی رہنمائی خود قرآن کریم نے کی ہے ارشاد باری ہے: قُلْ يَا أَهْلَ الْكِتَابِ تَعَالَوْا إِلَىٰ كَلِمَةٍ سَوَاءٍ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ أَلَّا نَعْبُدَ إِلَّا اللَّهَ وَلَا نُشْرِكَ بِهِ شَيْئًا وَلَا يَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا أَرْبَابًا مِّن دُونِ اللَّهِ
(آل عمران)

اس سلسلہ میں انفرادی اور اجتماعی جو بھی کوششیں

رہی ہیں وہ نہایت قابلِ قدر اور قابلِ مبارکباد ہیں۔ اور پوری امت کی طرف سے تعاون کی مستحق ہیں۔ خدا ایسی تمام کاوشوں کو قبول فرمائے اور اسے بھٹکے ہوئے انسانوں کی ہدایت کا ذریعہ بنائے۔ آمین

قاضی مجاہد الاسلام

□ □

اسلام تبلیغی مذہب ہے

غور کیجئے تو اسی آیت دعوت نے اسلام کے تبلیغی مذہب ہونے اور پھر اس کی تبلیغی عالمیت جامعیت اور احاطۂ کلی کی طرف بھی رہنمائی فرمائی ہے جس کی تفصیل یہ ہے کہ اس آیت دعوت میں سب سے پہلا کلمہ اُدْعُ کا لایا گیا ہے جس کے معنی یہ ہیں کہ سبیل رب کی دعوت دو اور اس کی تبلیغ کرو یعنی اس دین کو پہونچاؤ۔ ظاہر ہے کہ اگر دین یا سبیل رب پہونچانے کی چیز نہ ہوتی تو پہونچانے کا یہ امر کیسے کیا جاتا؟ پس اس امر صریح سے پہلا مسئلہ تو یہ ثابت ہوا کہ اسلام تبلیغی مذہب ہے جو کسی وطن یا علاقہ یا کسی چہار دیواری یا کسی پہاڑی خطہ میں چھپائے رکھنے کی چیز نہیں بلکہ اس کا پہونچانا اور پھیلانا فرض قطعی ہے جس کا امر حق تعالیٰ نے اس موقعہ پر تو دعوت کے صیغہ سے فرمایا اور دوسرے موقع پر تبلیغ کے صیغہ سے فرمایا ارشاد ربانی ہے

يَٰٓأَيُّهَا ٱلرَّسُولُ بَلِّغْ مَآ أُنزِلَ إِلَيْكَ مِن رَّبِّكَ وَإِن لَّمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَهُ

اے رسول جو کچھ آپ کے رب کی جانب سے آپ پر نازل کیا گیا ہے آپ سب پہونچا دیجئے اور اگر آپ ایسا نہ کریں گے تو آپ نے اللہ تعالیٰ کا ایک پیغام بھی نہیں پہنچایا

بہرحال دعوت اور تبلیغ کی فرضیت سے اسلام کا تبلیغی مذہب ہونا سورج کی طرح روشن ہوجاتا ہے۔

(حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب رح)

جو دلوں کو فتح کر لے وہی فاتح زمانہ

ڈاکٹر محسن عثمانی ندوی
جواہر لال نہرو یونیورسٹی، نئی دہلی

ایک انگریزی مجلہ Religion and law Review میں ہندوازم کی قانونی تعریف پر ایک مضمون شائع ہوا ہے اس مضمون میں ہندوستان کے سابق صدر ڈاکٹر رادھا کرشنن کی تحریر کا اقتباس ہے جس میں کہا گیا ہے کہ ہندو ازم ایک لفظِ بے معنیٰ اور مختلف عقائد کا میوزیم ہے۔

" .To many Hinduism seems to be a name without ant contaent . It is a museum of belief, a medley of rites, or a merman of geographical expression" Vol.3 1994

ڈاکٹر رادھا کرشنن نے بہت غور و فکر کے بعد ہندو مذہب کی جو تعریف

بیان کی ہے وہ یہ ہے، It is a way of life

ہندو مذہب میں کوئی بھی ایسا عقیدہ نہیں ہے جس پر سب کا اتفاق ہو۔ کوئی ایک ایسا نقطہ نہیں ہے جو سب کے لئے مشترک ہو، ہندوؤں کا عقیدہ ہے کہ کوئی مذہب باطل نہیں، سارے راستے حق ہیں جو "ایشور" تک پہونچاتے ہیں، ہندو مذہب میں ایک طرح کی مثنویت پائی جاتی ہے۔ وہ ایک طرح کا سیال مذہب ہے جس کے نہ مقررہ عقائد ہیں نہ ارکان۔

یہ عقیدہ کہ تمام مذاہب سچے ہیں ہندو مذہب کا اہم عقیدہ ہے اور جس کی وجہ سے ہندوؤں نے مختلف دیگر مذاہب کو اپنایا اور اس میں داخل ہوئے اور ایک طبقے نے اسلام قبول کیا لیکن بیسویں صدی میں اٹھنے والی ہندوؤں کی نیشنلزم کی اور اصلاحی تحریکوں نے تبدیلی مذہب کا کام خاصا دشوار کردیا۔ اب ہندوؤں میں نہ صرف خود اعتمادی بلکہ احساس برتری بھی پیدا ہوگئی ہے۔ تاہم داعی کو مایوس ہونے کی ضرورت نہیں، پیغمبروں نے جن حالات میں کام کیا تھا وہ سخت ترین حالات تھے۔ آرے سے جسموں کو چیر دیا جاتا تھا۔ آگ کے آلاؤ میں انہیں ڈال دیا جاتا تھا۔ اور اذیت کی کوئی قسم ایسی نہ تھی جو روا نہ رکھی جاتی ہو۔ توحید کے اعلان سے زبانیں تالو سے کھینچ لی جاتی تھیں، اللہ تعالیٰ نے زمانے کی بساط لپیٹ دی اب آزادیٔ تحریر و تقریر کا زمانہ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس عہد کو اس لئے برپا کیا ہے کہ وہ لوگ اٹھیں دعوت کا کام جن کا فرض منصبی ہے اور اللہ کی مخلوق کو دنیا اور آخرت کی بدانجامی سے بچائیں۔ اگر وہ اس کام کو انجام دیں گے تو اللہ تعالیٰ انہیں انعامات سے نوازے گا اور ان کا حشر اس زمرے میں کرے گا جو "الذین انعمت علیھم" کا مصداق ہیں۔

حالات خواہ کتنے ہی مشکل اور صبر آزما ہوں۔ داعی کے اندر اگر دعوت

کا جذبہ آگ کے الاؤ کی طرح بھڑک رہا ہو تو ممکن نہیں کہ وہ رکاوٹوں کے باوجود آگے نہ بڑھے، اصل مسئلہ صرف اس جذبہ کا ہے، دعوت کا کام کوئی مصنوعی کام نہیں ہے کہ صرف انسان کسی آرگنائزیشن کا ممبر بن جائے، اور کسی فارم کی خانہ پری کرے اور بس داعی بن جائے، یہ کام تو درحقیقت ایمان کی حرارت کے نتیجے میں ابھرتا ہے یہ ممکن نہیں کہ کہیں آگ جلے اور اس کی گرمی گردوپیش تک نہ پہنچے، اس طرح یہ ممکن نہیں کہ ایمان کی حرارت پائی جائے اور دعوت کا مزاج پیدا نہ ہو، جتنا گہرا یقین اس بات کا ہوگا کہ دین اسلام تنہا انسان کے لئے ذریعۂ نجات ہے اور انسانیت کے سمندر میں بلکہ طوفان میں اس کی حیثیت سفینۂ نوح کی ہے اتنا ہی زیادہ دعوت کا کام روئے زمین پر برگ و بار لائے گا۔

سب سے زیادہ فطری طریقۂ دعوت یہ ہے کہ جو غیر مسلم دائرہ تعلقات میں آئے اور اس سے رابطہ قائم ہو اس کو دعوت کا نشانہ بنایا جائے، دفتروں میں کام کرنے والے، یونیورسٹی کے اساتذہ اور طلبہ، تاجر پیشہ حضرات، انجینئر اور ڈاکٹر ان میں سے ہر ایک کے کچھ نہ کچھ تعلقات غیر مسلموں سے ہوتے ہیں، اس اعتبار سے دیکھئے کہ ہندوستان کے مسلمان ایک غیر معمولی پوزیشن میں ہیں یہ پوزیشن ان مسلمانوں کو حاصل نہیں جو سو فیصدی مسلم آبادی کے ملکوں میں رہتے ہیں ہندوستان کے مسلمان بلا شبہہ دعوتِ اسلامی کی بہتر پوزیشن میں ہیں، اگر یہاں مسلمانوں نے اتمامِ حجت کی حد تک دعوت کا کام انجام دیا تو اس پورے ملک کی قسمت سنور جائے گی، اور وہ سارے مسائل جن کا مسلمان رونا روتے ہیں اور جن کے لئے ہر دور نہ ایک نئی تنظیم بناتے ہیں اس طرح ختم ہو جائیں گے جیسے وہ کبھی تھے ہی نہیں، سب سے بنیادی ضرورت اس بات کی ہے کہ خواص ملت کے مزاج کو داعیانہ بنایا جائے اور مزاج کو داعیانہ بنانے کے لئے بنیادی شرط یہ ہے کہ سینہ غم آخرت سے معمور

ہو اور دل کی وہ کیفیت ہو جو اس ماں کی ہوتی ہے جس کا بچہ آگ کے شعلوں میں جل رہا ہو دعوت و تبلیغ کا کام صرف ایک فلسفہ یا نظریہ نہیں۔ یہ ایک مسلسل عمل ہے اور ہر جگہ اندھیرے میں چراغ جلانے کا کام ہے۔ اگر کوئی شخص غیر مسلموں کے درمیان زندگی گذارتا ہے تو پھر اس کی یہ کوشش ہونی چاہیئے کہ پا یا پن کا ر آگ کے شعلوں میں گرنے والے اشخاص کو پورے جذبۂ ترحم کے ساتھ بچانے کی کوشش کرے، اور جب وہ کسی باصلاحیت اور صاحب استعداد مسلمان سے ملے تو اسے بھی دعوت کے مشن میں لگائے داعی کو انگریزی ہندی اور مقامی زبانوں میں دعوتی کتابوں کا سیٹ ہمیشہ سفر و حضر میں اپنے ساتھ رکھنا چاہیئے اور اپنے ماہانہ بجٹ کا ایک حصہ اس کام پر خرچ کرنا چاہیئے۔

اس ملک میں کچھ لوگ انفرادی طور پر دعوت کا کام انجام دے رہے ہیں۔ لیکن یہ کام ابھی آٹے میں نمک کے برابر بھی نہیں ہے صدیوں سے اس کام کے سلسلے میں غفلت کا نتیجہ یہ ہوا کہ عزت، اقتدار سب کچھ ہاتھ سے نکل گیا۔ اور اگر اب بھی دعوت برپا نہ ہوئی تو مسلمانوں کی کسمپرسی اور زبوں حالی میں اضافہ ہی ہوتا جائے گا۔ ہندوستان کی ملت اسلامیہ کا مستقبل، دعوت کے ساتھ وابستہ ہے اگر دعوت نہیں اٹھے گی تو بجائے ملت کو بچانے کی ساری تدبیریں الٹی ہوں گی اور ہر کوشش ناکامی سے دوچار ہو گی۔ اور ہر ملّی تحریک نامراد ہو گی یہاں تک کہ مسلمانوں کو اچھا اور پکا مسلمان بنانیکی تحریکیں بھی مستقبل کو روشن اور تابناک نہیں بنا سکیں گی مدرسے، خانقاہیں، علمی ادارے اور اکیڈمیاں، دانش کدے اور فلاحی تنظیمیں نشر و اشاعت کے مراکز اور کونسل اور مجلسیں ان میں سے کوئی چیز بھی آنے والے طوفان کے لئے بند کا کام نہیں کر سکے گی۔ البتہ اگر اسلام کے تعارف اور تبلیغ کا کام ملک کے ہر حصے میں تھوڑا بہت بھی انجام پاتا رہے تو

دوسری تمام دینی کوششیں بھی انشاء اللہ زرخیز اور بارآور ثابت ہونگی۔

اندلس کی تاریخ ہمارے لئے عبرت کا نمونہ ہے مسلمانوں نے کم وبیش ساتسو سال تک وہاں حکومت کی ان کی تہذیب و تمدن کے نقوش اس سرزمین کے چپے چپے پر موجود ہیں۔ یہ آثارِ قدیمہ زبان حال سے مسلمان وارد اور سیاح کو یہ بتاتے ہیں کہ اس ملک میں بلاشبہ مسلمانوں نے علم و ادب کے چراغ جلائے تصنیف و تالیف کا معیار قائم کیا، یہاں بڑے بڑے کتاب خانے وجود میں آئے، ہر ایک کتابخانے میں ایک ایک لاکھ کتابیں پائی جاتی تھیں۔ یہاں کے تعلیمی اداروں میں ملکوں ملکوں سے جویائے علم آتے تھے اور علم کی پیاس بجھاتے تھے نئی نئی ایجادات نے نگاہوں کو خیرہ کر دیا تھا۔ خوبصورت عمارتوں نے ملک کو جنت نگاہ بنا دیا تھا۔ لیکن اس تہذیبی اور تمدنی عروج اور سیاسی اقتدار کے باوجود مسلمان یہاں اقلیت میں تھے اور ہمیشہ اقلیت ہی میں رہے۔ انہوں نے حکومت کی لیکن غیر مسلموں تک اسلام پہنچانے کا مشن نہیں اختیار کیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ زمانے کی ایک کروٹ نے بلندیوں کو پستی سے بدل دیا۔ تختِ اقتدار کے مسند نشین ملک چھوڑنے پر مجبور ہوئے۔ جو رہ گئے انہیں ذلت و رسوائی کی زندگی اختیار کرنی پڑی کتب خانے غرقِ آب کر دیئے گئے۔ عمارتیں کھنڈرات میں بدل گئیں ملکِ اندلس میں صرف ادباء اور شعراء نہیں بلکہ محدثین سیرت نگار اور اربابِ تفسیر بھی موجود تھے۔ علماءِ دین کی جماعت تھی مسلمانوں کی تربیت و اصلاح کے مراکز تھے، لیکن غیر مسلم آبادی کے درمیان دعوت و تبلیغ کا کام بند رہا قیاس ہے اور شاید تاریخ کی کتابوں کے مطالعے سے یہ بات صحیح ثابت ہو کہ کچھ اہلِ فراست نے علماء کو اس محاذ کی طرف یعنی غیر مسلموں میں دعوتِ اسلام کی طرف متوجہ کیا ہو گا۔ لیکن جواب میں انہیں کچھ مصلحتوں کا حوالہ دیا گیا ہو گا۔ یا ان سے

کہا گیا ہو گا کہ مسلم معاشرہ اگر مثالی معاشرہ بن جائے گا تو لوگ از خود اسلام قبول کرلیں گے حالانکہ واقعہ یہ ہے کہ انبیائے کرام نے تنہا اپنے عمل سے مثالی نمونہ نہیں پیش کیا تھا بلکہ زبان سے بھی دعوت کا کام انجام دیا تھا۔ تب جاکر قوم کے ایک طبقے نے دین قبول کیا اور دوسرے طبقے نے کفر کی راہ اختیار کی۔ اہل اندلس کی اس غفلت کی سزا یہ سامنے آئی کہ دنیا کے نقشے سے اسلامی اندلس کا نام مٹ گیا۔

دعوت کا کام درحقیقت وہ مشن ہے جس کے لئے اللہ تعالیٰ نے پیغمبر اور ہادی ہر ملک و قوم میں بھیجے ختم نبوت کے بعد اس کام کی ذمہ داری مسلمانوں پر ڈالی گئی اور ان کو خیر امت کے لقب سے صرف اس لئے نوازا گیا کہ وہ ساری انسانیت کو ہدایت کا راستہ دکھائیں اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔

کنتم خیر أمة أخرجت للناس تأمرون بالمعروف وتنهون عن المنكر۔	تم ایک بہترین امت ہو جو تمام انسانیت کے لئے اٹھائی گئی ہے تاکہ تم بھلائی کا حکم اور برائی سے روکتے رہو۔

قرآن میں الفاظ "اخرجت للناس" کے استعمال ہوتے ہیں "اخرجت للمسلمین" نہیں فرمایا گیا۔ یعنی دعوت کے کام کا دائرہ ساری انسانیت تک وسیع ہونا چاہیئے۔ یہ کہنا اور سمجھنا اور دوسروں کو سمجھانا نہ صحیح ہے اور نہ مناسب کہ پہلے صرف مسلمان اپنی اصلاح کریں۔ اور جب تک مسلمانوں کی کلی اصلاح نہ ہو جائے اس وقت تک غیر مسلموں کو دعوت نہ دی جائے۔ اس نظریہ کا مطلب تو یہ ہو گا کہ غیر مسلموں میں دعوت کا کام کبھی بھی شروع نہ ہو سکے گا۔ ایسا کبھی نہیں ہوتا کہ سو فیصد ۱۰۰ مسلمانوں کا معاشرہ درست ہو جائے۔ امت کے خواص اور اہل دین ہر دور میں اچھے اور ممتاز لوگ ہوتے ہیں۔ اور یہ آج

بھی نہ صرف ہر ملک میں بلکہ ملک کے ہر گوشے میں پائے جاتے ہیں۔ کوئی چیز مانع نہیں کہ یہ خواص غیر مسلموں کے درمیان میں کام نہ کریں۔

حدیث میں کہا گیا ہے "علماء امتی کانبیاء بنی اسرائیل"۔ میری امت کے علماء اسرائیلی پیغمبروں کے مانند ہیں۔ چونکہ اب کوئی نیا نبی نہیں آئے گا۔ اس لئے اللہ کی مخلوق کو آخرت کے دن کے ہولناک عذاب سے بچانے کی ذمہ داری ان خواص امت پر عائد ہوتی ہے۔ سب سے زیادہ اہم اور مقدم کام مدعو کے لئے خیر خواہی کا جذبہ ہے اور اس کی خیر خواہی کا لازمی تقاضہ یہ ہے کہ دل سوزی کے ساتھ اس کی ہدایت کے لئے تنہائی میں دعاء کی جائے۔ خلوت کی اور رات کی تنہائیوں کی دعائیں، دعوتی کوشش میں تاثیر کا شتابہ لگا دیتی ہیں۔ اگر ملک کے ہر گوشے شہروں اور دیہاتوں میں خواص امت اس کے لئے کھڑے ہو جائیں اور جب مدعو اور مخاطب کو انجام بد سے بچانے کی فکر دل و دماغ پر طاری ہو جائے اور جب یہ کام دلِ بیتاب کی بجلی اور چشم پُرآب کا بادل بن جائے تب سمجھنا چاہیئے کہ فتح باب کا آغاز ہونے والا ہے اور ملک و ملت دونوں کی تقدیر سنورنے والی ہے۔ جب تک داعی خلقِ خدا کی نجات کے مسئلے کو اپنی زندگی کا سب سے بڑا مسئلہ نہیں بناتا اور جب تک یہ غم اس کے دل کا داغ اور سینے کا چراغ نہیں بن جاتا اس وقت تک داعی حقیقی معنوں میں داعی نہیں بن سکتا اور نہ اس کی دعوت میں تاثیر اور کیمیا اثری پیدا ہو سکتی ہے۔

دعوت اور داعی کے درمیان گہرا رشتہ ہوتا ہے۔ داعی کی شخصیت کو سوز و اضطراب کا پیکر ہونا چاہیئے۔ اسے دعوت کی زبان ہونا چاہیئے اس کی شخصیت کو عطر فروش کا مجسم اشتہار بن جانا چاہیئے۔ اس کے ہر انداز کو دلبرانہ ہونا چاہیئے۔ ساری انسانیت کے غم سے اسے چاہیئے کہ اپنے

سینے کو معمور کرلے ۔ رات کے تاروں کو اپنی محبت کا راز داں بنا دے اپنے نالۂ سحرگاہی کو سوئے حق سفیر بنا کر بھیجے اور اشک کے کوکب سے اپنے غم کدے کو روشن کرے کہ یہی انداز نبوت کی میراث ہے ۔

اب دعوت کے سلسلے میں کچھ اپنے ذاتی تجربات پیش کر رہا ہوں۔ دعوت کے میدان میں کسی کامیابی کو نشر و اشاعت کا موضوع نہیں بنانا چاہیئے ۔بہت ساری مصلحتوں کا اور خود اس کام کے سلسلے میں قلب کے اخلاص کا یہی تقاضا ہے ۔ لیکن اس کے باوجود چند واقعات صرف اس لئے پیش کئے جا رہے ہیں کہ لوگوں میں شوق پیدا ہو اور لوگ یہ نہ سمجھیں کہ یہ کام کچھ بہت زیادہ مشکل ہے ۔

راقم السطور کو ایک بار ایک سن رسیدہ امریکن خاتون کو عربی زبان سکھانے کا موقع ملا ۔بہ تدریج ان کو انگریزی زبان میں اسلام کے تعارف کی کتابیں دی گئیں ،عبداللہ یوسف علی کا انگریزی ترجمہ انہوں نے پوری توجہ اور شوق کے ساتھ پڑھا وہ لمحہ میرے لئے بے حد خوشی کا تھا جو کہ کچھ مہینوں کے بعد پیش آیا۔ انہوں مجھ سے کہا کہ مجھے اب نماز پڑھنا سکھا دیجئے ۔ میں پرانی دہلی کے مکتبوں سے وہ کتابیں خرید کر لایا جن میں نمازمیں پڑھی جانے والی چیزیں عربی کے ساتھ رومن رسم الخط میں بھی لکھی ہوئی تھیں۔ اور نماز پڑھنے کی ترکیب کے ساتھ تصویریں بھی دی گئی تھیں

انہوں نے بڑی محنت سے قرآن کی چھوٹی سورتیں اور نمازمیں پڑھی جانے والی چیزیں زبانی یاد کیں۔ انہوں نے اسلام قبول کیا اور باقاعدہ پانچ وقت نماز شروع کیا ۔ رمضان کے روزے رکھتی تھیں ۔ ایک بار رمضان کے موقع پر وہ امریکہ اپنے وطن میں تھیں تو عید کے چاند کے لئے ان کے والدین نے آبزرویٹری کو فون کیا اور اس طرح سے ان کو نئے چاند کا علم ہوا ۔اور انہوں نے اس طرح

عید منائی اب وہ امریکہ میں مقیم ہیں اور ابھی گذشتہ سال ان کا عید کارڈ بھی آیا تھا یہ تھا دعوت کا تجربہ ایک امریکی خاتون کے ساتھ۔

دوسرا تجربہ بھارتی ودیا بھون میں عربی پڑھانے کے سلسلے میں پیش آیا یہ ادارہ ہندوؤں کا ایک معروف ثقافتی تعلیمی ادارہ ہے جو ہندو مذہب پر کتابیں بھی شائع کرتا ہے۔ اسے ایک معروف کٹر ہندو شخصیت کے ایم منشی نے قائم کیا تھا۔ یہاں عربی زبان سیکھنے والے نوے فیصد سے زیادہ ہندو طلبہ ہوتے ہیں کبھی کبھی وہاں ایک بھی مسلمان عربی کا طالب علم نہیں ہوتا۔ دعوتی نقطۂ نظر سے دوسرے سمسٹر میں میں نے مولانا علی میاں کی کتاب "قصص النبیین للاطفال" نصاب میں رکھی ہے۔ یہ کتاب حضرت ابراہیمؑ کے قصے سے شروع ہوتی ہے۔ جس میں مؤثر انداز میں توحید کی دعوت پیش کی گئی ہے، اگر استاد کو اپنی زبان سے کچھ کہنے کا موقع نہ ملے تب بھی کتاب خود بہت کچھ کہتی ہے میرا طریقہ یہ رہا ہے کہ اس کے اختتام سے پہلے اسلام کے تعارف پر کچھ کتابیں ہندی یا انگریزی میں طلبہ کے درمیان تقسیم کرتا ہوں۔ یہ سارے طلبہ ڈاکٹر، انجینئر یا اسی طرح کسی اور میدان کے ماہر ہوتے ہیں جو دولت کمانے کے لئے عرب ملکوں میں جانا چاہتے ہیں، کئی بار ایسا ہوا کہ طلبہ نے اسلام کے بارے میں خود ہی مطالعے کی خواہش کی۔ ایک بار ودیا بھون کے ایک طالب علم جو ڈاکٹر تھے اور ان کی بیوی بھی ڈاکٹر تھیں دونوں اپنے بچوں کے ساتھ میرے گھر پر آئے اور انہوں نے اسلام قبول کیا۔ وہ سب نہا دھو کر کلمۂ توحید پڑھنے کے ارادے سے ہمارے یہاں آئے تھے۔

دعوتی کام کے سلسلے کا ایک حالیہ تجربہ بھی پیشِ خدمت ہے وزارت دفاع کے ایک ذمہ دار افسر کی طرف سے یہ ٹیلی فون آیا کہ انڈین آرمی کے

کیپٹن اور کرنل رینک کے افسروں کو عربی زبان سیکھنی ہے۔ ان کو اقوام متحدہ کی طرف سے کویت عراق کی سرحد پر متعین کیا گیا ہے۔ اور بہت مختصر وقت میں ان کو یہ زبان سکھائی ہے یا زبان کا تعارف کرانا ہے۔ وقت صرف ڈیڑھ دو مہینہ کا دیا گیا ہے۔ اتنی کم مدت میں عربی جیسی زبان سیکھنا ناممکن کے درجہ میں تھا لیکن راقم السطور نے اس ذمہ داری کو قبول کیا کیوں کہ یہ بہترین موقع تھا جس میں فوج کے اعلیٰ ترین افسروں کے سامنے دین کی دعوت دی جاسکتی تھی دہلی کے آرمی ہیڈ کوارٹر میں عربی کا جب کلاس ہوتا تھا تو ایک چھوٹا ہال کئی کئی اسٹار لگی ہوئی اور بلّوں سے سجی ہوئی وردیوں سے بھر جاتا تھا۔ یہ وردی پوش فوجی افسران جب عربی پڑھتے تو موقع نکال کر ہر لکچر میں کچھ نہ کچھ باتیں میں اسلام کے تعارف کے لئے ضرور رکھتا تھا۔ ایک لکچر میں تمہید کے طور پر میں نے ہندو مذہب کی تعریف کی اور کہا کہ اس میں اتنی لچک اور وسعت ہے جو کسی مذہب میں نہیں پائی جاتی، یہ عقیدہ کہ سارے مذاہب سچے ہیں اور سارے راستے ایشور کی طرف جاتے ہیں۔ ہندو مذہب کا یہ غیر معمولی نظریہ ہے اس تمہید کے بعد میں نے بتایا کہ اس نظریہ کے اعتبار سے کوئی ہندو اگر اسلام قبول کرتا ہے تو وہ کوئی غلط راستہ اختیار نہیں کرتا۔ پھر میں نے بتایا کہ اسلام یہ بتاتا ہے کہ مذاہب اپنی اصل کے اعتبار سے سچے تھے لیکن ماہ و سال کی گردش نے اصل تعلیمات پر گرد و غبار کے اتنے دبیز پردے ڈال دیئے کہ صحیح تعلیمات تک پہنچنا ناممکن ہو گیا ہے۔ تشریح کرتے ہوئے میں نے بتایا کہ ہندو اسکالر ز ویدوں کے بارے میں مختلف اور متضاد رائے رکھتے ہیں کوئی کہتا ہے کہ وید ایک ملین سال پرانا ہے کوئی یہ بتاتا ہے کہ وید پچاس ہزار سال پرانے ہیں کوئی پندرہ ہزار سال پرانا مانتا ہے اور کوئی یہ کہتا ہے کہ یہ وید حضرت

عیسیٰ ؑ سے صرف چار ہزار سال پہلے کے ہیں پھر وید بھی مختلف ہیں ان کے لانے والے رشیوں کے نام بھی لوگوں کو معلوم نہیں۔ ایسی مقدس کتابوں پر جن کی تاریخیت بری طرح مشکوک ہو چکی ہو ایک شخص کس طرح اپنی زندگی کی بنیاد رکھ سکتا ہے۔ اس کے مقابلے میں سب کو معلوم ہے کہ قرآن کا ایک ایک لفظ محفوظ ہے تھوڑے عرصے میں فوجیوں نے خود سے فرمائش کر کے کتابیں حاصل کیں، یہ بے حد مختصر وقت تھا جو ان فوجی افسروں کے ساتھ گذرا۔ نہیں معلوم یہ بیج کب اور کہاں برگ و بار لائے گا میں نے سیرت اور اسلام کے بارے میں جو کتابیں دیں ان سے فائدہ ان کو پہنچے گا، ممکن ہے انہیں میں کوئی سعید روح ایسی ہو جس کے لئے اللہ ہدایت کے دروازے کھول دے

دعوت کے سلسلے میں یہ بات جان لینے کی ہے کہ محض منطقی استدلال اور عقلی دلائل کے ذریعہ حق کا اثبات کافی نہیں ہے اس کے ساتھ ساتھ ان طریقوں کو خاص طور پر استعمال کرنا چاہیئے جن سے دلوں کو مسخر کیا جاسکتا ہے دعوت کو مؤثر بنانے کے لئے داعی کو چاہیئے کہ تزکیہ نفس روحانی قوت کے حصول کا بھی اہتمام کرے تاکہ دعوت دل پر اثر انداز ہو سکے۔ ورنہ دماغ اکثر مضبوط دلیلوں کو بھی مسترد کر دیا کرتا ہے، اور شیطان ہمیشہ دلیل کے جواب میں ایک دوسری دلیل پیش کر دیتا ہے۔ قبولِ اسلام کا تعلق دماغ سے زیادہ دل سے ہے۔ داعی کو یہ جاننا چاہیئے کہ وہ کون سا اسلوب ہے جس سے تسخیر قلب ممکن ہے۔ دل اگر ایک بار مائل بہ اسلام ہو جائے تو دماغ کو بھی اس کی بات ماننی پڑتی ہے۔ داعی اپنی للہیت سے، اپنی روحانی قوت سے اپنے اخلاص اور بے نفسی سے اپنے غم اور کرب سے اور اپنے حسنِ اخلاق کی تاثیر سے دلوں کو اسیر اور نخچیر کر سکتا ہے۔ علامہ اقبال ؒ نے ایک جگہ لکھا ہے

دو غور کرنے سے معلوم ہوگا کہ فطرت اپنی فتوحات حاصل کرنے کے لئے اپنا تعلق ہمیشہ دلوں سے جوڑتی ہے، فطرت کھانے میں لذت پیدا کرتی ہے اور آپ اسے بے اختیار کھا جاتے ہیں۔ اس وقت ایک شخص دماغ سے یہ نہیں پوچھتا کہ کیا کھانا طبی لحاظ سے مفید ہوگا۔ اسی طرح آپ کہیں جارہے ہوتے ہیں کہ ناگہاں پھولوں کی خوشنما زمین اور لب جو کا ایک حسین نظارہ سامنے آجاتا ہے آپ وہاں بے اختیار بیٹھ جاتے ہیں، وہیں ٹھنڈی ہوا کا ایک دلنواز جھونکا آتا ہے اور ٹھنڈی نیند سلا دیتا ہے۔ اس وقت کوئی بھی شخص دماغ سے یہ نہیں پوچھتا کہ مجھے سونا چاہیئے یا نہیں، مختصر یہ کہ فطرت اس طرح دلوں کو گرویدہ کرکے مطلب نکالتی ہے، وہ دماغوں کی طرف کبھی متوجہ نہیں ہوتی۔ اسلام چونکہ ایک سر بہ سر لوزِ فطرت ہے اس لئے مبلغینِ اسلام کو چاہیئے کہ اخلاق و محبت کی گہرائیوں سے دلوں کو اس طرح شکار کریں کہ ان میں سرکشی اور انکار کی سکت ہی باقی نہ رہے، اور اس کے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ مبلغینِ اسلام اسلامی کیریکٹر کی عظمت کے مالک ہوں تاکہ سرکش آدمی بھی ان کے سامنے اپنی گردن جھکا دے۔ باقی رہے دماغی مباحث اور عقلی تکرار تو نہ اس سے دل مطمئن ہوسکتے ہیں نہ منقلب ہوسکتے ہیں اور نہ فطرت رام ہوسکتی ہے"

داعی اسلام کو دشواریوں سے سراسیمہ اور مرعوب نہ ہونا چاہیئے۔

داعی خدا کا سپاہی ہے۔ خدا طاقت کا سب سے بڑا سرچشمہ ہے۔ اس طاقتور سرچشمہ کی تائید اور مدد اس کی پشت پر ہے اس کا کام خدا کی مرضی سے لوگوں کو واقف کرانا ہے۔ اس سے آگے کا کام یعنی ہدایت کی توفیق صرف اور صرف اللہ کے ہاتھ میں ہے، داعی صرف بات کے پہونچانے کا مکلف ہے۔ وما علینا الا البلاغ،

اس سے زیادہ اس کی کوئی ذمہ داری نہیں ہے، لیکن خدائی سنت یہ رہی ہے کہ جب کچھ لوگ یہ کام لے کر اٹھیں اور دعوت برپا ہو تو لوگ بالآخر حجت تمام ہونے پر جوق در جوق اسلام قبول کرتے ہیں اور اگر یہ نہیں ہوتا تو پوری قوم عذاب کا شکار ہو جاتی ہے اور داعی دنیا اور آخرت کی نعمتوں سے نوازا جاتا ہے۔

یہ بات ذہن میں رکھنے کی ہے کہ خواص امت اور اہل دین کی نجات صرف اس سے نہیں ہوگی کہ انہوں نے نمازیں پڑھ لی تھیں اور روزے رکھ لیتے تھے۔ قیامت کے دن حساب وکتاب سب سے ہوگا۔ وہاں اگر کسی کافر مشرک نے یہ بیان دے دیا کہ ہمارا پڑوسی مسلمان تھا اور دین کا علم رکھتا تھا۔ دفتر میں ہمارے ساتھ کام کرنے والا ساتھی تعلیم یافتہ اور دیندار مسلمان تھا لیکن اس نے کبھی بھی اسلام کے بارے میں کچھ نہیں بتایا اس کے اس بیان سے وہ شاید بری تو نہیں ہو سکے گا لیکن اس دیندار مسلمان کی جنت ضرور خطرہ میں پڑ جائے گی جو اس کا پڑوسی تھا یا دفتر کا ساتھی تھا، مسلمان کو خیرِ امت کے نام سے اسی لئے سرفراز کیا گیا ہے کہ دعوتِ دین ان کا فرضِ منصبی ہے اب اگر انھوں نے دعوت نہیں دی تو گویا اپنی ڈیوٹی انجام دینے میں کوتاہی کی

غیر مسلموں کو اسلام کی طرف بلانے کی مشہور حدیث ہے۔

لئن یھدِ اللہ رجلاً واحداً خیرٌ لکَ مِنَ الحُمرِ النَعم

اللہ تعالیٰ تمہارے کے ذریعہ ایک شخص کو بھی دینِ حق کی ہدایت نصیب کرے تو یہ تمہارے کے لئے سرخ اونٹوں سے زیادہ بہتر ہے۔

عربوں میں اونٹوں کی اور صبا رفتار گھوڑوں کی وہی حیثیت تھی جو آج کل موٹروں کی ہے اور ان میں بھی سرخ اونٹنی سب سے زیادہ بیش قیمت اور صاحبِ ثروت ووجاہت ہونے کی پہچان تھی جیسے آج کل مرسڈیز کار

ریاست ودولت کی علامت ہے، آپ کے فرمانے کا مطلب یہ ہے کہ اگر اللہ نے کسی کو ہدایت دی اور تم اس ہدایت کا ذریعہ اور وسیلہ بن گئے تو یہ تمہارے ہر عیش اور تجمل اور کسی بھی سواری بادِ بہاری سے زیادہ بہتر ہے معیارِ بندگی دنیا کے معیار زندگی سے افضل ہے۔

مسلمانوں کی جو ملّی کوششیں اس وقت جاری ہیں وہ دعوت کا بدل نہیں ہیں، البتہ وہ دعوت کے کام کیلئے معاون ہونگی، مسلمانوں کے اعمال واخلاق کو درست کرنا اور ان کو شائستگی تہذیب اور نظافت کی ترغیب دینا بھی دعوت کے نظام کا ایک جز ہے کیونکہ بے کرداری اور بدسلیقگی کی وجہ سے داعی کی شخصیت میں جذب وکشش پیدا نہیں ہوگی۔ مسلمانوں کو تعلیم سے آراستہ کرنا بھی ضروری ہے کیونکہ جہالت اگر داعی کی پہچان بن جائے تو لوگ اس کی طرف متوجہ نہیں ہونگے جو علم کے ہتھیار سے آراستہ ہوگا وہ دعوت کے میدان میں زیادہ کامیاب ہوگا ہندی اور انگریزی صحافت میں مسلمانوں کا ترقی کرنا بھی مفید ہے کیونکہ ہندی اور انگریزی کے اخبارات مسلمانوں کے خلاف ذہن سازی میں مصروف رہتے ہیں اگر مسلمان صحافی شبہات اور اعتراضات کو دور کرنے میں کامیاب ہوگئے تو دعوت کیلئے فضا زیادہ سازگار ہوگی۔ دعوت کا کام اپنا پورا انتظام رکھتا ہے لیکن یہ نظریہ غلط ہے کہ جب تک سارے کام انجام نہ پاجائیں دعوت کا کام شروع نہ کیا جائے ہر شہر ہر علاقہ میں اللہ کے فضل سے خدا ترس نیک متقی تعلیم یافتہ افراد موجود ہیں ان کی یہ ذمہ داری ہے کہ دعوت کا کام اللہ کے نام سے شروع کریں۔ کچھ لوگوں کو غیر مسلموں کے لئے دعوت کے میدان میں اختصاص حاصل کرنا چاہیئے۔

دعوت کے میدان میں اختصاص کے لئے ضروری ہے کہ مدعو قوم کی

زبان سیکھی جائے اور اس کے مذہب کے بارے میں ضروری واقفیت حاصل کی جائے ہر پیغمبر اپنے قوم کی زبان اور لسان میں گفتگو کرتے تھے جدید دور کے اعلیٰ تعلیم یافتہ طبقہ کے لئے مثال کے طور پر انگریزی زبان، عوام کے لئے ہندی اور دوسری مقامی زبانوں میں مہارت داعی کے لئے اور دعوت کی کامیابی کیلئے ضروری ہے تاکہ وہ "لسانِ قوم" میں مؤثر طریقہ سے داعی اپنی بات پیش کر سکے ہندوستان میں کام کرنے کے لئے ہندوستانی مذہب کے افکار و عقائد کا مطالعہ ضروری ہے ان سب کے ساتھ داعی کو روحانی شخصیت کا حامل بھی ہونا چاہیئے کہ اس کے بغیر گدازِ دل نہیں ملتا اور گدازِ قلب کے بغیر دعوت مؤثر نہیں ہوتی صدیوں کے ماحول اور گرد وپیش کے اثرات سے مسلمان اہلِ علم اور اہلِ قلم نہیں بچ سکے ہیں۔ ایک معروف صاحب قلم نے جن کی تحریروں سے راقم سطور نے بھی استفادہ کیا ہے دعوتِ اسلامی کے اسلوب پر اپنے ایک مضمون میں یہ نقطۂ نظر پیش کیا ہے کہ دعوت اسلامی کا مخاطب خود مسلمانوں کو بنانا چاہیئے نہ کہ غیر مسلموں کو۔ وہ رقم طراز ہیں۔

"کبھی کبھی ایسا محسوس ہوتا ہے کہ آج دعوتِ اسلامی کے پہلے مخاطب ہم مسلمان خود ہیں اس لئے ہمیں ہمہ وقت خود احتسابی کے عمل سے اپنے آپ کو جانچتے رہنا چاہیئے کہ کیا ہم ایسی اسلامی زندگی گذار رہے ہیں جو نمونے کی ہو اور جسے دیکھ کر انسانوں کے دل خواہ ان کا عقیدہ کچھ بھی ہو زندگی کے اس طرز کی طرف کھنچیں اور ان میں اس طرح کی زندگی کی آرزو پیدا ہو۔"

فاضل مضمون نگار نے اپنے مضمون میں یہ بھی لکھ دیا۔

"ہمارا ایمان تو یہ ہے کہ اگر خدا چاہتا تو تمام نوعِ انسانی کو مسلمان پیدا کرتا لیکن اسکی مرضی اور مصلحت یہ نہ تھی۔"

اس "احساس" اور پھر "ایمان" کے بعد دعوت اسلامی سے گویا چھٹی مل گئی۔
رہی سہی کسر اس دعوی نے پوری کر دی کہ ہندوستان میں صوفیاء کرام کی دعوت کا اسلوب بھی یہی تھا کہ وہ مثالی زندگی کا نمونہ پیش کرنے پر اکتفا کرتے تھے اور اس سلسلہ میں حضرت نظام الدین اولیاء کا ایک واقعہ بھی نقل کر دیا گیا ہے اس طرح سے غلط فہمی پر غلط مثال کا اضافہ ہوگیا۔ آرنلڈ نے پریچنگ آف اسلام میں یہ لکھا ہے کہ " خواجہ معین الدین چشتی کے ہاتھ پر ننانوے لاکھ آدمی دائرۂ اسلام میں داخل ہوئے اور ان کے خلفاء کے ہاتھ پر جتنے لوگوں نے اسلام قبول کیا ہے وہ تعداد الگ ہے۔" لاکھوں اور کروڑوں افراد کا دائرۂ اسلام میں داخل ہونا دعوت کی شعوری کوشش کے بغیر ہوتا ناقابلِ تصور بات ہے اس سے زیادہ اہم بات یہ ہے کہ حضورِ اکرم ﷺ کو یہ بات معلوم تھی کہ اگر خدا چاہتا تو تمام بنی نوعِ انسانی کو مسلمان پیدا کرتا لیکن اس کے ساتھ ہی آپ کو یہ بات معلوم تھی کہ اللہ کی مرضی اسی میں ہے کہ لوگ دائرۂ اسلام میں داخل ہوں۔ بعثت کا مقصد یہی تھا اور آپ کا سارا غم یہی تھا کہ لوگ پروانوں کی طرح آگ میں گر رہے ہیں اسی لئے آپ ﷺ لوگوں کو پکڑ کر آگ سے بچانے کی کوشش فرما رہے تھے یہ خود آپ نے زبانِ مبارک سے بیان فرمایا ہے اس کے علاوہ غیر مسلموں میں کام کے موضوع پر مفکر اسلام حضرت مولانا ابو الحسن علی ندوی کی یہ تحریر حرفِ آخر کی حیثیت رکھتی ہے۔

" کوئی جسم اس وقت تک تندرست و توانا نہیں رہ سکتا جب تک اس میں نئے اور صاف خون کی تولید نہ ہوتی رہتی ہو۔ کوئی درخت اس وقت تک شاداب نہیں رہ سکتا جب تک اس میں نئی پتیاں اور کونپلیں نہ نکلتی رہتی ہوں امت مسلمہ بھی ایک جسم ہے جس کو ہر دور میں نئے خون کی ضرورت ہے۔ اس درخت

کو بھی ہر موسم میں ہری بھری شاخوں اور نئی نئی پتیوں کی ضرورت ہے امت مسلمہ کا سدابہار درخت ہمیشہ نئی نئی پتیاں اور ہری بھری ڈالیں پیدا کرتا رہا اور لباس بدلتا رہا ہے۔"

اسلام کی تاریخ میں اُن قوموں اور قبیلوں کی تعداد ہزار سے متجاوز ہے جنہوں نے اسلام میں داخل ہوکر شجرِ اسلام کی نئے خون سے آبیاری کی ہر دور میں یہ کام ہوتا رہا ہے۔ اس میں استثنائی صورتِ حال حالیہ صدیوں کی ہے۔ اگرچہ ان صدیوں میں بھی بعض اہلِ دین کے ہاتھ پر ہزاروں کی تعداد میں قبول اسلام کے واقعات ملتے ہیں۔ لیکن صدی جو اختتام پر ہے شجرِ اسلام کیلئے موسمِ خزاں کی حیثیت رکھتی ہے۔ اس میں نئے شگوفے اور نئے برگ و ثمر شاخِ نہال پر نظر نہیں آتے۔ لیکن ہاتفِ غیب کی یہ آواز ضرور کانوں میں آرہی ہے۔

دیکھ کر رنگِ چمن ہو نہ پریشاں مالی
کوکبِ غنچہ سے شاخیں ہیں چمکنے والی

"خلاصہ یہ کہ کفار کے سامنے اسلام کی خوبیاں بیان کرو۔ جنگ وجدال بحث ومباحثہ کی ضرورت نہیں۔ کیا اسکے محاسن کم ہیں جو ان کو چھوڑ کر جنگ و جدال میں مشغول ہوں۔ اسکے حسن ہی کے بیان کرنے سے فرصت نہیں مل سکتی پھر لڑائی جھگڑے کی فرصت کب مل سکتی ہے"۔ (الاتمام لنعمۃ الاسلام ص۲۷)

(حکیم الامت حضرت تھانوی رح)

غیر مسلموں میں دعوت کی اہمیت و فضیلت اور اس کا طریقۂ کار

پروفیسر حبیب الحق ندوی
ڈربن یونیورسٹی، جنوبی افریقہ

اسلام ایک نظریاتی، عملی اور ایمانی تحریک ہے جو جاہلی معاشرہ کو منہدم کر کے ربانی معاشرہ کی داغ بیل ڈالتی ہے، جاہلی معاشرہ نوامیسِ فطرت کے خلاف برسرِ پیکار رہتا ہے، انبیاء کرام ہمیشہ اس معاشرہ کے خلاف برسرِ پیکار رہے ہیں۔ کارِ دعوت کی سب سے پہلی اور بڑی مشکل اجداد پرستی ہے۔ ایسے لوگوں کو مطمئن کرنا جو دینِ آباء سے چمٹے ہوئے ہیں اور حق کی آواز سننے کو تیار نہیں ہیں، بہت مشکل ہے۔

غیر مسلم ا کو حق کی طرف بلانا راہِ دعوت کی سب سے بڑی خارجی مشکلات میں سے ایک اہم مشکل ہے، ان پر قابو پانا داعی کے ذاتی کردار، ایمان اور اندرونی ایقان اور مصلحت شناسی پر منحصر ہے، منہاجِ انبیاء کی پیروی ہی غیر مسلموں میں دعوت کی اہمیت و فضیلت اور فروغ کا سبب بن

سکتی ہے۔

حضرت آدم و ابلیس کی کشمکش سے ہم واقف ہیں اللہ نے حضرت آدم سے فرمایا کہ تم ہماری ہدایت پاتے رہو گے۔ میری ہدایت پر جو عمل کرے گا کامیاب ہوگا۔ (سورۂ بقرہ: ۳۸) ابلیس نے بھی خدا سے اس کی اجازت طلب کرلی کہ وہ ابن آدم کو اصل راستہ سے بھٹکانے میں تا قیامت مصروف رہے گا (سورہ حجر: ۳۵ – ۴۰) اللہ نے ابن آدم کو فجور و فسوق اور تقویٰ کے راستے دکھائیے اور رسل و انبیاء کا سلسلہ آدمؑ سے محمدؐ تک ہدایت کے لئے جاری رکھا اور اعلان فرمایا۔ قد افلح من زکّٰھا وقد خاب من دسّٰھا۔

قرآن کریم میں انبیاء کرام کے قصص مذکور ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے انبیاء راہ حق کی کن کن مشکلات سے دوچار ہوئے حضرت ابراہیمؑ ہوں یا نوحؑ، موسیٰؑ ہوں یا شعیبؑ، لوطؑ ہوں یا عیسیٰؑ، سبھی ان مشکلات سے دوچار ہوئے لیکن دعوتِ حق کے لئے جان کی بازی لگا دی ہر ایک نبی مختلف قسم کی مشکلات سے دوچار ہوا۔ ہر قوم کے اپنے اپنے امراض تھے کوئی کم تولنے اور کذب و بے ایمانی کا مریض تھا۔ تو کوئی لواطت کا مریض تھا جو آج کی تہذیب کا ام الامراض بن گیا ہے ان انبیاء نے اپنی قوم کو ان کی جاہلی تہذیب سے ہٹا کر صراط مستقیم پر لگایا اور شیطانی مکر و فریب کو ناکام بنا دیا۔

قرآن کریم نے حضرت نوح علیہ السلام کی دعوت کا قصہ بیان فرمایا (سورہ نوح ۵ - ۸ -) ہر داعی کو خبردار کردیا کہ حضرت نوح دعوت کی کن کن مشکلات سے گذرے۔ حضرت نوح نے بارگاہ الٰہی میں یہی شکایت بھی پیش فرمائی کہ وہ جب

اپنی قوم کو دعوتِ حق پیش کرتے یا قوم کے افراد کانوں میں انگلیاں ڈال کر دعوت حق سننے سے انکار کر دیتے، بلکہ اپنے آپ کو کپڑوں میں لپیٹ لیتے ہیں، وہ جس قدر ان کے قریب آتے ہیں وہ ان سے دور بھاگتے ہیں اور اجداد کے مذہب کو ترک کرنے کے لئے تیار نہیں ہیں وہ کوئی ایسی تحریک قبول کرنے کے لئے تیار نہیں جس کے بعد ان کو اجداد کے راستے چھوڑنے پڑیں وہ اس بات کو تسلیم نہیں کرتے کہ ان کے آباء واجداد غلط راستہ پر تھے لہٰذا وہ لوگ آباواجداد کے معبودوں کو چھوڑنے کے لئے تیار نہیں۔

آباواجداد کے دین کو ترک کرنا اور اسلام میں داخل ہونا ایک انقلابی عمل تھا۔ یہی کارِ دعوت کی سب سے پہلی اور بڑی مشکل تھی جس سے تمام انبیاء کرام دوچار ہوئے۔ دورِ اوّل کے مسلمانوں کی آزمائش کے تذکرے قرآن کریم میں ہر جگہ موجود ہیں۔ (الجن ۱۹-۲۰۔ الصف: ۸۔ الصافات: ۱۷۱-۱۷۳۔ انبیاء کے واقعات سے یہی سبق ملتا ہے کہ حق ہمیشہ فاتح اور باطل ہزیمت خوردہ ہوا۔ حضرت ابراہیم خلیل اللہ نے اس جاہلی معاشرہ کا مقابلہ کامیابی کے ساتھ کیا۔ (الشعراء: ۷۵-۷۷)

حضرت ابراہیم کی کامیابی ان کی ایمانی قوت کا نتیجہ تھی، جابر سلطان اور منتشر قوم کے درمیان کلمۂ حق کی اشاعت آسان کام نہ تھا اللہ نے اسی وجہ سے ان کو اپنا برگزیدہ رسول قرار دیا (البقرہ: ۱۳۰) اور حکم دیدیا کہ یا نارکونی برداً وسلاماً علیٰ ابراھیم (الانبیاء:)

حضرت موسیٰ علیہ السلام پیدائش سے ہی آلام ومصائب کا ہدف بنے رہے۔ ماں

نے دریا کے حوالے کردیا دورِ شباب میں فرعون کی ظالمانہ گرفت کا مقابلہ کرتے رہے اس کے غیظ و غضب اور قوم کی غداری کا شکار بنتے رہے ساحروں کا مقابلہ کیا۔ تائیدِ غیبی سے کیدِ ساحر ناکام ہوا۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام جن مشکلات سے گذرے کسی سے پوشیدہ نہیں اللہ نے دعوت کی اشاعت کے لئے انھیں صبر و تحمل کی دولت عطا کی تھی حلیم الطبع اور کریم النفس بنایا تھا۔ شدید مکائد کے باوجود وہ غیر مسلموں کو دعوت دیتے رہے ولادت کے بعد سے ہی آزمائش شروع ہوگئی قوم نے ولادت میں ہی شکوک و شبہات کا طوفان اٹھایا۔ قبولِ دعوت سے سرکشی کی، ان کے معجزات کا انکار کیا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے جاہلوں کا کبھی جواب نہیں دیا۔ ان کا معاملہ اللہ کے حوالہ کر دیا ابلاغِ حق میں سختی اور درشتی اختیار نہیں کی۔ قوم کی تذلیل کو برداشت کیا اللہ نے حکم دیا کہ قوم کے ظلم پر صبر کرو تمہارے لئے آسمان میں اجر موجود ہے، دیگر انبیاء بھی اس راہ سے گذرے ہیں یہودی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے قتل کے درپے ہو گئے آخر ان کے مشابہ ایک دوسرے شخص کو عیسیٰ سمجھ کر قتل کر ڈالا، اور حضرت عیسیٰ نہ قتل ہوئے نہ سولی پر چڑھے۔

ہمارے پیارے نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم بھی ان آزمائشوں سے گذرے ایذا رسانی، تمسخر، معاشرتی مقاطعہ کی کوئی ایسی نظیر نہیں پیش آئی تھی لیکن آپ نے فرمایا کہ اگر میرے ایک ہاتھ میں سورج دوسرے ہاتھ میں چاند رکھ دیا جائے جب بھی وہ دعوتِ حق سے باز نہیں آئیں گے قریش نے کاہن، مجنوں، شاعر، ہونے کا الزام لگایا قرآن کریم نے متعدد جگہ کفار کے اس رویہ کی تصویر کشی کی ہے اور جاہلیت۔

اور اسلام کے مابین کشمکش کی نقاب کشائی فرمائی ہے۔

ان واقعات کی طرف اشارہ کرنے کا مقصد یہ ہے کہ آج کے داعی اس حقیقت سے باخبر رہیں کہ دعوت کی راہ میں آزمائش سنتِ الٰہی ہے، قریش محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے جانی دشمن ہو گئے مسلح لشکر کشی کی مسلمانوں کے خلاف نفرت و عداوت پھیلائی، طرح طرح کی سازشیں کیں۔ ایذا رسانی کا ہر طریقہ اپنایا نبوی غزوات وجہاد کی پوری تاریخ موجود ہے شہدائے اسلام حضرت بلال رضؓ کی تکلیفیں اور حضرت عثمان کی شہادت کی داستان بھی سامنے ہے۔

آزمائش وابتلاء دعوت اسلامی کا لازمہ ہے اسلامی مظاہر حیات کو بروئے کار لانا آسان نہیں ہے اس لئے دعوتِ حق میں آزمائش لازم ہے۔

احسب الناس ان یترکوا ان یقولوا اٰمنّا وھم لا یفتنون (عنکبوت، ۲)

ابتلاء سے گھبرا جانا یا فرار اختیار کرنا سنتِ انبیاء کے خلاف ہے اللہ نے اہل ایمان کو ہمیشہ آزمایا ہے، اسی آزمائش کے اندر دعوت کی اہمیت عظمت وعزیمت اور فضیلت پوشیدہ ہے۔

منہاج دعوت

مندرجہ بالا قرآنی واقعات وآیات کی طرف مختلف اشارات کے ذریعہ غیر مسلموں میں دعوت کی اہمیت وفضیلت ثابت ہو جاتی ہے اب اس امر پر غور کرنے کی ضرورت ہے کہ دعوت کا طریقۂ کار کیا ہو، یہی طریق کار دعوت کی کامیابی وفروغ کا ذریعہ ہوتا ہے اس حقیقت کو ذہن میں رکھنا ضروری ہے کہ انبیاء کرام نے ہر دور اور ہر ماحول میں مناسبِ حال طریقِ دعوت اختیار کیا ہے، مخاطب کی نفسیات اور

اور اس کے ماحول سے واقفیت اسی وقت نظری میں کامیابی کا راز پوشیدہ تھا۔ دین الہی میں لوگ فوج در فوج اسی لئے داخل ہونے لگے کہ نبی کریم نے ان مریض قلوب کا علاج ایمانی قوت کے ساتھ فرمایا، الحاد کے زخم پر ایمان کا مرہم رکھا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے غیر مسلموں میں تعلیم کے لئے ایسے دعاۃ ارسال کئے جو ایمان کی دولت سے سرشار تھے ہر قربانی و آزمائش کے لئے تیار تھے اسی لئے چشم زدن میں توحید و رسالت اور معاد کی دعوت سارے عالم میں پھیل گئی، حکمراں فاتح تھے اور مبلغ بھی، تاجر تجارت کے ساتھ دعوتی کام بھی کر رہے تھے صوفیاء کرام نے دعوت کو اوڑھنا بچھونا بنالیا تھا علماء کرام نے دعوت کی اہمیت و فضیلت پر اصرار کیا۔ دعوت دین زندگی کے اہم ارکان میں داخل ہوگئی جب سے مسلمانوں نے غیر مسلموں میں دعوت کو ترک کر دیا وہ خود محتاج دعوت بن گئے آج مسلمان جاہلی معاشرہ کے مریض ہو چکے ہیں اس لئے انھیں خود دعوتِ ارشاد کی ضرورت ہے۔

پہلے غیر مسلم آباء پرستی کا شکار تھا آج کا مسلمان مغرب پرستی کا شکار ہو گیا ہے۔ سائنسی الحاد اس کے رگ و پے میں پیوست ہے اس لئے اسی قدر مغرب پرستی سے اس کی نجات اہم ہے۔ جسقدر غیر مسلموں کی آباء پرستی سے ضروری ہے۔ غیر مسلموں کے لئے اجداد کا ترک کرنا مشکل تھا آج کے مسلمان کے لئے مغرب کے خداؤں کو ترک کرنا مشکل ہو گیا ہے۔ یہ بذاتِ خود انقلابی عمل ہے آج کا مسلمان گناہ کے دلدل میں پھنسا ہے اس کو اس دلدل سے نکالنا اولین فریضہ ہے اس کی زندگی کا کوئی راستہ اخلاقی دلدل سے

محفوظ نہیں ہے اس لئے دلدل سے نکالنے کا کام داعی کے لئے عظمت و شرف کا کام ہے۔

جب داعی خود محتاجِ دعوت ہو جائے تو دعوت کا کام زیادہ مشکل ہو جاتا ہے۔ "آنکس کہ خود گم است کرا رہبری کند" کا مسئلہ درپیش ہوتا ہے، وہ منہاجِ نبوت کا راستہ اختیار نہیں کر سکتا غیر مسلم آج خود مسلمان کو دیکھ کر شرمسار ہوتا ہے۔ برنارڈ شا کا یہ واقعہ مشہور ہے کہ وہ اسلام کو جب لٹریچر میں دیکھتا ہے تو مسلمان ہو جاتا ہے اور جب وہ مسلمانوں کے اعمال و کردار دیکھتا ہے تو وہ پھر عیسائی بن جاتا ہے۔ اس کے باوجود اس کا اعتراف موجود ہے کہ دنیا کا آئندہ مذہب اسلام ہو گا۔

اسلوبِ دعوت

اسلوب دین کے لئے قرآنی ہدایات موجود ہیں شاید ان سے زیادہ ہدایات کی ضرورت نہیں ہے۔ سورۂ نحل آیات کریمہ کا پیش نظر رہنا کامیابی کی ضمانت ہے۔

ادع الی سبیل ربك بالحکمة و الموعظة الحسنة وجادلهم بالتی هی احسن ، ان ربك هو اعلم بمن ضل عن سبیله وهو اعلم بالمهتدین ٥ وان عاقبتم فعاقبوا بمثل ما عوقبتم به ولئن صبرتم لهو خیر للصابرین ٥ واصبر وما صبرك الا بالله ولا تحزن علیهم ولا تك فی ضیق مما یمکرون ٥ ان الله مع الذین اتقوا والذین هم محسنون

(النحل : ۱۲۵ — ۱۲۸)

ان آیات کی تفسیر میں جلدیں لکھی جا سکتی ہیں اسلوبِ دعوت کی اہم مشکلات

میں ایک بڑی مشکل خود فراموشی بھی ہے۔ اتامرون الناس بالبرّ وتنسون انفسکم (البقرہ: ۴۴)

اس سے زیادہ مشکل مرحلہ داعی کا تضادِ عمل ہے جو اس دعوت کو بے اثر بنا دیتا ہے بلکہ اس کے سلبی اثرات ظاہر ہوتے ہیں۔

لم تقولون مالا تفعلون کبر مقتا عند اللّٰہ ان تقولوا مالا تفعلون (الصف: ۲-۳)

دعوت کے راستہ میں مداہنت کی ضرورت نہیں ہے صاف صاف بات کرنے کی ضرورت ہے۔

قل یا ایھا الکافرون، لا اعبد ما تعبدون، ولا انتم عابدون ما اعبد ٥ (الکافرون: ۱-۳)

دعوت میں تنظیمی کمزوریاں اور اس کے اثرات

آج ہماری دعوت تنظیمی امراض کی بھی شکار ہے۔ وامرھم شوریٰ بینھم۔ پر عمل کی کمی ہے۔ قائدانہ صفات ندارد اور فلسفہ اطاعت بھی انتہائی کم ہے اور اخلاقی امراض تکبر، غرور، علم و فضل اور دینداری کا ہیضہ ہماری تحریکات میں داخل ہو گیا ہے۔

دورِ حاضر میں حسبِ ضرورت کارِ دعوت کے اسلوب میں تبدیلی کی بھی ضرورت ہے، ابلاغ عامہ کے ذریعہ دعوت کی اشاعت ضروری ہے۔ لٹریچر کی اشاعت، مجلات و رسائل کی کثرت بھی مطلوب ہے، صرف مساجد کے

وعظ و نصیحت تک دعوت کو محدود رکھنا مفید نہیں ہو سکتا۔ جدید افکار اور متمرد جاہلیت کے مقابلہ کے لئے ضروری علم بھی درکار ہے چونکہ دنیا کے سوادِ اعظم کی قیادت ابلیسی ہاتھوں میں ہے اس لئے دعوت کی منصوبہ بندی سب سے اہم ہے۔ ابلیس کی قوت بہت زیادہ ہے اس لئے مساجد میں صرف یہ اعلان کرنا کہ ڈرتے رہو کافی نہیں بلکہ ایسے عملی نظام کی تشکیل کی ضرورت ہے جو ابلیسی فساد کا مقابلہ کر سکے۔ سب سے اہم منصوبہ بندی یہ ہے کہ مدِّمقابل قوتوں سے ضروری مزاحمت کی صلاحیت پیدا کی جائے، حضرت سید احمد شہیدؒ کا عمل جہاد سامنے ہے، شیخ عز الدین القسام فلسطینی کا عملِ جہاد بھی پیشِ نظر ہے اس لئے ایک جماعت کو جہاد کی تربیت دینی بھی ضروری ہے۔

داعیٔ حق کو عقیدہ کی گہرائی، اخلاقی پختگی اور قوتِ ایمانی کے ساتھ قربانی کی ضرورت ہے آج تنظیم و قیادت کی اہمیت پر زور کم ہے عقلی صلاحیت عرفانِ نفس قوت آزادی، فطری جاذبیت پر امید شخصیت کی اطاعت و مسؤلیت کا شعور، تحریکی ذمہ داری تحریکی طبیعت جیسے صفات کی کمی ہے۔

دعوت میں عدم افراط و تفریط ضروری ہے۔ سب سے اہم پہلو یہ ہے کہ داعی مزاحمت کے پہلو سے واقف ہو قوت پر بھروسہ کے ساتھ دشمن کی قوت نظر انداز نہ کرے دعوت کی کامیابی کے لئے مادی وسائل کی بھی ضرورت ہے سورہ انفال کی پوری آیت۔

واعدّوا لهم ما استطعتم (الانفال : ۶۰) ہماری ہدایت کے لازمی ہے۔

آج کے الحادی دور میں بھی اسلامی دعوت کی کامیابی کے امکانات دوسری دعوتوں کے مقابلہ میں زیادہ ہیں یورپ و امریکہ میں اشاعت اسلام اسی امر کی دلیل ہے۔ روحانی کشمکش اور الحاد نے انسان کو اپنی اصل سے کاٹ دیا ہے اس لئے انسان نوامیس فطرت کی طرف آنا چاہتا ہے۔ اسے ایسے داعیوں کی ضرورت ہے جو ہدایت ورہبری کرسکیں اور منہاج نبوت کا راستہ طے کرسکیں، بنی آدم کو مغربی جاہلی تہذیب اور اس کے مکروفریب سے نجات دلائیں۔ آج مساعی دعوت کو نئے اسباب اور جدید طریقۂ کار کی ضرورت ہے اسکے لئے دور جدید کے تقاضوں کو معلوم کرنا ضروری ہے۔ صورت حال کا پورا علم ہونا اور مخالف اسلام قوتوں اور طاقتوں کا ادراک بھی ضروری ہے۔ اور جدید الحادی فکری لہروں پر بھی نظر ہونی چاہیئے۔ آج اس امر کے تحلیل کرنے کی ضرورت ہے کہ تحریک اسلامی کو اس قدر صدمات کیوں برداشت کرنے پڑرہے ہیں، ہر جگہ ناکامی کیوں پیش آرہی ہے۔ طریق کار میں کیا کیا خامیاں ہیں ان کا تدارک کس طرح ہوسکتا ہے؟ وغیرہ وغیرہ۔

دنیاوی، سیاسی، سماجی، معاشی تنظیمات (پارٹیاں) اپنی پالیسی بڑی جزرسی اور دقت نظری کے ساتھ مرتب کرتی رہتی ہیں اور اپنی تنظیمات کو ماضی وحال کے تجربات ومطالعات سے فائدہ پہنچاتی رہتی ہیں جو ہماری دینی تحریکوں میں عنقا ہے۔ جاہلی معاشرہ کے انہدام کے لئے جزرسی ضروری ہے، ہمارے دینی مناہج اس پر کما حقہٗ توجہ نہیں دیتے۔ جب کہ کسی تحریک

کے فروغ کے لئے کامیاب مناہج اختیار کرنا ضروری ہوتا ہے دنیا کی ہر دینی یا دنیا وی تحریک وحدتِ فکر کی محتاج ہوتی ہے بلکہ اسی پر زیادہ زور ہوتا ہے انقلابِ فرانس ہو یا اشتراکی انقلاب، روسو ہو یا والیٹر یا منٹسٹیے اور اور گوئٹے، سبھوں نے اپنی آرزو کی عملی تشکیل کے لئے وحدتِ فکر کو دعوت کا لازمہ قرار دیا، جملہ کارکنوں کی فکری وحدت کو کامیابی کی کلید گردانا فلسفہ تحریک میں وحدتِ فکر لازمی ہے، یہی تنظیم عمل کی جان ہے، آج یہ صفت نہ ہماری دینی تحریک میں موجود ہے نہ سیاسی اور اقتصادی تحریکات میں موجود ہے۔

دعوت کے اسالیب پر غور وخوض اور تأمل ضروری ہے کہ ہم کیوں کامیاب نہیں ہو رہے ہیں؟ ہماری دعوت سخت آزمائش سے گذر رہی ہے اپنے کارکنوں کی جانوں کا نذرانہ پیش کر رہی ہے اور ہم اس کا صلہ بہت کم پا رہے ہیں! کیوں؟ اس کی تحلیل کی جانی چاہئے خدا دا د ریاست پاکستان کا تجربہ کیوں ناکام ہوا اور نصف صدی کے اندر اسلام کے خلاف سلبی رجحانات میں کیوں اضافے ہوئے شرقِ اوسط میں اہل عرب (اسلام کے امین اور محافظ) کا حملہ سب سے زیادہ اہل اسلام اور دعوتی تحریکات پر جاری ہے، کیوں؟ صرف یہ کہہ دینا کہ مغربی استعمار اس کے درپے ہے کافی نہیں، مغربی استعمار ازلی دشمن ہے اس سے محبت کی امید طفل تسلی ہے بلکہ تحریکات کے بانیوں کو دیکھنا ہوگا کہ اسالیب دعوت میں کہاں کہاں خامیاں ہیں ان کو دور کرنے کے طریقے کیا ہیں اور راہ کی رکاوٹوں کو دور کرنے کے لئے عملی حل بھی تلاش کئے جاسکتے ہیں خود مسلم معاشرہ سے جاہلی اثرات، انحرافات اور شذوذ کو دور کیا جانا ضروری ہے تاکہ غیر مسلم اقوام اسلام میں فوج در فوج داخل ہوں

دعوتِ اسلام کی سرگرمیاں
چند گزارشات اور مشورے

● مولانا عتیق احمد قاسمی بستوی، اُستاذ ندوۃ العلماء لکھنؤ

غیر مسلموں میں دینِ اسلام کی دعوت پہونچانے اور توحید ورسالت کا پیغام عام کرنے کی ضرورت واہمیت پر بہت کچھ لکھا جاچکا ہے۔ غیر مسلموں میں دین حق کی دعوت وہ عظیم تر کام ہے جس کے لئے اولوالعزم انبیاء ورسل کی بعثت ہوئی۔ قرآنِ کریم کا ورق ورق انبیاء کرام کی دعوت اوران کے طریقۂ دعوت سے معمور ہے قرآن حکیم کے الفاظ سے اب بھی غیر مسلموں کو راہ حق پر لانے اور انھیں اسبابِ جہنم سے بچانے کیلئے انبیاء کا سوزِ دروں اور جذبہ وتڑپ کی آنچ محسوس کی جاتی ہے۔ کس طرح یہ قدسی جماعت اپنے رنج والم سے بے پرواہوکر اور ہر طرح کی مشکلات کا سامنا کرتے ہوئے سچائی کا پیام ظلوم وجہول انسانوں تک پہونچاتی تھی۔ اور کس اخلاص وسرفروشی کے ساتھ کارِ دعوت کے لئے اپنی زندگی وقف کئے ہوئے تھی اس کا کامل مرقع قرآن کی آیتوں اور سورتوں میں محفوظ ہے۔

قرآن کریم نے بہت تفصیل سے انبیاءِ کرام کی دعوت اور طریقۂ دعوت کو پیش کیا ہے۔ مختلف انبیاء کرام کا نام لے کر بار بار ان کی دعوتی سرگرمیوں اور ان کے داعیانہ اسلوب وآہنگ کا ریکارڈ محفوظ کر دیا ہے اس کا مقصد یہی معلوم ہوتا ہے کہ انبیاءِ کرام کا سلسلہ ختم ہونے کے بعد جس امت کے کندھے پر دعوت کی یہ عظیم ذمہ داری ڈالنی تھی اسے اس کام کے لئے تیار کیا جا رہا ہے۔ تاریخِ دعوت کے یہ واقعات اسی لئے دہرائے جا رہے ہیں تاکہ دعوت کا کام کرنے والے دعوت کے مختلف مراحل میں انبیاءِ کرام کے واقعات وتجربات سے روشنی حاصل کریں اور انبیاء کرام کا دعوتی اُسوہ ان کے لئے کامل رہنما ہو، ان کے حوصلوں کو مہمیز کرے اور اس راستہ کی صعوبتیں اور آزمائشیں ان کے ذوقِ سفر اور شوقِ طلب میں مزید اضافہ کریں۔

اس واقعہ کے اظہار کی ضرورت نہیں ہے کہ غیر مسلموں تک اسلام کی دعوت پہونچانے میں امتِ مسلمہ صدیوں سے غیر معمولی کوتاہی کر رہی ہے امت کی سرگرمیوں میں دعوت کا حصہ بہت برائے نام ہے جب کہ اس کے کارِ منصبی اور مقصدِ بعثت کے اعتبار سے دعوت کو امت کی مجموعی جدوجہد میں سب سے نمایاں مقام ملنا چاہئے تھا ماضی میں کارِ دعوت سے یہ غفلت کیوں رہی اس کے کیا اسباب ومحرکات تھے۔ یہ ایک مستقل موضوع ہے جس پر اظہارِ خیال کا یہاں موقعہ نہیں۔

الحمد للہ دورِ حاضر میں غیر مسلموں تک اسلام کی دعوت پہونچانے

اور انہیں توحید خالص سے روشناس کرانے کی کوششیں کسی نہ کسی پیمانہ پر ہر اُس ملک میں کی جارہی ہیں جہاں مسلمان معتد بہ تعداد میں آباد ہیں مسلمانوں کی زبوں حالی، بدعملی، سیاسی بے وزنی کے باوجود اب بھی اسلام کی کشش اپنی جگہ برقرار ہے۔ اور انشاء اللہ قیامت تک برقرار رہے گی معمولی دعوتی کوششوں پر بڑے بڑے نتائج نمودار ہو رہے ہیں بہت سی سعید روحیں جنکے مقدر میں ہدایت لکھی جاچکی تھی کفر و شرک کی ظلمتوں سے نکل کر دینِ حق کی روشنی میں آرہی ہیں۔ دوسرے مذاہب کی مشنری کوششوں کے مقابلہ میں مسلمانوں کی دعوتی کوشش بہت کم برائے نام ہیں اس کے باوجود دائرۂ اسلام میں داخل ہونے والوں کی تعداد بڑھتی جارہی ہے جدید علم و تحقیقات اور نئے نئے سائنسی انکشافات نے دعوتِ اسلام کی راہیں بہت کچھ ہموار کردی ہیں دعوت کے لئے فضا ہر طرح تیار ہے اور ان خوش نصیب جواں مردوں کی منتظر ہے جو اخلاص و عزیمت کا سرمایہ لے کر اس میدان میں قدم رکھیں اور دعوتی کامرانیاں ان کے قدم چومیں۔

الحمد للہ ہندوستان میں بھی مختلف جماعتوں اور افراد کی طرف سے غیر مسلموں میں دعوت کا کام ترقی پذیر ہے مختلف علاقوں میں بہت سے افراد اپنے طور پر دعوتی کوششوں میں مصروف ہیں اور ان کوششوں کے مثبت نتائج سامنے آرہے ہیں لیکن ان کوششوں میں تنظیم اور باہمی ربط کا فقدان ہے اور بعض کوششوں میں کچھ انحراف و بے اعتدالی بھی محسوس ہوتی ہے اس لئے ضروری معلوم ہوتا ہے کہ طریقۂ دعوت اور

داعیوں کے طرزِ عمل اور زندگی کے بارے میں کچھ ضروری باتیں بیان کی جائیں۔ شاید ان سے دعوتی سرگرمیوں کو صحیح رخ دینے اور دعوت کی رفتار تیز کرنے میں مدد ملے۔

دعوت اسلام کی پہلی شرط

اخلاص و بے لوثی

غیر مسلموں میں اسلام کی تبلیغ و دعوت کا کام انجام دینے کے لئے پہلی شرط یہ ہے کہ داعی مخلص اور بے لوث ہو، صلہ و ستائش سے بے پروا ہو، اپنی محنتِ دعوت کا اجر صرف اللہ جل شانہٗ سے طلب کرے، نہ ان لوگوں سے بدلہ اور اجرت کا طلب گار اور امیدوار ہو جن میں کارِ دعوت انجام دے رہا ہے، نہ اپنے اہلِ ایمان بھائیوں سے اس کام پر کسی تحسین و ستائش، مال و دولت کی طمع رکھے۔

داعی کا دل حرص و طمع سے آلودہ ہوتے ہی اس کی دعوت اپنی تاثیر کھو بیٹھتی ہے اور مدعو کی نگاہ میں داعی کا مقام و مرتبہ پست ہو جاتا ہے، اس کی خیر خواہی اور بے لوثی پر سوالیہ نشان لگ جاتا ہے دنیاوی معاملات میں بھی یہ تجربہ ہوتا رہتا ہے کہ اگر ایک شخص دوسرے شخص کو کسی کام کا مشورہ دیتا ہے تو جس شخص کو مشورہ دیا جا رہا ہے۔ اس نے اگر محسوس کر لیا کہ مشورہ دینے والا مخلص اور بے لوث نہیں ہے بلکہ اپنے ذاتی فائدہ کی خاطر وہ یہ مشورہ دے رہا ہے تو اس

مشورہ کی قدر و قیمت ختم ہو جاتی ہے اور غرض مند مشیر کی بات لائقِ اعتناء نہیں سمجھی جاتی ۔

دعوت کی کامیابی کے لئے بے لوثی اور بے غرضی، صلہ و ستائش سے بے نیازی اتنا اہم اور بنیادی عنصر ہے کہ تمام انبیاءِ کرام سے کھلے الفاظ میں اس کا اعلان کرایا گیا۔ قرآنِ کریم انبیاء کرام کی دعوت اور طریقۂ دعوت کا مستند ریکارڈ ہے، قرآنِ کریم سے معلوم ہوتا ہے کہ انبیاءؑ کرام توحید و رسالت کی دعوت پیش کرنے کے ساتھ برملا اس بات کا بھی اعلان کرتے تھے کہ اس دعوت کے ذریعہ ہم کسی مال و دولت، عہدہ و منصب کے طالب نہیں ہیں ہمارا اجر و ثواب صرف اللہ جل شانہٗ کے ذمہ ہے۔ وہی ہمیں ہماری محنت اور دل سوزی کا اجر دے گا ۔

سورۂ شعراء میں پانچ انبیاءِ کرام (حضرت نوحؑ، حضرت ہودؑ، حضرت صالحؑ، حضرت لوطؑ، حضرت شعیب علیہم السلام) کی دعوت کا نقشہ الفاظ میں کھینچا گیا ہے۔ ان میں سے ہر نبی نے اپنی قوم کے سامنے دینِ حق کی دعوت پیش کرنے کے ساتھ وہ جملہ بھی فرمایا جو دینِ حق کے ہر داعی کے لیے نشانِ راہ کا کام دیتا ہے ان میں سے ہر نبی نے فرمایا۔

وَمَآ اَسْئَلُکُمْ عَلَیْہِ مِنْ اَجْرٍ اِنْ اَجْرِیَ اِلَّا عَلٰی رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ۔	اور اس کام کا تم سے کچھ صلہ نہیں مانگتا میرا صلہ تو رب العالمین ہی پر ہے۔

(سورۂ شعراء ۱۰۹، ۱۲۷، ۱۴۵، ۱۶۴، ۱۸۰)

انبیاءِ کرام کا یہ طریقۂ کار دین حق کے داعی کے لئے اخلاص و بے لوثی کی اہمیت واضح کرتا ہے، الحمد للہ دورِ حاضر میں دعوت الی اللہ کے نام کی طرف قابلِ ذکر توجہ سے دنیا کے بہت سے ملکوں میں بہت سے افراد اور ادارے غیر مسلموں میں دینِ حق کی دعوت کو اپنا نصب العین بنا چکے ہیں، ان انفرادی اور اجتماعی کوششوں کے اچھے اثرات مرتب ہو رہے ہیں لیکن داعیانِ دین اور کارکنانِ دعوت کے پاس وہی جنس کمیاب ہے جس کا ذخیرہ راہِ دعوت کے مسافر کے پاس سب سے زیادہ مقدار میں ہونا چاہئے یعنی اخلاص و بے لوثی، احتساب و بے غرضی۔ اس وقت غیر مسلموں میں تبلیغ و دعوت کے کام کی مسلمانوں میں بہت پذیرائی ہے، مسلمان اغنیاء اور اہلِ خیر اس کام کے لئے دل کھول کر مالی تعاون کرتے ہیں۔ اس لئے بہت سے ایسے افراد اور ادارے اس میدان میں در آئے ہیں جن کا مطمح نظر اسلام کی تبلیغ و دعوت سے زیادہ کسبِ زر اور حصولِ مال وجاہ ہے۔ ایسے افراد وادارے پروپیگنڈے کی جدید ترین تکنیک سے لیس ہوکر مسلمان اہل خیر کے سامنے میدانِ دعوت میں اپنی غیر واقعی کارگذاریوں کا مرقع پیش کرتے ہیں اور "یُحِبُّوْنَ اَنْ یُّحْمَدُوْا بِمَا لَمْ یَفْعَلُوْا" کا مصداق بنتے ہیں، بہت بڑھا چڑھا کر اپنی کامیابیوں کے اعداد وشمار پیش کرتے ہیں اور پروپیگنڈے کی طاقت سے بڑے پیمانے پر حصولِ مال و دولت میں منہمک ہیں۔

غیر مسلموں میں دینِ حق کی تبلیغ و دعوت کا کام خالص انبیاء کرام

کا کام ہے، اس کام کو خالص اُس نہج پر انجام دینا چاہئے جس نہج پر انبیاء کرام نے یہ مشکل اور عظیم کام انجام دیا، دعوتِ دین میں حرص و آز، حصولِ مال وجاہ کا عنصر شامل ہونے سے اس کام کا تقدس مجروح ہوتا ہے اس کی تاثیر میں ناقابلِ بیان کمی آجاتی ہے لہٰذا دینِ حق کے داعیوں کو اخلاص اور بے لوثی کے ساتھ اپنا فریضہ انجام دینا چاہئے تاکہ ان کی کوششیں دنیا اور آخرت میں ضائع نہ ہوں، مال و دولت کی طمع نہ اسلام قبول کرنے والوں سے رکھنی چاہئے نہ صاحبِ خیر مسلمانوں سے یہ انتہائی گھٹیا بات ہے کہ مال وجاہ کے حصول کے لئے جھوٹی کارگذاریاں تقریر و تحریر میں بیان کی جائیں اور اسلام قبول کرنے والوں کے اعداد و شمار بڑھا چڑھا کر پیش کئے جائیں۔

مدعو قوم کی ہمہ جہت رہنمائی

قرآنِ کریم میں انبیاءِ کرام کی دعوتوں کا جو ریکارڈ محفوظ ہے۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ جس قوم کے سامنے دینِ حق کی دعوت پیش کی جارہی ہے جسے توحید و رسالت کی طرف بلایا جارہا ہے اگر اس قوم میں سنگین اخلاقی یا معاشرتی خرابیاں ہیں تو ان کے ازالہ کی کوشش بھی کی جائے، دعوت کا مرکزی موضوع تو توحید، رسالت، آخرت کو بنایا جاتے لیکن اعمال، اخلاق، معاملات کی جو خرابیاں مخاطب قوم کو گھن کی طرح کھائے جارہی ہیں ان پر بھی مؤثر انداز

یں نکیر کی جائے، حکمت و دانائی کے ساتھ اچھے اعمال و خصائل کی طرف بلایا جائے۔

متعدد انبیاءِ کرام نے اپنی دعوت میں اخلاقی، معاشرتی اور معاشی اصلاح کو شامل فرمایا اگلی سطروں میں اس کے کچھ نمونے پیش کئے جائیں گے کسی قوم کے سلگتے ہوئے مسائل اور قومی بیماریوں کو دعوت کا جُز بنانے سے دعوت میں کئی گنا اضافہ ہو جاتا ہے مخاطب قوم کے افراد سمجھنے لگتے ہیں کہ اس دعوت میں ان کے مرض کا مداوا اور ان کے مسائل ومشکلات کا حل ہے۔

حضرت شعیب علیہ السلام نے اپنی قوم کے سامنے توحید و رسالت، تقوی وطاعت کی دعوت پیش کرنے کے بعد فرمایا۔

اَوْفُوا الْكَيْلَ وَلَا تَكُونُوا مِنَ الْمُخْسِرِيْنَ وَزِنُوا بِالْقِسْطَاسِ الْمُسْتَقِيْمِ وَلَا تَبْخَسُوا النَّاسَ اَشْيَاءَهُمْ وَلَا تَعْثَوْا فِي الْاَرْضِ مُفْسِدِيْنَ وَاتَّقُوا الَّذِيْ خَلَقَكُمْ وَالْجِبِلَّةَ الْاَوَّلِيْنَ۔ (شعراء ۱۸۱ تا ۱۸۴)	(دیکھو) پیمانہ پورا بھرا کرو، اور نقصان نہ کیا کرو، اور ترازو سیدھی رکھ کر تولا کرو، اور لوگوں کو انکی چیزیں کم نہ دیا کرو۔ اور ملک میں فساد نہ کرتے پھرو، اور اس سے ڈرو جس نے تم کو اور تم سے پہلی خلقت کو پیدا کیا۔

حضرت لوط علیہ السلام نے توحید و رسالت تقوی و طاعت کی تلقین کرنے کے بعد اپنی قوم کی ہلاکت آفریں جنسی بے راہ

روی پر کھلی تنقید کی اور انھیں اغلام بازی کی گھٹیا عادت سے روکنے کی ہر ممکن کوشش کی، چنانچہ فرماتے ہیں۔

اِنِّیْ لَكُمْ رَسُوْلٌ اَمِیْنٌ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِیْعُوْنِ وَمَآ اَسْئَلُكُمْ عَلَیْهِ مِنْ اَجْرٍ اِنْ اَجْرِیَ اِلَّا عَلٰی رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ اَتَاْتُوْنَ الذُّكْرَانَ مِنَ الْعٰلَمِیْنَ وَتَذَرُوْنَ مَا خَلَقَ لَكُمْ رَبُّكُمْ مِّنْ اَزْوَاجِكُمْ بَلْ اَنْتُمْ قَوْمٌ عٰدُوْنَ ۔ (شعراء ۱۶۲ تا ۱۶۶)	میں تو تمہارا امانت دار پیغمبر ہوں تم خدا سے ڈرو اور میرا کہا مانو، اور میں تم سے اس کام کا بدلہ نہیں مانگتا میرا بدلہ خدائے رب العالمین کے ذمے ہے کیا تم اہلِ عالم میں سے لڑکوں پر مائل ہوتے ہو اور تمہارے پروردگار نے جو تمہارے لئے تمہاری بیویاں پیدا کی ہیں ان کو چھوڑ دیتے ہو، حقیقت یہ ہے کہ تم حد سے نکل جانے والے لوگ ہو۔

اسلام کے نظریۂ مساواتِ انسانی کی ترویج اشاعت

اسلام ساری انسانیت کے لئے مساوات کا پیغامبر ہے اس نے یہ تصور اور عقیدہ دیا کہ سارے انسان خواہ وہ کسی بھی رنگ و نسل قوم و قبیلہ، پیشہ و برادری سے تعلق رکھتے ہوں ایک ہی ماں باپ کی اولاد ہیں ان بنیادوں پر بنی نوع انسان

کو تقسیم کرنا اور طبقاتی نظام قائم کرنا درست نہیں ہے رنگ و نسل قوم و قبیلہ، پیشہ و برادری کا اختلاف باہم تعارف کے لئے ہے ایک دوسرے کو اونچ پنچ بلند تر اور کمتر شریف و رذیل سمجھنے کے لئے نہیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّا خَلَقْنَاكُم مِّن ذَكَرٍ وَأُنثَىٰ وَجَعَلْنَاكُمْ شُعُوبًا وَقَبَائِلَ لِتَعَارَفُوا إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِندَ اللَّهِ أَتْقَاكُمْ إِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ خَبِيرٌ۔ (الحجرات : ۱۳)	اے آدمیو! ہم نے تم کو بنایا ایک مرد اور ایک عورت سے اور رکھیں تمہاری ذات اور قبیلے تاکہ آپس کی پہچان ہو۔ تحقیق عزت اللہ کے یہاں اسی کو بڑی، جس کو ادب بڑا اللہ سب کچھ جانتا ہے خبر دار۔

زبانِ رسالت نے نوع انسانی کے تصورِ مساوات کو ان الفاظ میں اجاگر کیا۔

لافضل لعربی علی عجمی، ولا لعجمی علی عربی ولا لأبیض علی اسود ولا لأسود علی ابیض، الا بالتقوی، کلکم من آدم، وآدم خلق من تراب۔	کسی عربی کو عجمی پر، کسی عجمی کو عربی پر، کسی گورے کو کالے پر اور کسی کالے کو گورے پر کوئی فضیلت نہیں۔ سوائے تقویٰ کے تم سب آدم سے ہو اور آدم مٹی سے پیدا ہوئے۔

اسلام کے اس تصورِ مساوات نے اسلام کی نشر واشاعت میں بہت اہم رول ادا کیا، دورِ جاہلیت میں پورے عالم میں طبقاتی نظام برپا تھا، رنگ ونسل قوم وقبیلہ کے نام پر انسان بے شمار خانوں میں بٹے ہوئے تھے، بہت سے انسان کسی خاص قبیلہ یا طبقے میں پیدا ہونے کی وجہ سے ذلیل اور پست تصور کئے جاتے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی عملی زندگی سے اسلام کے درسِ مساوات کو عام کیا آپ کی مجلس میں اگر ایک طرف حضرت ابوبکر صدیقؓ اور حضرت عمر فاروقؓ جیسے معزز اہل عرب اپنے ایمان وتقوی کی وجہ سے معزز ومکرم تھے تو دوسری طرف حضرت بلالِ حبشیؓ اور حضرت صہیب رومیؓ جیسے غیرعرب اہلِ ایمان بھی اپنے ایمان وتقوی کی وجہ سے ممتاز مقام رکھتے تھے۔

ہندوستان میں اسلام کی اشاعت میں اس کے تصورِ مساوات نے بہت اہم رول ادا کیا ہے۔ کیونکہ ہندوستان میں ہزاروں سال سے بدترین نسلی اور طبقاتی نظام نافذ تھا۔ باشندگان ہند کی بڑی اکثریت مختلف قوموں اور پیشوں سے تعلق رکھنے کی وجہ سے پنچ اور ذلیل تصور کی جاتی تھی اور بنیادی انسانی حقوق سے محروم تھی ان کے ساتھ ہر طرح کا ظلم نہ صرف روا بلکہ کارِ ثواب سمجھا جاتا تھا ایسے ماحول میں جب اسلام کی دعوت مسلمان تجار، صوفیاء اور مبلغین کے ذریعہ سرزمین ہند پہونچی تو ہندوستان کے بے شمار باشندوں نے

اسے اپنے لئے اللہ تعالیٰ کی بے پایاں رحمت تصور کیا اور اسلام کے سایہ میں پناہ لی، افسوس ہے کہ ہندوستان کے مسلمان رفتہ رفتہ برادرانِ وطن کے طبقاتی نظام سے متاثر ہوگئے اور ان کے اندر بھی قوموں اور پیشوں کی بنیاد پر عزت و ذلت کا تصور ابھر آیا، اسلام کا نظریۂ مساواتِ انسانی عملی زندگی سے اوجھل ہوتا گیا جس کی وجہ سے ہندوستان میں دعوتِ اسلام کی رفتار بہت دھیمی ہوگئی ہندوستان میں دعوتی کام انجام دینے کے لئے انتہائی ناگزیر ہے کہ مسلم سماج کے نظریہ مساواتِ انسانی کو عملی طور پر رائج کیا جائے اور رنگ ونسل قوم وقبیلہ کی بنیاد پر اونچ نیچ کا جو تصور برادران وطن سے ہمارے سماج میں در آیا ہے اسے جڑ سے اکھاڑ پھینکا جائے۔

مظلوم طبقات کی حمایت

ہندوستان میں اس وقت طبقاتی کشمکش بہت زوروں پر ہے۔ برہمنوں نے جن ہندو قوموں کو ہزار ہا سال سے اپنا غلام بنا رکھا تھا ان کے اندر ایک نئی بیداری پیدا ہوئی ہے اپنے پامال شدہ حقوق کے حصول کا جذبہ اور اس کے لئے جد وجہد کا سلسلہ شروع ہو چکا ہے برہمن لابی اپنی دولت و ذہانت سیاست وصحافت کے زوروں سے اس فکر میں ہے کہ پسماندہ اقوام کی اس جد وجہد کو سبوتاژ کرے انھیں آپس کے اختلافات میں الجھا کر حقوق طلبی کی مہم سے پیچھے ہٹا دے۔ موجودہ ہندوستان کی یہ جنگ بہت دور رس نتائج کی حامل ہوگی۔

اس موقعہ پر خیر امت ہونے کی حیثیت سے مسلمانوں کی ذمہ داری ہے کہ وہ اہم کردار ادا کریں پسماندہ اقوام کے جائز حقوق دلوانے میں پوری دل چسپی لیں، مظلوم طبقات پر ہزاروں سال سے ہونے والے ستم کو ختم کرنے کی جدوجہد سے اسلامی دعوت کو بڑا کشادہ میدان ہاتھ آئے گا اور ستم رسیدہ طبقات اور اقوام کا سہارا بن کر ہم ان کے دلوں کو دولتِ ایمان سے مالا مال کرنے میں کامیاب ہو سکتے ہیں۔

انبیاء کرام کی تاریخ میں اس کی ایک واضح مثال حضرت موسیٰؑ اور بنی اسرائیل کا واقعہ ہے حضرت موسی علیہ السلام توحید کی دعوت لے کر بھیجے گئے انھوں نے فرعون، قومِ فرعون اور بنی اسرائیل سب کے سامنے توحید کی دعوت پیش کی لیکن اسی کے ساتھ ساتھ بنی اسرائیل کو فرعون اور قوم کی غلامی اور ان کے مظالم سے نجات دلانے کو بھی اپنی دعوت کا ایک اہم جز قرار دیا۔ بنی اسرائیل کافی مدت سے مصر میں غلاموں سے بدتر زندگی گذار رہے تھے مصر میں بنی اسرائیل کی وہی حیثیت ہو گئی تھی جو ہندوستان میں ہزاروں سال شودر اقوام کی رہی حضرت موسی علیہ السلام نے فرعون کے سامنے توحید کی دعوت پیش کرنے کے علاوہ بنی اسرائیل کی نجات اور رہائی کے مطالبہ کو بھی پوری صفائی اور قوت سے پیش کیا۔ حضرت موسی علیہ السلام اور حضرت ہارون علیہ السلام کو فرعون کے سامنے دعوت و گفتگو کی جو ہدایت اللہ

کی طرف سے ملی اس کا بیان اس طرح کیا جا رہا ہے۔

فَأْتِيَاهُ فَقُولَا إِنَّا رَسُولَا رَبِّكَ فَأَرْسِلْ مَعَنَا بَنِي إِسْرَائِيلَ وَلَا تُعَذِّبْهُمْ قَدْ جِئْنَاكَ بِآيَةٍ مِّن رَّبِّكَ وَالسَّلَامُ عَلَىٰ مَنِ اتَّبَعَ الْهُدَىٰ (طہ : ۴۷)

سو، جاؤ اس کے پاس اور کہو ہم دونوں بھیجے ہوئے ہیں تیرے رب کے، سو بھیج دے ہمارے ساتھ بنی اسرائیل کو اور مت ستا ان کو، ہم آئے ہیں تیرے پاس نشانی لے کر تیرے رب کی اور سلامتی ہو اس کی جو مان لے ہدایت کی بات۔

إِنَّ فِرْعَوْنَ عَلَا فِي الْأَرْضِ وَجَعَلَ أَهْلَهَا شِيَعًا يَسْتَضْعِفُ طَائِفَةً مِّنْهُمْ يُذَبِّحُ أَبْنَاءَهُمْ وَيَسْتَحْيِي نِسَاءَهُمْ إِنَّهُ كَانَ مِنَ الْمُفْسِدِينَ وَنُرِيدُ أَن نَّمُنَّ عَلَى الَّذِينَ اسْتُضْعِفُوا فِي الْأَرْضِ وَنَجْعَلَهُمْ أَئِمَّةً وَنَجْعَلَهُمُ

فرعون چڑھ رہا تھا ملک میں، اور کر رکھا تھا وہاں کے لوگوں کو کئی فرقے، کمزور کر رکھا تھا ایک فرقہ کو ان میں، ذبح کرتا تھا ان کے بیٹوں کو اور زندہ رکھتا تھا ان کی عورتوں کو بیشک وہ تھا خرابی ڈالنے والا اور ہم چاہتے ہیں کہ احسان کریں ان لوگوں پر جو کمزور ہوئے پڑے تھے ملک میں۔ اور کر دیں ان کو سردار۔

الْوَارِثِيْنَ (القصص ۴-۵) اور کر دیں ان کو قائم مقام۔

بعض خطرناک نظریات

جس قوم کے سامنے اسلام کی دعوت پیش کی جائے اس کے مزاج اور نفسیات کا مطالعہ کر کے نرمی اور حکمت کے ساتھ دین کی دعوت پیش کرنا دعوتِ اسلام کا ایک بنیادی اصول ہے، کسی قوم میں دعوت کا کام پورے طور پر اسی وقت انجام دیا جا سکتا ہے جب اس قوم کے بارے میں ہمہ جہتی واقفیت ہو اس کے مزاج، نفسیات، مسائل و حالات کا پورے طور پر علم و اندازہ ہو داعی کے اندر مدعو قوم کے لئے بھرپور ہمدردی اور دل سوزی ہو اس کے سامنے اسلام کے عقائد و اعمال کو قابلِ فہم انداز میں پیش کیا جائے دعوت کا راستہ ہموار کرنے کے لئے مدعو قوم سے قربت پیدا کرنا بہت مؤثر ہوتا ہے لیکن یہ بات ہمیشہ پیش نظر رہنی چاہئے کہ مدعو قوم کو قریب کرنے اور مانوس بنانے کا عمل اسلامی عقائد و احکام کے حساب پر نہ ہو یعنی بڑی سے بڑی قوم اور بڑی سے بڑی جماعت کو اسلام میں داخل کرنے کے لئے دین کے کسی ادنیٰ سے ادنیٰ عقیدہ اور نظریہ سے دست برداری کی گنجائش نہیں، اسلام اپنی صحیح شکل وصورت میں اب تک اسی لئے باقی ہے کہ علمائے دین اور داعیانِ اسلام نے دین کے ہر ہر جز کو اس کی اصلی حالت میں باقی رکھنے کی کوشش کی اور دین کے کسی ادنیٰ سے ادنیٰ جز کے بارے میں مداہنت

اور دست برداری گوارہ نہیں کی ۔

اس وقت ہندوستان میں غیر مسلموں کے درمیان دعوتِ اسلام کی جو کوششیں ہو رہی ہیں ان میں سے بعض میں یہ بات بہت صاف طریقہ پر محسوس ہوتی ہے کہ ہندوؤں کو قریب کرنے کے لئے بعض غیر اسلامی اور غیر واقعی تصورات و خیالات کا سہارا لیا جا رہا ہے ہندوؤں کی مذہبی کتابوں اور مذہبی شخصیات کے بارے میں امکانی طور پر یہ بات کہنا کہ ہو سکتا ہے یہ آسمانی کتابیں ہوں اور یہ خدا کے بھیجے ہوئے انبیاء و رسل ہوں قابلِ اعتراض بات نہیں ہے لیکن جزم و یقین کے ساتھ ان کی کتابوں کو آسمانی کتاب کہنا اور ان کی مذہبی شخصیات (رام وغیرہ) کو خدا کا رسول قرار دینا خطرناک اور بے بنیاد بات ہے ایسے نظریات کی اشاعت سے اس بات کا بڑا خطرہ ہے کہ خود ہمارے کم تعلیم یافتہ نوجوان ہندو ازم کی طرف پھر جائیں ان کے دلوں میں شرک و بت پرستی کی شناعت کم ہو جائے اس مادہ پرستانہ دور میں جب کہ ہندوستان میں ہندو احیاء پسندی کی تحریکیں پورے زور پر ہیں اور حکومت کے تمام وسائل ہندو کلچر کی تبلیغ و اشاعت میں مصروف ہیں ہندو قوم کو اہل کتاب یا شبہ اہل کتاب قرار دینا خود امتِ مسلمہ کیلئے سنگین خطرہ ہے اس نظریہ کی کوکھ سے بہت سے کلامی اور فقہی مسائل جنم لے سکتے ہیں مدعو قوم کے ساتھ حکمت و لینت کا برتاؤ کرنا اور اسے قریب لانے کی کوشش کرنا اپنی جگہ قابلِ ستائش چیز ہے لیکن اس مقصد کیلئے اسلامی عقائد و

ونظریات کو ہندو مذہب کے اصول ونظریات کے مساوی قرار دینے کی کسی طرح اجازت نہیں دی جاسکتی، اس لئے کہ مدعو قوم کو کفر وشرک اور بت پرستی سے نکالنے کے لئے باطل نظریات کی نفی ضروری ہے۔ ورنہ قبول حق کے بجائے مدعو کا ذہن وحدت ادیان کی طرف جانے کا امکان ہے جو تبلیغ کے کام کے لئے مضر ہے۔

"شہادت کا شوق ہر مومن کی اولین آرزو ہونی چاہئے"

آج کل کے مخالف حالات میں ہم میں سے اکثر لوگوں کو جن کو دعوت کی اہمیت کا کچھ احساس بھی ہے اور یہ بھی خیال ہے کہ ایمان کی دعوت امت کی بنیادی ذمہ داری ہے مختلف قسم کے خطرات ذہن میں آتے رہتے ہیں وہ ہر کام میں خطرہ محسوس کر کے ارادہ کرتے کرتے رک جاتے ہیں۔ یہ خطرہ دل سے نکالنے کے لئے بے انتہا ضروری ہے کہ دل میں شہادت کا شوق ہو۔ شہادت کے شوق کے بعد پھر انسان کا دل دنیا کے تمام خطروں سے محفوظ ہو جائے گا۔ گویا شہادت کا شوق اور اس کی تمنا تمام خطروں سے محفوظ کردینے والا ایک قلعہ ہے۔ آپ کو معلوم ہے کہ جب ہم لوگ ہریانہ میں شروع شروع میں آئے تو ہمارے بھولے بھالے ہمدردوں نے ہمیں سمجھایا کہ اس طرح کی ڈاڑھی اور اس طرح کی شکل میں آپ کا اس طرح پھرنا مناسب نہیں میں نے عرض کیا کہ دیکھئے دشمنوں اور مخالفین کی آخری درجہ کی دشمنی اور مخالفت ہمارے لئے یہ ہو سکتی ہے کہ وہ ہمیں قتل کر ڈالیں گے یعنی وہ ہمیں شہید کر دیں گے اور اگر ہم مومن ہیں تو شہادت کا شوق مومن کی اولین آرزو ہونی چاہئے جب ان کی آخری دشمنی ہمارے پہلے قدم اور آرزو سے ملتی ہے تو پھر خطرہ کیسا۔ لوگوں کی سمجھ میں آگیا۔ ذرا فکر کو بدلنے کی بات ہے ورنہ موت اپنے وقت سے پہلے آہی نہیں سکتی۔ ارشاد ربانی ہے :

اذا جاء اجلهم فلا يستاخرون ساعة ولا يستقدمون "سو جب ان کا وقت معین آپہنچتا ہے تو نہ ایک ساعت پیچھے ہٹ سکتے ہیں اور نہ آگے سرک سکتے ہیں۔"

(سورہ یونس - ۴۹)

(ارمغان دعوت)

غیر مسلموں میں دعوتی کام اور اس کا اسلوب

مولانا محمد خالد ندوی غازی پوری ندوۃ العلماء لکھنؤ

تبارک وتعالیٰ نے کائنات کی بے شمار مخلوقات میں انسان کو ایسے شرف سے نوازا ہے جس میں دوسری کوئی مخلوق شریک وسہیم نہیں، بساطِ گیتی پر جب ہم ایک طائرانہ نظر ڈالتے ہیں۔ ہمیں احساس ہوتا ہے کہ جمادات، نباتات، حیوانات کی بکھری ہوئی کہکشاں میں احساس شعور، وجدان وآگہی بصیرت و واقفیت کی دولت سے صرف انسان کو نوازا گیا ہے۔ جمادات وجود تو رکھتے ہیں لیکن نشو ونما سے عاری ہیں، یا اگر کسی درجہ میں تسلیم کیا جائے تو یہ عمل اتنا ضعیف اور خفیف الحرکت ہے کہ عام مشاہدہ کی گرفت سے باہر ہے جب کہ نباتات میں وجود کے ساتھ نشو ونما کی کیفیت بھی پائی جاتی ہے، تخم ریزی کے بعد ایک تناور درخت کی شکل میں تدریجی ارتقا نشو ونما ہی کے عمل سے عبارت ہے لیکن حرکت ونشاط کی مطلوبہ کیفیت اس میں بھی نہیں پائی جاتی۔ حیوانات ہر چند کہ کسی درجہ میں احساس

وشعور بھی رکھتے ہیں لیکن احساس وشعور طبعی احتیاج کی تکمیل تک ہی کسی قدر ساتھ ان کا دے سکتے ہیں، ایسا احساس وشعور جو ذمہ دارانہ ہو اور ابتکاری عمل اور اختراعی نظریات کو پیکر دینے کی صلاحیت رکھتا ہو اس سے وہ بھی عاری ہیں یہی وجہ ہے کہ تکلیف کا جُوا ان کے کاندھوں پہ نہیں رکھا گیا۔

لیکن انسان جو وجود بھی رکھتا ہے نشو ونما، حرکت و احساس اور شعور و وجدان کی دولت سے مالا مال و نہال ہے، عروج و زوال کے فسانے اسی کی ذات سے مرقوم ہونے چاہیئے تھے۔ لہذا مکرمت، عزت، شرف و فضیلت کا مرصّع تاج اس کے سر پر رکھ کر عروسِ کائنات بنایا گیا۔

ارشادِ ربّانی ہے۔

وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِي آدَمَ وَحَمَلْنَاهُمْ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ وَرَزَقْنَاهُمْ مِنَ الطَّيِّبَاتِ وَفَضَّلْنَاهُمْ عَلَىٰ كَثِيرٍ مِمَّنْ خَلَقْنَا تَفْضِيلًا ۔

اور تحقیق کہ ہم نے آدم کی اولاد کو عزت عطا کی، خشکی اور تری میں اسکو سربلند کیا اور پاکیزہ غذا سے نوازا اور بہت سی مخلوقات پر ہم نے اسے ایک امتیازی شان بخشی۔

یہ وہ انسان ہے جو مکلّف ہے صحیح راستہ پر قائم رہنا اور دوسروں کو قائم رکھنے کی انتھک کوشش کرنا اس کی فطری ذمہ داری ہے۔ اس لئے کہ اس کی تخلیق کا مقصد ہی یہ ہے کہ مخلوق کو خالق سے جوڑ دے اور بندے کو معبود سے ملا دے۔ رستم کے دربار میں حضرت ربعی بن عامرؓ کا پر شکوہ اور جرآت مندانہ اعلان اسی کا غمازہ ہے اور اسی فرض منصبی

کی بازگشت ہے جس سے ایوانِ رستم میں زلزلہ طاری ہوگیا اور عزم و جزم و دانش کے پہاڑ ریت کے تودے ثابت ہوتے چلے گئے۔ ان کا جواب تھا۔

ہم کو اللہ نے اسی لئے بھیجا ہے کہ جس کے بارے میں اس کی مرضی ہو اس کو بندوں کی بندگی سے نکال کر اللہ کی بندگی میں داخل کر دیں اور دنیا کی تنگیوں سے نکال کر آخرت کی وسعتوں میں پہونچادیں اور مذاہب کی زیادتیوں سے چھٹکارا دلاکر اسلام کے عدل کے سایہ تلے لے آئیں۔

(البدایہ والنہایہ)

اسی فکر و نظر، احساس و شعور بصیرت و فراست کے صالح آمیزہ سے فکر و نظر کی دنیا بدل گئی۔ اور کائنات ارضی میں ایسا انقلاب آیا کہ زندگی مقصد سے آشنا ہوگئی، اور صدیوں سے تپتی ہوئی بے آب وگیاہ وادی میں بہاریں خیمہ زن ہوگئیں ؎

وہ بجلی کا کڑکا تھا یا صوتِ ہادی عرب کی زمیں جس نے ساری ہلادی

اور حقیقت تو یہ ہے ؎

بہار اب جو دنیا میں آئی ہوئی ہے یہ سب پَود انھیں کی لگائی ہوئی ہے

اللہ رب العزت نے انسانوں کو پیدا کیا تو بندگی کی چاشنی اس کی فطرت میں رکھی، انسانی زندگی سے اس نشاستہ کو الگ کر دیا جائے (اگر ممکن ہو) تو انسان اپنا وزن اس کائنات میں برقرار نہیں رکھ سکتا ہے، یہی چیز اس کو باوزن بناتی ہے۔ احساس ذمہ داری پیدا کرتی ہے اور تنظیم کائنات میں اس کو محو کر دیتی ہے۔ کیونکہ اس کا شعور اس

کی رہبری کرتا ہے کہ وہ رب کا بندہ ہے۔ رب کی رضا اس کا مقصود ہے۔
لہذا وہ خوش دلی کے ساتھ اس کو اختیار کرتا ہے جس سے اس کا رب راضی ہوتا ہے اور اس سے وہ پہلو بدل لیتا ہے جس میں یہ حقیقت معدوم ہوتی ہے۔ لہذا اس پیکرِ سپاس و طاعت کو ان الفاظ سے مخاطب کیا گیا۔

كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُونَ بِاللّٰهِ ؕ

اب دنیا میں بہترین گروہ تم ہو جسے انسانوں کی ہدایت واصلاح کے لئے میدان میں لایا گیا ہے۔ تم نیکی کا حکم دیتے ہو، بدی سے روکتے ہو اور اللہ پر ایمان رکھتے ہو۔

خیرِ امت کے لقب سے نواز کر اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو داعیانہ ذمہ داریوں کے احساس میں اور بھی شدت پیدا کر دی ہے۔ جس کی رُو سے ان پر لازم آتا ہے کہ یہ امتِ محمدی جسے قرآن کی وراثت سونپی گئی ہے اُن غلطیوں سے بچے جن غلطیوں کی بنا پر بنی اسرائیل کو دنیا کی امامت اور رہنمائی سے معزول کر کے اس امت کو اس منصب پر فائز کیا گیا ہے۔ لیکن امت کی بے توجہی، بے خبری اور غفلت نے آج اس قوم کو موت و زیست کی کشمکش میں مبتلا کر دیا ہے۔ خیرِ امت کے لقب سے نوازے جانے کے باوجود اپنی فضیلتوں اور ذمہ داریوں سے نا واقفیت یا عدم توجہی کی باتوں ہی کی طرف علامہ اقبالؒ نے اپنی نظم "شمع اور شاعر" میں اس امتِ مسلمہ کی توجہ مبذول کرائی ہے چنانچہ

وہ فرماتے ہیں ؎

آشنا اپنی حقیقت سے ہو اے دہقاں ذرا
دانہ تو، کھیتی بھی تو، باراں بھی تو حاصل بھی تو
آہ! کس کی جستجو آوارہ رکھتی ہے تجھے
راہ تو، رہ رو بھی تو، رہبر بھی تو، منزل بھی تو
کانپتا ہے دل ترا اندیشۂ طوفاں سے کیا
ناخدا تو بحر تو، کشتی بھی تو، ساحل بھی تو
دیکھ آ کر کوچۂ چاکِ گریباں میں کبھی
قیس تو، لیلیٰ بھی تو، صحرا بھی تو، محمل بھی تو
وائے نادانی! کہ تو محتاجِ ساقی ہو گیا
مے بھی تو، مینا بھی تو، ساقی بھی تو، محفل بھی تو
بے خبر! تو جوہرِ آئینۂ ایام ہے
تو زمانے میں خدا کا آخری پیغام ہے

پھر وہ کہتے ہیں ؎

اپنی اصلیت سے ہو آگاہ اے غافل کہ تو
قطرہ ہے لیکن مثالِ بحرِ بے پایاں بھی ہے
سینہ ہے تیرا امیں اس کے پیامِ ناز کا
جو نظامِ دہر میں پیدا بھی ہے پنہاں بھی ہے
ہفت کشور جس سے ہو تسخیر بے تیغ و تفنگ

تو اگر سمجھے تو تیرے پاس وہ ساماں بھی ہے

تسخیرِ کائنات کا یہی مقام ہے جس کی فرازوں کو ایک مومن ہی نخچیر کرسکتا ہے۔ اسی وجہ سے اسے خیرِ امت کا لقب دیا گیا ہے۔ لیکن آج ہمیں اس کا جائزہ لینا ہے کہ آیا ہم بحیثیت مسلمان اور اسلام کے شیدائی ہونے کے اس فریضہ کو کہاں تک ادا کر رہے ہیں۔ اور اس کے لئے کیا طریقۂ کار اپنا رہے ہیں اس میدان میں ہمارے اکتسابات کیا ہیں۔ وہ زمانہ اور ماحول کے اعتبار سے کس حد تک صالح اور مفید ہیں، اسی کے ساتھ ہمیں یہ بھی غور کرنا ہوگا کہ دعوتی بنیادوں پر قائم ہندوستان کی دیگر غیر اسلامی تحریکوں نے کیا نہج اختیار کر رکھا ہے اور ان کی کامیابیاں اس میں کس حد تک ہیں۔ اگر ان چیزوں کے بغیر کام شروع کیا گیا تو دعوت اسلامی کا عمل غیر مؤثر اور کمزور ہوگا۔

ہمیں یہ بھی پیشِ نظر رکھنا ہوگا کہ برصغیر ہند و پاک، بنگلہ دیش میں، بھارت کو جداگانہ نوعیت حاصل ہے، اور سرِ دست اس مضمون میں بھارت میں دعوتِ اسلامی اور اس کے طریقۂ کار، منہج و اسلوب ہی کا جائزہ مقصود ہے حقیقت یہ ہے کہ بھارت ایک عظیم آبادی، نوع بنوع تہذیب، مختلف نظریات، افکار، مذاہب، مسالک اور روایات پر مشتمل ایک بڑا ملک ہے۔ جہاں کی غالب آبادی کفر و شرک کی آماجگاہ میں پل رہی ہے جہاں طبقاتی نظام کی آویزش بھی ہے اور لسانی عصبیت کی کشمکش بھی اور دینی حمیت و غیرت کی

آزمائش بھی اور پرستاران باطل کے لئے آرائش بھی لیکن ایک مومن کو تو ایک طرف یہ حکم ہے کہ :

اَنِ اعْبُدُوا اللّٰہَ وَاجْتَنِبُوا الطَّاغُوْتَ	یہ کہ تم اللہ کی عبادت کرو، اور طاغوت (سرکش طاقتوں) سے الگ رہو۔

تو دوسری طرف اس کے ذمہ دعوت الی الخیر کی یہ ذمہ داری بھی دی گئی ہے ۔

وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ اُمَّةٌ يَّدْعُوْنَ اِلَى الْخَيْرِ ۔	تم میں ایک جماعت ایسی ہونی چاہیئے جو خیر کی دعوت دے ۔

ظاہر ہے کہ خیر کی دعوت خود ایمان کی دعوت ہے ۔

علامہ بغوی نے "خیر" کی تشریح "اسلام" سے کی ہے لہ

(معالم التنزیل ص ۳۴۲)

امام رازی فرماتے ہیں " دعوت الی الخیر" ایک جنس ہے اس کی دو نوعیں ہیں ایک یہ کہ ان کاموں کے کرنے کی ترغیب دی جائے جو مطلوب ہیں اسی کا نام امر بالمعروف ہے دوسری یہ کہ ان چیزوں کو چھوڑنے کی ترغیب دی جائے جو نامطلوب ہیں " اسی کو نہی عن المنکر" کہا جاتا ہے ۔ حضرت ابو جعفر باقر فرماتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت تلاوت فرمائی :

وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ اُمَّةٌ يَّدْعُوْنَ اِلَى الْخَيْرِ ۔

اور فرمایا :

اَلْخَيْرُ اِتِّبَاعُ الْقُرْآنِ وَسُنَّتِيْ ۳؎

گویا دعوت الی الخیر کا مطلب یہ کہ لوگوں کو قرآن وسنت کی اتباع واطاعت کی دعوت دی جائے۔ حضرت مقاتلؒ نے الخیر کا ترجمہ اسلام کیا ہے شارح جلالین علامہ صاوی فرماتے ہیں۔

اِنَّمَا قَصُرَهٗ عليه (على الاسلام) لِاَنَّهٗ رَاْسُ الْاُمُوْرِ	صاحب جلالین نے خیر کے معنی صرف اسلام کے لیے ہیں کیوں کہ اسلام ہی سارے معاملات کی اساس ہے۔

اس موقع پر حضرت مولانا عبدالماجد صاحب دریاآبادی نے بڑی نفیس، دلنشیں انداز، موثر پیرایۂ بیان اور منطقی اسلوب میں مومن کے اس ذمہ دارانہ مقام پر روشنی ڈالی ہے، وہ یوں رقمطراز ہیں۔

آیت کے اس جز میں امتِ اسلامی کی اعتقادی، اخلاقی اور عملی زندگی کے کامل ومکمل ہونے کا پورا فوٹو آگیا ہے مطلب یہ کہ اے مسلمانو! تم اپنی ذمہ داری پوری طرح محسوس کرو، تم توحید کے امانت دار ہو، زمین پر اللہ کے نائب وخلیفہ ہو بہ طور اس کی پولیس کے ہو، الہی قانون کے نفاذ وتحفظ کے لئے" دنیا کے نظام عدل کو برقرار رکھنے کے لئے بھیجے گئے ہو۔ تمہاری زندگی کا مشن ہی یہ ہے کہ حکومت الہیہ کو چلاؤ" نظام حق کے ایک ایک کل پرزہ کو درست رکھو اور نظام باطل کا زور چلنے ہی نہ دو، ظلم ہوتا، اگر اس ذمہ دار فعال (ایگزیکیٹو) جماعت کو جدال وقتال کی آزادی نہ ملتی بلا اجازتِ جہاد، بلا اجازت

اجراء حدود و تعزیرات اس قوم پر ذمہ داریاں ڈال دینے کے معنی یہ ہوتے کہ ہاتھ پیر باندھ کر حکم دریا میں پیرنے کا دیا جا رہا ہے۔

کیا تماشہ ہے اگر انگریز ہندوستان میں ستی کی رسم کو جرم قرار دیں تو وہ اس ملک کے محسن، ہندؤوں میں بچپن کی شادیوں کے دستور کو روک دیں تو ان کا شکریہ واجب، لیکن اللہ کا سپاہی، مالک الملک کے پیارے، اگر یہ حق حاصل کرنا چاہیں کہ قانونِ الٰہی سے بغاوت کرنے والوں، اور امنِ عالم کو غارت کر کے رکھ دینے والوں کی دار وگیر کریں تو "روشن خیالی" کے جبینِ تحمل پر شکن آجاتے اور تہذیب کا پروپیگنڈہ اُسے رواداری کے خلاف قرار دینے لگے منکر کے تحت میں آج شراب خانہ اور تھیٹر سینما اور کنسرٹ ہال، ناچ گھر اور میوزک کالج اسکول آف آرٹ اور تصویر خانے سب آجاتے ہیں آیت سے ظاہر ہے کہ اس امت کی خیریت وافضلیت اسی وقت تک ہے جب تک وہ ان صفات کی حامل ہے یعنی ایمان باللہ میں مضبوط ہے اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر (ایجابی وسلبی) دونوں قسموں کی اخلاقی خوبیوں پر قائم ہو۔

حقیقت یہ ہے کہ دعوت الی اللہ سے بڑھ کر روئے زمین پر کوئی کام نہیں، فقہاء نے دَعَا اِلَی اللّٰہِ سے یہ استنباط کیا ہے کہ بہترین قولی عبادت دعوت الی اللہ ہی ہے

بھارت میں تشنگان توحید کی کمی نہیں

برصغیر بھارت میں تشنگانِ توحید و معرفتِ الٰہی کی کمی نہیں، البتہ ان کی صحیح رہنمائی کی کمی ہے۔ ابھی تک ہماری دعوت کا رُخ زیادہ تر اپنے ہی قافلہ کو صحیح رخ پر لے چلنے یا تذکیر و استحضار کی کیفیت اس کے اندر پیدا کرنے کی طرف ہے، غیر مسلموں کی بڑی آبادی جن کے پڑوس میں ہم صدیوں سے رہ رہے ہیں۔ انھیں یہاں تک معلوم نہیں کہ مسلمان اللہ اکبر جو کہتا ہے تو اس اللہ عزوجل کی بڑائی بیان کرتا ہے یا اکبر بادشاہ کی عظمت کی دہائی دیتا ہے۔ وہ مسلمان کو خون آشام فسادی جاہل، غیر مہذب اور نہ جانے کیا کیا خیال کرتے ہیں انھیں یہ معلوم نہیں کہ ان کی جھولی میں وہ لالۂ صحرائی ہے جس کی یافت کی تمنا قوموں نے کی، ان کے پُرکھوں نے اس کے وجود باوجود کی بشارت دی، چاہے وہ کلکی ہو یا فار قلیط یا اور کسی نام سے اس کی آمد کی آرزو مردہ دلوں کی مسیحائی کے لئے اس کی معنویت کے مختلف پیرہن تو ہو سکتے ہیں لیکن ذاتِ پاک وہی ہے جو آ گئی اور قیامت تک کے لئے آ گئی اور اس کے پیام و پیغام کی اشاعت اس کے ماننے والوں پر فرض ہے، اس سلسلے میں مدراس کی پروفیسر ڈاکٹر بھارتی دیوی کے اس خط کا حوالہ دینا کافی ہوگا۔

ریڈینس ۱۱؍ دسمبر ۱۹۸۸ء میں شائع شدہ ایک مضمون "آج کی دنیا میں اسلامی تبلیغ اور اس کا طریقۂ کار،، کے جواب میں ۸ ؍جنوری ۱۹۸۹ء کے شمارے میں ان کا ایک تفصیلی خط شائع ہوا تھا جو بڑی عبرت آموز تحریر ہے اور ایک متعصب ہندو خاتون کوتاہ دست اور دینی فرائض سے غافل مسلمانوں کے بارے میں کیا سوچتی ہے ، پر مشتمل ہے ، وہ رقمطراز ہیں :

"میں نے مضمون پڑھا تو مجھے تحریک ہوئی کہ میں قرآنِ پاک کا ایک نسخہ خریدوں ، اور میں نے اسے پڑھنا شروع کر دیا ہے ، پہلی آیت جس کی خاطر میں قرآن پاک پڑھنا چاہتی تھی وہ سورۃ البقرۃ کی ۱۴۳ ویں آیت ہے اس میں ارشاد ہوتا ہے ۔

" اور اسی طرح تو ہم نے تم مسلمانوں کو ایک امتِ درمیانی جماعت بنایا ہے تاکہ تم دنیا کے لوگوں پر گواہ اور رسول تم پر گواہ ہوں "

مجھے افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ آج کتنے مسلمان بھائی اس فرمانِ الٰہی سے آگاہ ہیں کہ ہر مسلمان لوگوں پر گواہ ہو میں سوچتی رہتی ہوں کہ مسلمان بھی تو ہندوؤں ہی کی طرح ہیں جن کے گھر اتنے بند ہیں کہ بس ہوا اندر آجا سکتی ہے اور کچھ نہیں ، ہمارا ہندو معاشرہ ایک طرح کا بند خول ہے ، اس کے مقابلہ میں اسلامی تصور خدا ، اخوت و مساوات اور اسلامی تصور ایمان و یقین سب نہایت پرکشش اور دل پذیر ہیں مجھے افسوس ہے کہ میں گذشتہ انتالیس برس فقط اس لئے اندھیارو ں

میں بھٹکتی رہی ہوں کہ کسی مسلمان بھائی نے شہادتِ حق کا فریضہ انجام دیتے ہوتے مجھے دینِ اسلام سے آگاہ ہی نہیں کیا۔

یہ کوتاہی کس کی ؟

آگے وہ لکھتی ہیں:

" میں نے شہر مدراس میں بہت سے مسیحی مبلغ دیکھے ہیں جو غیر مسیحیوں کے سامنے اپنے مذہب کا پرچار کرنے میں خاصا روپیہ اور وقت صرف کرتے ہیں۔ لیکن مجھے ایک بھی مسلمان عوام میں اپنے دین کا پرچار کرتا دکھائی نہیں دیا مسیحی اس سلسلے میں اتنے پرجوش اور جارحانہ انداز اپناتے ہیں کہ وہ یہ پرواہ بھی نہیں کرتے کہ مخاطب ان کی تبلیغ مسیحیت کو دھیان سے سننے پر آمادہ بھی ہے یا نہیں۔ اس تمام تر تبلیغ اور لاکھوں کروڑوں روپئے خرچ کرنے کے باوجود ہندوستان میں ہنوز عیسائیت اس قابل نہیں ہوئی کہ غیر مسیحیوں کے دل جیت سکے۔

میرا خیال ہے کہ یا اُن کے تصورِ ایمان میں یا شہادتِ حق کی ادائیگی کے طریقۂ کار میں کوئی نقص موجود ہے۔ لیکن مجھے یقین ہے کہ اگر اس عظیم ملک کے مسلمان جو اپنے عظیم ثقافتی ورثہ اور پرشکوہ ماضی پر ہمیشہ نازاں رہتے ہیں، بھٹکی ہوئی روحوں کو بچانے کے لئے آگے آئیں گے تو بلا شک و شبہ بھارت ایک بہتر قوم بن سکے گا، جہاں مساوات، حرّیت اور بھائی چارے کی مکمل آزادی ہو گی اور یہ وہ نعمتیں ہیں جن سے کم از کم تین کروڑ

اچھوتوں کو محروم رکھا جاتا ہے جو ہندوؤں کی دھارمک پستکوں کے مطابق انسان ہی نہیں ہیں ۔

سوال یہ ہے کہ اُن کی فکر کون کرے گا؟ کسے پرواہ ہے کہ بھارت کے نیچ ذات کے لوگ انسان شمار ہوتے ہیں یا نہیں، لیکن مجھے کامل یقین ہے کہ قادرِ مطلق بھارت کے مسلمانوں کو ہرگز معاف نہیں کرے گا، اگر وہ غیرمسلموں یا کم از کم ستم زدہ اور شرفِ انسانیت سے محروم اچھوتوں کے سلسلے میں شہادتِ حق کا فریضہ ادا کرنے میں ناکام رہے، مسلمانوں کو مخاطب کرتے ہوتے بڑے جوش میں انہوں نے یہ بھی لکھا ہے :

"کیا کوئی مسلمان آگے آکر مجھے بتائے گا کہ بھارتی معاشرے میں مفلوک الحال، کمزور اور مظلوم لوگ کون ہیں ؟ کیا یہ ہر مسلمان کا دینی فرض نہیں کہ وہ آگے بڑھ کر اللہ کی راہ میں ان اچھوتوں کی خاطر لڑے جو برصغیر ہند میں انسانی حقوق کی بدترین خلاف ورزی کا شکار ہو رہے ہیں، مسلمان بھارتی معاشرے کی اس تکلیف دہ صورتِ حال سے اِغماض کیوں برت رہے ہیں ؟ کیا وہ سچائی کی خاطر اٹھ کھڑے ہونے سے خوف زدہ ہیں۔ قرآن مجید جس طرح مظلوموں کو آزادی دلانے کی تاکید کرتا ہے، اس انداز سے مجھے کسی اور مذہبی کتاب میں کوئی اور بات نظر نہیں آئی، لیکن مجھے دُکھ ہوتا ہے کہ بھارتی مسلمان اس معاملے میں یا تو بے رخی اختیار کئے ہوتے ہیں یا اس خوف کا شکار ہیں کہ کہیں ان پر فرقہ پرستی کا الزام نہ لگا دیا جائے ۔

قرآن مجید محض ایک کتاب نہیں یہ لوگوں میں جذبہ ایمانی پیدا کرتا ہے اور انھیں عمل پر اُبھارتا ہے، اگر مسلمان عظیم کتاب قرآن مجید سے بے وفائی کرنا چاہتے ہیں تو اللہ تعالیٰ اپنی آفاقی مشیت پر عمل درآمد کے لئے یقیناً غیر مسلموں کو استعمال کرے گا۔ اللہ تعالیٰ گارے پتھر یا لکڑی کا خدا نہیں وہ حی وقیوم ہے وہ ان لوگوں کے مصائب اور چیخوں پر خاموش نہیں رہ سکتا۔ جو مظلوم ہیں اور جنھیں نسلی امتیاز کا نشانہ بنایا جاتا ہے۔ سچے مسلمانوں کو چاہئیے کہ ان تمام طاقتوں پر تنقید کرنے سے خوفزدہ نہ ہوں جو انسانی شرف اور معاشرتی مساوات کی مخالف ہیں وہ ہندومت کے صدیوں پرانے ذات پات کے نظام ورن آشرم، کی شکل میں برسرِ کار ہوں یا سیاہ فاموں اور سفید فاموں کے نسلی امتیاز کی صورت میں۔ اسلام مرد اور مرد وعورت اور عورت اور عورت کے مابین کسی قسم کا فرق وامتیاز نہیں سکھاتا۔

میں اپنا خط ان الفاظ پر ختم کرتی ہوں جو ہیں تو آخری مگر اہمیت کے لحاظ سے کسی طرح کم نہیں، اور ان کا حوالہ بھی قرآن شریف سے لاتی ہوں:۔

"وہ رسولؐ انھیں ان کے بھاری بوجھ اور جہالت کی بیڑیوں سے نجات دلاتا ہے۔ جو انھیں جکڑے ہوئے ہیں۔ پس وہی لوگ ہیں جو اس پر ایمان لاتے ہیں، اس کی عزت کرتے ہیں، اس کی مدد کرتے ہیں، اور اس روشنی کی پیروی کرتے ہیں جو اس پر نازل کی گئی ہے۔ (سورہ اعراف ۱۵۷)

اچھوتوں کے لئے بہتر ہوگا کہ وہ حقیر جانوروں کی طرح مرنے کے بجائے غیر ہندو بن کر رہیں۔ لیکن انھیں یہ کیسے معلوم ہوگا کہ اس کائنات میں ایک ایسا خدا بھی ہے جو ان کی نگہداشت اور ان سے بہت زیادہ پیار کرتا ہے ؟ یہ اس وقت تک ممکن نہیں جب تک کوئی ان کو جھونپڑیوں میں جاکر اس حقیقت سے آگاہ نہیں کرتا ہر مسلمان اس (اسلامی) طرزِ حیات کی گواہی دینے کا پابند ہے کیونکہ اس کے خدائے واحد پر ایمان رکھنے کا مفہوم اور تقاضہ یہی ہے

(بتول رام پور جولائی ۱۹۹۰ء)

دعوت کیسے دی جائے

اس ماحول و فضا میں سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ دعوت کا کام کیسے کیا جائے۔ ایک طرف وسائل کی کمی سدِّ آہن بن جاتی ہے تو دوسری طرف تربیت یافتہ افراد کی کمی اسے پابجولاں کر دیتی ہے لیکن عزم و یقین سے بھرپور افراد کی موجودگی اس کاروانِ ایمان و عزیمت کو آگے بڑھانے میں حوصلہ زا اور مہمیز کا کام دے سکتی ہے۔ اور الحمد للہ معاشرۂ اسلامی میں ایسے افراد موجود ہیں۔ اور اسلام کی دعوت و عزیمت کی تاریخ کا دامن ایسے دُرِ شاہوار سے مرصّع و تابندہ ہے ؎

عزم راسخ ہے نشانِ قیس و شانِ کوہکن
عشق نے آباد کر ڈالے ہیں دشت و کوہسار

دعوت کے دو طریقے ہیں

(۱) تبلیغ و تلقین کے اس مرحلہ میں جو ہتھیار استعمال کئے جاتے ہیں وہ دلائل و براہین سے عبارت ہوں شیریں گفتاری، نرم خوئی شگفتہ بیانی سے دلوں کو مائل کیا جائے۔ اس لئے کہ دلائل و براہین سے اس طبقے کو دین کے قریب لایا جاتا ہے جس کا ذہنی و علمی معیار بلند ہوتا ہے۔ اور شیریں کلامی سے عوام کے دلوں کو مسحور کیا جاتا ہے ابن عربی مالکی کہتے ہیں۔

ومن الامر بالمعروف والنہی عن المنکر نصرۃ الدین باقامۃ الحجۃ علی المخالفین ''

یہ بات بھی امر بالمعروف ونہی عن المنکر میں شامل ہے کہ مخالفین پر دلائل قائم کرکے دین کی مدد کی جائے۔

(احکام القرآن ابن عربی مالکی ج۱ص۱۲۱)

امام رازیؒ فرماتے ہیں:

وامر بالمعروف ای باظہار الدین الحق

معروف کا حکم دو یعنی دین حق کی وضاحت اور اس کے دلائل کے

وتقریر دلالتہ" اثبات کے ذریعہ معروف کا حکم دو۔

(التفسیر الکبیر ج ۴ ص ۳۴۷)

قرآن کریم کی آیت ہے

"اُدْعُ إِلَى سَبِيلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ"

(النحل ۱۲۵)

فرماتے ہیں:۔

ادع الی الاسلام بالحکمۃ بالمقالۃ المحکمۃ وھو الدلیل الواضح للحق المزیل للشبہۃ، والموعظۃ الحسنۃ الخطابات المقنعۃ والعبر النافعۃ" الاولی لدعوۃ خواص الامۃ الطالبین للحقائق، الثانیۃ لدعوۃ عوامھم"	بلاؤ اپنے رب کے راستہ کی طرف یعنی اسلام کی طرف بالحکمہ مدلل گفتگو کے ذریعہ اس سے مراد وہ دلیل ہے جو سچائی کو واضح کر دے اور سارے شبہات دور کر دے اور "موعظہ حسنہ" ایسی بات جو اطمینان بخش ہوں اور ایسی عبرتیں جو فائدہ مند ہوں، پہلی چیز خواص امت طالبین حقائق کی دعوت کے لئے دوسری چیز انکے عوام کی دعوت کے لئے

(بیضاوی ج ۲، منقول از دین اور دعوت)

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کا ارشاد ہے

دعوتِ اسلامی کا یہ رہنما چند اصولی باتوں کا ضرورت مند ہوگا، ان میں ایک یہ ہے کہ پہلے کسی ایک گروہ کو راہِ راست

کی طرف دعوت دے گا، اس کا تزکیہ کرے گا اس کے حالات کو سنوارے گا۔ اسے اپنا دست و بازو بنائے گا۔ اور اطرافِ عالم میں اسے اپنے مقصد کے لئے پھیلائے گا۔

(حجۃ اللہ البالغہ ا ص ۲۰/۱۹)

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نے جن خطوط کی طرف اشارہ کیا ہے وہ صرف براہین و دلائل کی زبان ہی نہیں بلکہ تزکیۂ نفس کو لازم قرار دے رہے ہیں۔ تاکہ پھر دوئی باقی نہ رہ جائے "من تن شدم تو جاں شدی"، کا مصداق ہو جائے۔ ظاہر ہے اس کے لئے دماغ سے زیادہ دل کی تاثیر کی ضرورت ہو گی۔ لہٰذا دوسرا طریقہ جو سب سے زیادہ مؤثر ہے وہ یہ کہ ؂

جو دلوں کو فتح کرلے وہی فاتح زمانہ

علامہ اقبال نے اسلوبِ دعوت پر روشنی ڈالتے ہوئے اکتوبر سنہ ۱۹۲۰ء میں اپنے ایک دوست سے فرمایا تھا:

"میں یہ سمجھتا ہوں کہ دل اور دماغ کے کام کرنے کے طریقوں میں بہت فرق ہے، دماغ اکثر اوقات ہزارہا مضبوط دلائل کو مسترد کر دیتا ہے اور ان کی کچھ پرواہ نہیں کرتا، لیکن دل اس کے بر عکس بعض اوقات کمزور سے کمزور چیزوں سے اس قدر متاثر ہو جاتا ہے کہ صرف ایک ہی جھٹکے میں زندگی کا سارا نقشہ بدل جاتا ہے، قبول کا تعلق جس قدر دل سے ہے، دماغ سے نہیں، اصل بات جو

مبلّغ کو معلوم ہونا چاہئے، یہ ہے کہ وہ کون کون سے نشتر ہیں۔ جن سے دل متاثر ہوا کرتے ہیں کفار اور مشرکین کے انقلابِ حیات کی ہزارہا مثالیں تاریخ اسلام میں موجود ہیں۔ ہم دیکھتے ہیں کہ ایک شخص اپنے حالات کے تحت ایک خیال یا ایک مذہب پر چٹان کی طرح قائم ہوتا ہے، ناگہاں غیب سے اس کے دل پر ایک نشتر چلتا ہے اور چشم زدن میں اس کی زندگی کی تمام گذشتہ تاریخ بدل جاتی ہے۔

صداقتِ اسلام کے عقلی دلائل تو آپ کے پاس بہت ہیں مگر قلبی دلائل کم ہیں۔

اس کے بعد مثال کے طور پر چند واقعات بیان کرنے کے بعد ڈاکٹر اقبال نے مزید کہا!

قبولِ اسلام میں اصل چیز دل ہے جب دل ایک تبدیلی پر رضا مند ہوجاتا ہے اور کسی بات پر قرار پکڑ لیتا ہے تو پھر باقی تمام جسم اس کے سوا کچھ نہیں کرتا وہ اس تبدیلی کے لئے وقف ہوجاتا ہے۔

ہمیں اسلام کے قدیم و جدید مبلّغوں میں ایک واضح فرق نظر آتا ہے قدیم مبلّغوں کا وار غیر مسلموں کے دل پر ہوتا تھا۔ وہ اپنی للّٰہیت، بے نفسی، خوش خلقی اور احسان و مروت کی جادو اثر دواؤں سے دلوں کو گرویدہ کرتے تھے مگر جدید مبلغوں کا سارا زور دماغ کی تبدیلی پر صرف ہوتا ہے، وہ صداقتِ اسلام پر ایک دلیل دیتے ہیں مقابلہ میں دوسری حجت غیر مسلم پیش کردیتے ہیں، اس پر بحث و تکرار

شروع ہو جاتی ہے، مسلمان اپنی بات پر اڑ جاتا ہے، غیر مسلم اپنے قول پر تن جاتا ہے اس سے ضد پیدا ہو جاتی ہے اور ہدایت ختم ہو جاتی ہے۔

"مبلغین اسلام کو دلوں کے متاثر کرنے لئے نکلنا چاہیے یا دماغوں کے"، ڈاکٹر اقبال نے مزید تفصیل کرتے ہوئے کہا:

اس کے فیصلے کا آسان طریقہ یہ ہے:

غور کرنے سے معلوم ہوگا کہ فطرت اپنی فتوحات حاصل کرنے کے لئے اپنا تعلق ہمیشہ دلوں سے جوڑتی ہے، فطرت کھانے میں لذت پیدا کرتی ہے، اور آپ اسے بے اختیار کھا جاتے ہیں۔ اُس وقت ایک بھی شخص دماغ سے یہ نہیں پوچھتا کہ یہ کھانا طبّی لحاظ سے مفید ہو گا، آپ کہیں جا رہے ہوتے ہیں کہ ناگہاں پھولوں کی ایک خوشنما زمین اور لبِ جو کا ایک حسین نظارہ سامنے آجاتا ہے، آپ وہاں بے اختیار بیٹھ جاتے ہیں، وہیں ٹھنڈی ہوا کا ایک دل نواز جھونکا آتا ہے اور آپ کو ٹھنڈی نیند سُلا دیتا ہے۔ اس وقت کوئی بھی شخص دماغ سے یہ نہیں پوچھتا کہ مجھے سونا چاہیے یا نہیں۔ مختصر یہ کہ فطرت اسی طرح دلوں کو گرویدہ کر کے مطلب نکالتی ہے، وہ دماغوں کی طرف کبھی متوجہ نہیں ہوتی۔ اسلام چونکہ سربسر نورِ فطرت ہے، اس لئے مبلّغینِ اسلام کو چاہیے کہ اخلاق و محبت کی گیرائیوں سے دلوں کو اس طرح گرمائیں کہ ان میں سرکشی اور انکار کی سکت ہی باقی نہ رہے اس لئے ضروری ہے کہ مبلغین اسلام، اسلامی کیرکٹر کی عظمت کے مالک ہوں، تاکہ سرکش سے سرکش

آدمی بھی ان کے سامنے اپنی گردن جھکا دے، باقی رہے دماغی مباحث اور عقلی تکرار تو اس سے نہ تو دل مطمئن ہو سکتے ہیں نہ منقلب ہو سکتے ہیں، اور نہ فطرت رام ہو سکتی ہے۔ (تبلیغی تحریک صـ۲۴)

علامہ اقبال کے اس تجزیہ پر چنداں کلام کی گنجائش نہیں۔ فروغِ اسلام میں یہ اسلوب ہر دور میں کارگر اور مؤثر رہا ہے۔ اور اس اسلوب سے دعوت کو ایسی قوت ملی ہے کہ جس پر چنداں دلائل کی ضرورت نہیں۔

اولیاء باصفا اور مردان حق آگاہ کا اسوہ یہی رہا ہے۔ اور دعوت و عزیمت کی تاریخ میں ان کی اسلامی خدمات کو فراموش نہیں کیا جا سکتا۔ خصوصاً برصغیر ہند میں تو دین کی اشاعت کا سہرا ابھی انھیں باصفا مردانِ حق آگاہ کے سر ہے جنھوں نے دلوں کو گرمایا اور اخلاص و للّٰہیت کی فضا پیدا کی حضرت شیخ احمد سرہندیؒ، خواجہ معین الدین چشتیؒ، حضرت نظام الدین محبوب الٰہیؒ، حضرت شاہ شرف الدین یحییٰ منیریؒ، حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ اور حضرت سید احمد شہیدؒ اسی سلسلۃ الذہب کی روشن کڑیاں ہیں، جن پر تاریخِ اسلامیہ ہندیہ کو فخر و ناز ہے۔ لیکن افسوس کہ ؎

جو بیچتے تھے دوائے دل وہ دکان اپنی بڑھا گئے

دسویں صدی ہجری ہندوستانی مسلمانوں کے لئے فیصلہ کن صدی تھی۔ ایک طالع آزما بادشاہ نے دین اسلامی کا ہیولیٰ بدل

کر رکھ دیا تھا۔ علماء دربار میں موجود تھے۔ دلائل و براہین جن کے گھر کی باندی تھی۔ علم کا عالم یہ تھا کہ بے نقط تفسیر لکھی گئی لیکن دل کی دنیا ویران خانما برباد تھی تو اس دماغ نے ہزاروں دلوں کے سوتے خشک کرنے کا سامان کر دیا۔ اللہ رب العزت نے اس فتنہ کے مقابلہ کے لئے حضرت مجدد الف ثانیؒ کا انتخاب فرمایا۔ جو نہ بادشاہ کے دربار میں اثر و رسوخ رکھتے تھے۔ اور نہ جن کا علم دلائل کی بھول بھلیوں ہی میں صرف بھٹکتا تھا بلکہ وہ ان مردانِ حق آگاہ میں سے تھے جن کے ذریعہ اللہ تعالیٰ نے لاکھوں انسانوں کو ایمان سے نوازا۔ اور کتنے گمشتہ عنان کو قوت و استحکام نصیب ہوا۔ اپنے ایک مکتوب میں خانِ اعظم کو لکھتے ہیں۔

"اسلام کی بے کسی اس حد کو پہنچ گئی ہے کہ کفار برملا اسلام پر طعن اور مسلمانوں کی مذمت کرتے ہیں اور بے تکلف احکامِ کفر کے اجراء اور کوچہ و بازار میں اس کی مدح و ثنا کرتے نہیں شرماتے، حدیث میں آتا ہے "لن یؤمن احدکم حتی یقال اِنہ لمجنون اس وقت وہ جنون جس کا مبنی فرطِ غیرتِ اسلام ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ہے آپ ہی کی طبیعت میں محسوس ہوتا ہے"۔

حضرت شیخ کی ان کوششوں کا اثر نمایاں ہوا اور بقول حضرت مولانا سید ابو الحسن علی ندوی دامت برکاتہم، سلطنت کا رخ اسلام کی مخالفت سے ہٹ کر شعائرِ اسلام کی بلندی کی طرف تبدیل ہو گیا۔

حضرت مجدد الف ثانی کا اسلوبِ دعوت آج اس ماحول میں بھی بے حد مؤثر ہے ۔ آج بھی اس اسلوبِ دعوت سے بہت کچھ حاصل کیا جاسکتا ہے دلوں کو قریب کرنے کے لئے دل کی زبان استعمال کرنا ہی زیادہ مفید ہوتا ہے حضرت مجدد الف ثانی کا یہ جملہ " جس کا مبنی فرط غیرت اسلام ہے آپ ہی کی طبیعت میں محسوس ہوتا ہے ۔ خانِ اعظم کی دل کی دنیا کو بدل کر رکھ دیا اور اسی تبدیلی سے اس دور کے انقلاب کی ساری کڑیاں پیوستہ ہیں ۔ آج برصغیر خصوصاً بھارت میں غیر مسلموں تک اسلامی اقدار و حقانیت کی دلکشی ورعنائی واضح کرنے میں تحریک پیامِ انسانیت کا طرز و اسلوب بھی بے حد قابل قدر و تحسین ہے ۔ ایسا دیکھنے میں آیا ہے کہ جہاں مسلمانوں اور غیر مسلموں میں آویزش اور کشمکش شباب پر تھی ۔ پیام انسانیت کے ایک جلسہ نے وہاں کے ماحول میں رس گھول دیا کہ نفرت کی تلخی کافور ہوگئی اور اس کی جگہ محبت کی اثر آفرینی نظر آنے لگی ۔ اور کہتے سنا گیا کہ مسلمان محبِّ وطن ہوتا ہے ۔ اس کا دین تو محب کا اسلوب دیتا ہے اور ظاہر ہے داعی کی دعوت کا اثر اسی وقت قائم ہوگا جب داعی کی ذات پر اعتماد کی فضا قائم ہو ، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے چالیس سال کے بعد جن لوگوں کو مخاطب کیا وہ وہی لوگ تھے جو آپ کو صادق مانتے تھے ، امین جانتے تھے ، نزاعی معاملہ میں جن سے فیصلہ کرا چکے تھے ۔ ان کی نظروں میں ایسی زندگی تھی کہ جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں دعوت دی تو انکار کے لئے کوئی معقول

وجہ نہیں بیان کر سکے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مخاطب کرتے ہوئے فرمایا " بعثت فیکم عمر سنین ،، میں تم میں مدتوں رہا ہوں یعنی میری زندگی کی جلوتوں اور خلوتوں سے تم واقف ہو پھر انکار کی معقول وجہ کیا ہے۔ اس کا جواب ان کے پاس سوائے ضد وعناد کے اور کچھ نہیں تھا۔

" وَجَحَدُوا بِهَا وَاسْتَيْقَنَتْهَا اَنْفُسُهُمْ ،،

انھوں نے ضد میں انکار کیا اور دل میں تو یقین ہو گیا تھا۔ مگر ہٹ دھرمی کی وجہ سے اقرار پر راضی نہ ہوتے۔

حقیقت میں یہ وہ نفوس ہیں جنھوں نے اپنے باطن کو مسخ کر دیا تھا۔ ایسے تو ہر دور میں ہوں گے۔ لیکن جو عقل سلیم و فہم سلیم کے حامل ہوں گے وہ قلب سلیم کی باتوں سے ضرور متاثر ہونگے۔

دل سے جو بات نکلتی ہے اثر رکھتی ہے
پر نہیں طاقت پرواز مگر رکھتی ہے

غیر مسلموں میں دعوتی کام

مائل خیرآبادی رام پور

قبل اس کے کہ میں غیر مسلموں میں دعوتی کام کے بارے میں کچھ اشارات عرض کروں چوبیس پچیس برس پہلے کی ایک بھولی بسری خبر بطور واقعہ عرض کردوں۔

واقعہ یوں ہے کہ چوبیس پچیس برس پہلے ایک خبر اخبارات کی زینت بنی تھی۔ کہانی عبرت ناک اور مسلمانوں کے پڑھنے کے لائق ہے۔ اسے اپنی ہلکی پھلکی زبان میں پیش کررہا ہوں۔ خبر آئی کہ ضلع بستی کے ایک گاؤں (گاؤں کا نام یاد نہیں رہا) کے ٹھاکروں نے اپنی بستی سے بارہ مسلمان گھرانوں کو مار بھگایا اُن کے مکانات ڈھا دیئے اور مسجد مسمار کردی۔ اس خبر کو پڑھ کر درد مند مسلمانوں کے وفود اس گاؤں میں پہنچے اور ٹھاکروں سے مل حالات معلوم کیے، سوالات کے جوابات کو ترتیب دیا گیا۔ تو کہانی یوں بنی، ٹھاکروں نے یہ بیان دیا کہ:

ہمارے پُرکھا (بزرگ) مغلوں کے زمانے سے یہاں کے راجہ تھے، انھیں کسانوں سے لگان وصول کرنے میں بڑی زحمت پیش آتی تھی کسان بڑے سرکش تھے۔ کچھ ڈاکو اُن کی پشت پر تھے اس لئے ہمارے پُرکھوں کی طرف سے ''دوڑ'' (سپاہیوں کا دستہ) جاتی تھی، ڈاکوؤں کی کمک پر کسان مقابلے پر آجاتے، بڑی

خونریزی ہوتی تب کہیں آدھا تہائی لگان وصول ہوتا تھا۔

ہمارے پُرکھا راجہ ہر سال شاہی دربار میں جایا کرتے تھے۔ وہاں مسلمان نوابوں سے ملاقات ہوتی تھی۔ ملاقات کے دوران لگان کی وصول یابی کے بارے میں تبادلۂ خیال ہوتا تھا۔ ایک بار ہمارے پُرکھا راجہ دربار سے واپس آئے تو اپنے ساتھ ایک میاں جی کو لائے۔ میاں جی کا خاندان مختصر تھا۔ اہلیہ۔ ایک نوجوان لڑکی اور دو لڑکے، بس، یہ جو بہت پرانا نیم کا درخت آپ دیکھ رہے ہیں، اس کے سائے میں میاں جی اپنے بچوں کو تعلیم دیتے تھے، ہمارے پرکھوں نے اپنے بچے بھی پیش کیے کہ انھیں فارسی پڑھا دیا کریں، میاں جی کو ایک گھر دیدیا گیا، دس بیگہ (کچے) کھیت دیدیئے گئے۔ اور ایک ہوا ہا بھی۔ (ہوا ہا اس شخص کو کہتے ہیں جو ہر کھیت کے کنارے دو بسوہ کی پیدوار لیتا تھا۔ جوتنا بونا اور غلہ پیدا کرنا اس کے ذمہ ہوتا تھا۔ اور کھیت مالک صرف بیج اور کھاد دیتے تھے۔)

میاں جی بچوں کو تعلیم دینے کیساتھ تربیت بھی کرتے تھے، جب سویرے سو کر اٹھو تو ماتا پتا کو سلام (پرنام کرو۔) صاف ستھرے رہو روزانہ نہایا کرو، چوری اور جھوٹ سے دور رہو۔ بڑوں کی تعظیم کرو۔ آپس میں میل جول سے رہو۔ وغیرہ بچوں پر اس تعلیم اور تربیت کا بڑا اثر پڑا اور یہ بچے بستی میں لوگوں کی نظروں میں ایک مقام حاصل کرنے لگے۔ میاں جی کو ہندؤں سے بات چیت کرنے کے بعد معلوم ہوا کہ بیکنٹھ اور نرک کا عقیدہ یہاں بھی ہے۔ تو بچوں کو نرک سے ڈرایا کرتے تھے۔ ایسی کہانیاں سناتے جن سے سچائی کی تلقین ہوتی۔ بچے یہ کہانیاں گھروں میں سناتے اور بھگوان کا بھئے ہمارے گھروں میں بھی پیدا ہونے لگا۔

میاں جی جمعہ کے دن گاؤں میں گشت کرتے۔ بچوں کے والدین سے ملتے اور خاص طور پر یہ نصیحت کرتے تم اپنے بچوں کو جیسا بنانا چاہتے ہو، ویسے خود

بن جاؤ۔ آخر میں کہتے۔ "کیا بچے بڑوں کی تقلید نہیں کرتے"؟
اب سنیئے ایک واقعہ۔ آس پاس کا ایک مشہور ڈاکو جنگوا، اپنے لڑکے کو لے کر میاں جی کے پاس آیا، عرض کیا "میاں جی"! ہمارے بچے کو فارسی پڑھا دیں گے؟ "کیوں نہیں"، میاں جی کا جواب تھا۔ تو جنگوا نے کہا "لیکن میں پاسی ہوں"۔ راجہ صاحب پسند نہیں کریں گے"۔
میاں جی نے اسکو اطمینان دلایا۔ تم بچے کو بھیجا کرو۔ میں راجہ صاحب سے اجازت لے لوں گا۔ بچہ آیا تو واقعی راجپوت پرکھوں نے میاں جی سے شکایت کی لیکن میاں جی نے کہا کہ دور اندیشی کا تقاضا ہے کہ جنگوا کی خواہش پوری کی جائے۔ آپ دیکھیں گے کہ اگلے سال جنگوا ہی سب سے پہلے لگان دیگا۔
ہوا بھی ایسا ہی، سال ختم پر واقعی جنگوا سب سے پہلے لگان لے کر آیا اور عرض کیا۔ مائی باپ! آپ اب زحمت نہ کریں۔ دوڑ، نہ بھیجا کریں۔ میں لگان وصول کراؤنگا ہمارے پُرکھوں کو سب سے بڑی فکر اسی کی تھی، وہ میاں جی کی کرامات سمجھے اور پھر اسی گاؤں میں ایک پاٹھ شالہ بن گئی۔ اس کے بعد ایک دوسرا واقعہ سنیئے، جس سے یہاں ایک انقلاب برپا ہوگیا۔ ایک دن میاں جی نے ہمارے بزرگوں کو بتایا کہ کل بچی کی شادی ہے۔ آپ لوگ بھی شرکت کریں گے، ہمارے بزرگوں نے شکایت کی کہ ہمیں پہلے کیوں نہیں بتایا، آپ کی بیٹی ہماری بیٹی، ہم دھوم دھام سے اسے وداع کرتے، شہر کے طوائف بلا لیتے، باورچی آجاتے، آتشباز آجاتے میاں جی نے اس موقع پر بتایا کہ اسلامی طریقہ نکاح کا بہت سادہ ہے۔ برات میں صرف پانچ آدمی آئینگے ان کا کھانا گھر میں پک جائے گا۔ اور ناچ باجا اور آتشبازی فضول خرچی ہے، یہ اسلام میں حرام ہے اس لئے اس کی ضرورت نہیں۔
واقعی بڑے سادہ طریقہ سے نکاح ہوا۔ پھر دولہا کے باپ نے مہر کی رقم

چھپن روپیہ دس آنے دولہن کو پیش کئے اور رخصت کرا کر لے گئے۔ ہمارے بزرگوں نے اس رقم کے بارے میں پوچھا کہ یہ کیا؟ معلوم ہوا کہ مہر کی ادائیگی ضروری ہے۔

ہندوؤں کے یہاں کی شادیوں کے برعکس اس شادی کی دھوم مچ گئی اور کئی غریب راجپوتوں کے خاندان مسلمان ہو گئے، پنڈتوں نے ہمارے بزرگوں کو آگاہی دی کہ میاں جی کا قیام یہاں درست نہیں۔ لیکن ہمارے بزرگوں نے پنڈتوں کی ایک نہ سنی۔ اب مختصراً یہ سن لیجئے کہ یوپی کے مشرقی اضلاع کے یہ جو مشہور علماء ہیں ان کے بزرگوں کو مسلمان کرنے والے میاں جی کے سپوت تھے لیکن افسوس صد افسوس کہ میاں جی کی اولاد بڑھی اور ان کے بارہ گھرانے ہو گئے تو یہ سب کے سب دو برس میں ایسے ہو گئے جیسے دو برس پہلے یہاں کے پاسی چمار تھے۔ اسلامی تعلیم سے کورے اوّل نمبر کے چور، چوری، اخلاقِ رذیلہ کے مرتکب مختصر یہ سمجھیئے کہ یہ نام کے مسلمان اور کام کے کافر ہم نے یہ دیکھا تو انھیں بھگا دیا، آپ انھیں مسلمان سمجھتے ہیں تو سمجھیں، ہم انھیں مسلمان سمجھنا اسلام کی توہین سمجھتے ہیں۔ آپ جائیں، اور ایک وہ میاں جی بھیجدیں۔ ہم ان کو وہ سب دیدیں گے جو بارہ گھرانوں کے حقوق ہیں۔

نہایت افسوس کے ساتھ عرض کرتا ہوں کہ آج پچیس برس ہو گئے ہیں، اس واقعے کو لیکن وہاں ایک میاں جی ہم نہ بھیج سکے یہ اتنی بڑی ٹریجڈی ہے کہ ہمارے علمائے کرام کو اس کے بارے میں سوچنا چاہیئے۔ ہم قرآن کریم کی بہت سی آیتوں کی تفسیر سن چکے ہیں۔ اسلامی لٹریچر سے لائبریریاں بھری پڑی ہیں۔ اصلاحِ معاشرہ کے لئے رسائل اور اخبار بھی نکل رہے ہیں لیکن معاف کیجیئے گا۔ "وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ" کی اس سے بہتر تفسیر کہیں نظر آئی

جو ایک میاں جی نے بستی ضلع کے ایک گاؤں میں اپنے کردار سے پیش کی!۔
اب ملاحظہ ہو وہ بات جو میں نے کہانی شروع کرنے سے پہلے عرض کی تھی کہ غیر مسلموں میں دعوتی کام کرنے کے اشارے اس کہانی کے بعد دونگا۔

- اس کہانی سے واضح ہو جاتا ہے۔ کہ اگر کسی بندۂ خدا کی فکر صالح ہو تو ہر جگہ اس کی پذیرائی ہوتی ہے آج دنیا میں سب کچھ ہے مگر اچھے انسان کی کمی ہے ایک صالح شخص ہی اپنی فکرِ صالح سے انسان کو انسان بنا سکتا ہے۔
- یہ بات بھی واضح ہے کہ ہمارے بھارت کی زمین تحریکِ اسلامی کے لئے بہت سازگار ہے۔ یہاں کے غیر مسلم اسلام کو سمجھنا چاہتے ہیں کاش کوئی اللہ کا بندہ ان بے چارے غیر مسلموں کو جہنم سے بچانے کے لئے آگے بڑھے اور ثوابِ دارین حاصل کرے۔
- قرآن میں ایک فقرہ ہے، جس کے مخاطب مسلمان ہیں۔ "یاأیھا الذین اٰمنوا اٰمِنُوا۔" بڑا بلیغ فقرہ ہے۔ مطلب یہ ہے اے مسلمانو! مسلمان بن جاؤ بظاہر چونکا دینے والا ہے مگر اسکا واقعی مطلب یہ ہے کہ مسلمانو! سچے مسلمان بن جاؤ۔ قرآن کے سانچے میں ڈھل جاؤ۔ اُم المومنین حضرت عائشہ رضی سے کسی شاگرد نے پوچھا۔ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کا اخلاق کیسا تھا!؟" ام المومنین نے فرمایا " بیٹے! تم قرآن نہیں پڑھتے۔ حضورؐ پورے طور پر قرآن کے سانچے میں ڈھلے ہوئے تھے کان خلقہ القرآن
- کسی بزرگ سے ایک شخص نے پوچھا کہ مسلمان کی زبان میں وہ اثر کیوں نہ رہا جس سے غیر مسلم متاثر ہوتے تھے۔ فرمایا۔ لم تقولون ما لا تفعلون تم وہ کیوں کہتے ہو جو کرتے نہیں، یعنی مسلمانوں کے دلوں اور زبانوں میں ربط نہیں رہا
- اس کہانی کے ہیرو کے کردار کی سادگی یہ بتاتی ہے کہ اسلام ایک سادہ اور

تکلف سے بری دین ہے ، رسم و راج اور بیجا مصارف کا دخل پسند نہیں کرتا۔

- ایک مستشرق دانشور کا کہنا ہے کہ دنیا کے تمام لوگوں نے اُس وقت ترقی کی جب انھوں نے اپنے مذہب کو پس پشت ڈال دیا لیکن مسلمانوں نے اپنے دین سے روگردانی کی تو ذلیل و خوار ہو گئے۔
- ایک ماہر جنگ مغربی دانشور کا کہنا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجرت کرنے سے پہلے ہی مکے کے بہادروں کو قتل کر دیا تھا ، بدر کے میدان میں قریشی سرداران کی لاشیں لڑنے گئی تھیں ، لاشیں کہیں زندوں سے لڑتی ہیں ؟
- مغربی دانشوروں کا اشارہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوۂ حسنہ کی طرف ہے کہ آپ نے اپنے اخلاق اور خدمتِ خلق سے مکے والوں سے امین وصادق کا لقب حاصل کر لیا تھا بدر میں بہت سے مشرکینِ مکہ کے بہادر یہ سوچ رہے تھے کہ ہم کس سے لڑ رہے ہیں ، اُس سے جو ہم میں سب سے زیادہ ہر لعزیز ہے ،

یہ ہیں وہ اشارے جو غیر مسلموں میں کام کرنے کے لئے رہنما اصول ہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے تربیت حاصل کر کے تمام صحابۂ کرام رضی نے وہ مقام حاصل کر لیا تھا کہ وہ جدھر نکل جاتے تھے لوگ ان کو دیکھ کر مسلمان ہو جاتے تھے حضور ص نے سب کو پارس بنا دیا تھا۔ جو اُن سے چھو گیا سونا ہو گیا ، اگر ہم زندگی کے ہر شعبے میں حضور ص کا اسوہ سامنے رکھیں تو اب بھی زمین زرخیز ہو سکتی ہے ، اور اگر خدا نخواستہ ہم نے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے اُسوہ کو بھلا دیا تو اللہ ہم کو بھلا دے گا اور اسلام کی نشاۃ ثانیہ کے لئے کوئی دوسری قوم کو اٹھائے گا ، یہ قرآن میں لکھا ہے ، قرآن اللہ کا کلام ہے۔

لا تبدیل لکلمات اللہ

اُمّتِ دعوت
اور
اُمّتِ اجابت

مولانا عبد الرؤف عالی
مدیر ندائے دار العلوم (وقف) دیوبند

اسلام کی دعوت عام اور پہلا خطاب پوری انسانیت کے لئے ہے جیسا کہ آیتِ کریمہ سے ظاہر ہے۔

یاایھا النّاس انّی رسول اللہ الیکم جمیعًا الذی لہٗ ملک السمٰوات والارض لا الٰہ الا ھو یحیی ویمیت۔

(اے محمد آپ کہہ دیجئے) اے لوگو! میں رسول ہوں اللہ کا تم سب کی طرف جسکی حکومت ہے آسمانوں اور زمین میں، کسی کی بندگی نہیں اسکے سوا، وہی جلاتا ہے اور مارتا ہے۔

یعنی رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بنی آدم کو توحیدِ خدا وندی کی طرف بلایا کہ اسلام کی پہلی اور بنیادی دعوت توحید ہی ہے پھر جو لوگ اسی دعوت کو قبول کر کے اسلام کی دہلیز پر قدم رکھتے ہیں ان کو اسی طرح مخاطب کیا گیا۔

یاایھا الذین آمنوا — اے ایمان والو

اُدْخُلُوا فِي السِّلْمِ كَافَّةً — داخل ہو جاؤ اسلام میں پورے۔

یعنی ایمان لانے کے بعد جب دائرۂ اسلام میں آگئے تو پورے پورے اسلام میں داخل ہو جاؤ اور اسلام کے جو شرائط اور تقاضے ہیں انھیں پورا کرو اس طرح گویا اسلام نے اپنے مخاطبین کو امت دعوت اور امت اجابت کے دو عنوانوں پر تقسیم کیا ہے، امت دعوت وہ گروہ ہے جو اسلام کے تمام بنیادی عقائد، توحید، رسالتِ محمدی کی صداقت پر یقین اور آخرت کے برپا ہونے کا اعتقاد رکھتا ہو اور اس کو اسی اعتقاد کی دعوت دی جائے جسے ایمان سے تعبیر کیا جاتا ہے پھر ایمان لانے کا جو منطقی نتیجہ اور طبعی تقاضہ ہے اسے اختیار کرنے والا گروہ وہ ہے جس کے اندر علم و یقین کا یہ تخم اعمال کی صورت میں ایک شجرِ ثمردار بن کر نمودار ہو اور وہ افراد جو اس عقیدہ و یقین کے حامل ہوں ایسی اجتماعیت پیدا کریں جو ان بنیادی نظریات و خیالات کی ترجمان ہو۔ ایسی سوسائٹی اور ایسی اجتماعیت کو اصطلاحی طور پر امت اجابت کہا جاتا ہے یعنی رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مخاطب اوّل پوری انسانیت اور ہر قوم کے لوگ اور ہر علاقے کے بسنے والے افراد ہیں لہذا اسلام کے مخاطبِ اول جو لوگ ہیں وہ امتِ دعوت کہلاتے ہیں کہ اسلام دینِ دعوت ہے اور اس کو قبول کرنے والے امتِ اجابت بن کر اس دین کے داعی بن جاتے ہیں۔

لیکن قرن اول کے بعد سے جس امر کی بتدریج کمی ہوتی گئی ہے وہ یہ ہے کہ امتِ اجابت نے اپنے داعی ہونے کی ذمہ داری کو اس طرح ادا نہیں کیا جس طرح اس کا حق تھا بلکہ امتِ دعوت کے سامنے اسلام کو اس کے حقائق کے ساتھ پیش کرنے میں اولاً عملی حیثیت سے غفلت پذیری کا ارتکاب کیا پھر آگے چل کر علمی طور دینِ دعوت کو صحیح سیاق سباق کی روشنی میں پیش کرنے کا کام خاص طور پر آخری ۴ / ۵ صدی سے بڑی حد تک ترک کر دیا، جس کے نتیجے میں دنیا کی وہ قومیں جو امتِ دعوت کی حیثیت سے اس بات کی مستحق بھی تھیں اور منتظر بھی کہ دینِ دعوت مسلسل ان کے سامنے پیش کیا جاتا رہے اور اس کے پیش کرنے والے اپنے قول اور طرزِ عمل کی مطابقت سے اس دین کی سربلندی، انسان دوستی، اخلاق پسندی اور مساوات و اخوت کا ثبوت دیتے رہیں۔ آہستہ آہستہ مسلمانوں کا انبوہِ کثیرہ دوسری قوموں کی طرح انہیں جیسا بنتا گیا۔ قومیت، ذات برادری اور ملکی و نسلی علائق ان کے اوپر حاوی ہو گئے اور انیسویں (۱۹) صدی سے لے کر بیسویں (۲۰) صدی کے نصف تک وہ یکسر وطنی، قومی، اور علاقائی خانوں میں بٹ کر اسلام کی وحدت و اخوت سے نہ صرف یہ کہ دور ہوتے چلے گئے بلکہ فاران کی جن چوٹیوں سے اسلام اپنی آخری اور مکمل تعلیمات کے ساتھ طلوع ہوا تھا وہاں کی سرزمین بھی قومیت کے نشہ میں چور ہو کر مغربی سامراجوں کی ریشہ دوانیوں کے

کا شکار ہو گئی اور قوم چھوٹی چھوٹی ریاستوں میں بٹ کر رہ گئی حتی کہ ۱۹۹۱ء میں وہ حادثہ ظہور پذیر ہوا کہ خود مسلمانوں نے اپنے ہاتھوں اپنے باہمی افتراق اور عالمی احوال کی پیچیدگیوں کے نتیجے میں اَخْرِجُوا الْيَهُوْدَ وَالنَّصَارٰى مِنْ جَزِيْرَةِ الْعَرَبِ کے صاف صریح اور واضح حکم کی خلاف ورزی کر کے تاریخ کے اس عمل کو الٹ دیا جس پر عہد فاروقی سے ۱۹۹۱ء تک مسلسل امت قائم و دائم تھی اور مغربی لشکر بعض مسلمان سربراہوں کی پالیسیوں اور لغزشوں کا بہانہ لے کر اور جزیرۃ العرب کے بزعم خود محافظ و مددگار بن کر قلبِ عرب میں اتر پڑا جس کے اثرات پوری دنیائے عرب پڑ رہے ہیں سارا عالمِ اسلام اقتصادی سیاسی معاشرتی اور ثقافتی و تمدنی سطح پر اس زہرناکی اور تلخ کامی کو چار و ناچار برداشت کر رہا ہے اور نگلنے پر مجبور ہو گیا ہے نگاہِ حقیقت شناس سے اگر پیچھے پلٹ کر ہم گذری ہوئی صدیوں کا جائزہ لیں تو اس کا اعتراف کئے بغیر چارہ نہ ہو گا کہ اپنے آغاز میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ عالی نے ہمیں امتِ دعوت کی حیثیت سے مخاطب کیا ۔ اور نگاہِ نبوت نے اپنی توجہ تام سے ہمیں امتِ اجابت کے بلند مقام پر لا کھڑا کیا ا۔ ور امتِ محمدیؐ میں شمول کی عزت بخشی پھر ہم محمد اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ترجمان اور پیغامبر بن کر ہر برِّ اعظم میں پھیل گئے، جہاں قیصر و کسریٰ کے تاج ہمارے پاؤں میں تھے روم و ایران کی مملکتیں ہمارے

زیرِ نگیں ہوگئیں، چین، خراسان، وسط ایشیاء سے لے کر جزائرِ ملایا، انڈونیشیا اور تھائی لینڈ تک ہم اسلام کی دعوت لے کر پہنچے اور اثر انداز ہوئے لیکن ان تمام تر نفوذ وظہور کے بعد کچھ عرصہ گذرنے پر اسلام کی اس فوجِ ظفر موج نے اپنی کمر کھول دی غلبہ واستیلاء کے نشہ نے ایسا مخمور کیا کہ پاؤں شل اور ہاتھ مضمحل ہوگئے دماغ بوجھل اور جذبات سرد ہوگئے اور دعوت کا صرف رسمی تصور باقی رہ گیا، مذہبی حلقوں کو گروہ بندیوں اور صف آرائیوں سے دلچسپی پیدا ہوگئی، جزئی اختلافات مرغوب مشغلہ قرار پائے۔ فقہی دائرے جو اصلاً سہولتِ عمل اور وسعتِ دین کی علامت تھے، شدت وزحمت کا موجب بن گئے، اس صورتِ حال نے دین کے اس منہاج کو بدل دیا جو دعوت وتبلیغ اور اصلاح وتذکیر کی بنیاد پر قائم تھا حالات کی ابتری یہاں تک پہنچی کہ دردمند طبقۂ اہل علم مدارس کی چہار دیواریوں میں پناہ گزیں ہوگیا تاکہ کم از کم مذہبی افکار ونظریات اور عقائد وعلوم کا جو اثاثہ ان کے پاس ہے وہ ان پناہ گاہوں میں محفوظ رہ سکے اور وہ اسے اپنے تلامذہ ومستفیضین کو مستقبل کے لئے منتقل کر سکیں ادھر اربابِ صلاح اور اصحابِ سلوک وتصوف زاویوں اور خانقاہوں میں گوشہ نشین ہوکر بگڑتے ہوتے معاشرے کو فسق وفجور کی بادِ سموم سے بچانے کی سعی میں لگ گئے اس طرح اپنے بال وپر سمیٹ کر انہوں نے ملت کے بقاء ووجود اور سرمایۂ ایمان واخلاق کے تحفظ کی

خدمت انجام دی اُدھر اربابِ تخت وتاج اور اہلِ سیاست واقتدار کو لشکر کشائی اور معرکہ آرائی نے سوچنے کا موقع نہ دیا کہ جس دین سے ان کی وابستگی ہے وہ اپنے بقاء وفروغ کے لئے ان کی پشت پناہی اور التفات کے بغیر دن بدن مضمحل اور محدود ہوتا جائے گا۔

یہ صورتِ حال پورے عالمِ اسلام پر صدیوں سے طاری ہے۔ تاہم متفرق اور مجموعی کوششوں کا یہ اثر ضرور ہوا کہ اہلِ علم واہلِ دل جہاں جہاں بھی جم کر بیٹھ گئے تھے وہ دینی عقائد واحکام نسل درنسل منتقل کرتے اور روحِ تقوی وتزکیہ قلوب میں برابر پھونکتے رہے۔ اس لئے کم از کم عمومی دعوت کا تسلسل رک جانے کے باوجود اصل دین میں کوئی کتر بیونت نہیں ہوئی لہذا قرآنِ کریم اِنَّا لَہٗ لَحَافِظُوْنَ کے وعدۂ خداوندی کی شکل میں بلفظہٖ اور بجلنسہٖ سینوں اور سفینوں میں محفوظ رہا اور سنتِ نبوی کے مہتم بالشان مجموعے امکانی انسانی کوششوں کی بدولت ملت کے پاس پوری تاریخی دیانت وامانت کے ساتھ موجود رہے۔

بہر حال اس تنزّل وانحطاط کے باوجود ملت کی کوکھ بانجھ نہیں ہوتی اور وقفے وقفے سے صاحبِ نظر اور حقائق آگاہ شخصیتیں پیدا ہوتی رہیں جن کی نگاہ اس پر رہی کہ ملت کا اپنے خول میں سمٹنے کا عمل اگر جاری رہا تو اسکا مستقبل نہ صرف مخدوش ہے بلکہ اس سے بھی آگے بڑھ کر یہ بھی اندیشہ ہے کہ اسکا مستقبل سرے سے معدوم نہ

ہو جائے کہ کسی نظریاتی گروہ کا بقاء و وجود اس نظریہ کی اشاعت و ترجمانی پر موقوف ہے جب کہ دعوت و تبلیغ ہی کسی نظریہ کے بقاء کی ضمانت ہے۔ دفاع کسی گروہ کی وقتی ضرورت اور ہنگامی پالیسی تو بن سکتی ہے مگر جو جماعت اسی پالیسی پر مستقلاً گامزن ہو جاتے انجام کار اس کو اپنا آخری دفاعی مورچہ بھی چھوڑ دینا پڑتا ہے جس کا مطلب اپنے وجود سے دست برداری کے سوا اور کیا ہے۔

چنانچہ جب مصر کے مشہور اہلِ قلم اور فاضل علامہ رشید رضا بیسویں صدی کے تیسرے عشرے میں ہندوستان آئے اور انہوں نے دارالعلوم کا شہرہ سن کر دیوبند کا پروگرام بنایا تو یہاں علامہ انور شاہؒ اور دوسرے ممتاز اکابرِ دیوبند سے ملاقات کا گہرا تاثر لیا اور اپنی فاضلانہ تقریر میں دیوبند کی علمی و عملی خدمات کا اعتراف کرتے ہوتے خاص طور پر اس مجمع میں علماء کو پوری اہمیت کے ساتھ اس امر کی طرف توجہ دلائی کہ:

اس برِّصغیر کی عظیم اکثریت کے سامنے یہاں کے علماء نے اسلام کو بحیثیتِ دین پیش کرنے کی پچھلے ایک ہزار سالہ دور میں کماحقہٗ کوشش نہیں کی اس کا نتیجہ ہے کہ ہزار سالہ اقتدار کے باوجود آج ہندوستانی مسلمان غیر مسلموں کے سمندر میں ایک جزیرہ اور ٹاپو کی حیثیت رکھتے ہیں اس وقت بھی اگر انہوں نے دعوت و تبلیغ اور اشاعت اسلام کے طریقے کو پوری اہمیت اور قوت کے ساتھ انجام نہ دیا تو

یہاں کی مسلم اقلیت کا مستقبل سخت خطرہ میں ہے علماء کی خاص طور پر یہ ذمہ داری ہے اور وقت کا تقاضہ ہے ،،

علامہ رشید رضا کی یہ تقریر آزادی سے تقریبًا ۲۵ رسال قبل کی ہے شاید اس وقت کے سیاسی شور وشغب میں ان کی یہ صدا دب کر رہ گئی یا کچھ حضرات نے اس کی اہمیت محسوس بھی کی تو وقت نے اتنی مہلت نہ دی ، پانی سر سے گذر چکا تھا قدرت نے جو موقع اور وقت اس ملت کو عطا کیا تھا وہ اس نے اور اس کے مقتدر سیاسی حکمرانوں اور با اثر راہ نماؤں نے تخت وتاج کے جھگڑوں اور باہمی مذہبی منافقتوں میں گنوادیا تھا البتہ کچھ ایسے حلقے اور شخصیتیں برابر ضرور موجود رہیں جنہوں نے اپنے علم وفضل اور فکر ونظر کے تحت دین وملت کے ان تقاضوں کو محسوس کیا اور اپنی بساط بھر اپنے جہد وعمل سے اس کا ثبوت بھی دیا مگر بات وہی تھی کہ علامہ رشید رضا کے بقول کما حقہ کمیت اور کیفیت کے ہر اعتبار سے اس ضرورت کی تکمیل نہ کی جاسکی، روحانی اعتبار سے سلوک وتصوف کے بڑے بڑے مرکز ملک میں قائم ہوئے جن کی برصغیر میں آج بھی شہرت ہے ان کے اخلاق وفضائل نے بالواسطہ قلوب کو اسلام کے نور سے فیضیاب بھی کیا لیکن براہِ راست دعوت وتبلیغ کو موضوع بنا کر بڑے پیمانہ پر اس طرف کوئی توجہ مبذول نہ ہوسکی پھر جو لوگ اصحابِ رشد و ہدایت کی بدولت دولتِ ایمان سے بہرہ مند بھی ہوئے تو قبولِ

دعوت کے بعد کے اگلے مرحلے یعنی تعلیم و تربیت سے یہ نو وارد دینِ اسلام محروم رہے جس کا ثبوت میوات، راجستھان اور مدھیہ پردیش یوپی بہار وغیرہ کے وہ علاقے ہیں جہاں آزادی سے قبل ارتداد اور شدھی تحریکیں چلیں اور اب آزادی کے بعد تو یہ کام بڑے منظم طور پر اور مسلسل ایسے علاقوں میں ہو رہا ہے چنانچہ آج کے دور میں مرحوم مصری فاضل کی وہ تنبیہ مجسم ہو کر نگاہوں کے سامنے آ رہی ہے جب کہ آج قومی اور سیاسی حقوق کی طرف سب کی نگاہیں مرکوز ہیں۔ بلاشبہ حقائق سے آنکھیں بند نہیں کی جا سکتیں اور اس جمہوری اور عوامی دور کے کچھ اہم اور بنیادی تقاضے ہیں تب بھی سوچنے کی بات یہ ہے کہ ملت کے حقوق کا مسئلہ سیاسی راہ نماؤں کے سامنے اسی وقت تک ہے جب تک یہ ملّت بحیثیتِ ملت برقرار ہے۔ اگر حالات کے دباؤ اور تیز و تند ہواؤں نے ان عناصر ہی کو کمزور اور بے جان کر دیا جن پر اس ملّت کی تعمیر قائم ہے تو پھر آنے والے کل میں یہ ملت، ملّتِ اسلام کی حیثیت سے اپنی شناخت باقی رکھ سکے گی۔ اس کی کیا ضمانت ہے؟ اور پھر ان حقوق و مفادات کی ضرورت ہی کیا باقی رہ جائے گی؟ بلاشبہ جو افراد سیاسی، سماجی اور ملکی تقاضوں کی اہمیت کے پیشِ نظر ملت کی یہ خدمت اسی لائن سے کرنا چاہتے ہیں انہیں اس کا موقع دیا جانا چاہیئے۔ لیکن روزِ اول سے امت جس امر کی مخاطب اور بحیثیتِ ملت ذمہ دار ہے۔

وہ دعوت الی الخیر ہے۔ وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ أُمَّةٌ يَدْعُونَ إِلَى الْخَيْرِ وَيَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ غرض جیسا کہ ابتداءً ذکر کیا گیا یہ اصطلاحی طور پر امتِ اجابت ہے۔ آج یہاں پر امّتِ اجابت پر دو لائن سے محنت ہو رہی ہے یہ دونوں لائنیں ایسی ہیں کہ ایک لائن کا دوسری لائن سے رابطہ رہنا ضروری ہے ایک لائن تعلیم وتدریس کی ہے اور دوسری لائن تبلیغ وتذکیر کی ہے، ہمارے تعلیمی سلسلے مکاتب سے لے کر چھوٹے بڑے مدارس اور اعلیٰ تعلیم کی مرکزی درسگاہوں کی شکل میں مسلمانانِ ہند کا نہایت قیمتی سرمایہ ہیں جہاں سے دینی علوم کی نشر واشاعت کا سلسلہ جاری وساری ہے اور جہاں عالم، مفتی، واعظ، مبلّغ اور مدرّس تیار ہوتے ہیں اور حقیقت یہ ہے کہ یہ مدرسے اس ملت کی نرسریاں ہے جہاں دین کی پود تیار ہوتی ہے، دوسری لائن عوامی محنت کی یعنی گشت اور تذکیر واصلاح کی تحریک ہے جو دین کی بنیادی باتوں کو ان لوگوں تک پہنچا رہی ہے جو مدارس تک نہیں پہنچ پاتے یا جن کے مشاغل اور ماحول انھیں علماء مدارس اور خانقاہوں سے مستفیض ہونے میں مانع بنتے ہیں جب کہ یہ حقیقت ہے کہ یہ دوسری لائن بھی اسی مدارس والی لائن سے نکلی ہے کہ حقیقتاً یہ ہی مدارس، علم دین کا پاور ہاوس ہیں اور تبلیغ انہی مدارس کا پھل ہے تبلیغ میں جن چھ باتوں کی تلقین کی

جاتی ہے اور جن پر زور دیا جاتا ہے وہ دینی مدارس ہی کی تعلیم کا ماحصل ہے۔ مگر بحیثیتِ ملت کوئی حلقہ اور مرکزی جگہ ایسی نہیں جو امتِ دعوت کو خطاب کرنے اور اسے دین کا پیغام پہنچانے کے لئے مخصوص ہو۔ ایسا نہیں کہ اس کی ضرورت اور اہمیت کو محسوس نہ کیا جاتا ہو مگر اس کام کی عظمت واہمیت کے مطابق کسی طرف سے کوئی اقدام و تحریک ہنوز توجہ طلب ہے۔ اگرچہ اب بھی الحاد وثنویت اور فسق و مجور کی آغوش سے بہت سی سعادت مند روحیں برابر نکل کر شجرِ ایمان کی چھاؤں میں پناہ لیتی دکھائی دیتی ہیں اور کچھ حلقے احتیاط کے ساتھ ان کی دینی پیاس بجھانے اور انہیں سہارا دینے کی سعی بھی کرتے ہیں مگر جس رفتار سے یہ کام ہو رہا ہے اس لحاظ سے کسی طرح تشفی بخش نہیں ہے اس لئے اگر یہ کہا جائے تو بجا ہے کہ دعوت و تبلیغ کا وہ موضوع جس کا تعلق امتِ دعوت سے ہے ابھی تک اس انداز میں اُبھر نہیں سکا جس کا وہ مستحق ہے اور سید رشید رضا کی رائے کے مطابق اس کی جتنی ضرورت آزادی سے قبل تھی آج اس سے کئی گنا زائد ہے گذشتہ دَور میں اس کام کو کرنے کے جو مواقع اور منافع تھے ان کو بر وقت انجام نہ دینے کی قیمت آج ہمیں چکانی پڑے گی۔ آج ماضی کی اس کوتاہی اور غفلت کے تدارک کے لئے کئی گنا زیادہ محنت و ہمت بھی مطلوب ہے اور مشکلات و پیچیدگیاں بھی بہت ہیں اسی گذری ہوئی مہلت سے

کام نہ لینے اور اب تک کی بے توجہی اور غفلت کی بدولت یہ مسئلہ ہندوستانی مسلمانوں کے حوصلے و جذبات اور ان کے ایمان کی زبردست آزمائش ہے۔

اسی ذیل میں آخری نکتہ جو اربابِ فکر و بصیرت پر مخفی بھی نہیں اور اہل علم و فضل کی اس پر نظر بھی ہوگی۔ وہ خاص طور پر غور طلب ہے کہ اللہ کا دین اپنے وجود و بقا میں کسی قوم یا گروہ کا محتاج نہیں، جن کے مقدر میں اللہ نے سعادتِ اسلام لکھدی وہ ان کو نصیب ہو کر رہے گی۔ جس کی تائید میں حضرت شاہ ولی اللہ نے اپنی فراست ایمانی اور بصیرت معانی کے تحت اس طرح اشارہ کیا تھا۔

شاہ صاحب کے اپنے مخصوص اندازِ گفتگو کے مطابق اس کا مفہوم یہ تھا

ملاءِ اعلیٰ کا منشاء یہ معلوم ہوتا ہے کہ اگر آگے چل کر کسی وقت قوت و شوکت اور اقتدار و حکومت یہاں کی قدیم اکثریت کے ہاتھ میں آگئی تو کچھ بعید نہیں ہے کہ توفیقِ الٰہی اِن باشندگانِ ہند کو ہدایت عطا فرمادے اور یہ راہِ حق پر آجائیں۔ لیکن اس پیشین گوئی یا اشارۂ غیبی کے مطابق دیکھنا یہ ہے کہ ان کا یہ قبولِ حق خود ان کی محض استعدادِ قبولیتِ حق کا نتیجہ ہوگا یا اسی میں کچھ دخل اِس امتِ اجابت کی سعی و کوشش کا بھی رہے گا جو ہزار برس سے ان بندگان خدا کے پہلو بہ پہلو رہ رہی ہے مگر اس طویل مدت میں وہ اس حق کی حقانیت

کو اپنے قول و عمل سے اپنے ہمسایوں پر یہ واضح نہ کرسکی جس حق نے ان کو چودہ سو برس پہلے امتِ دعوت سے امتِ اجابت میں داخل ہونے کی سعادت بخشی تھی یا خدا نا خواستہ ان ہمسایوں کی یہ تبدیلیٔ فکر و عقیدہ اس آیت کا مصداق نہ بن جائے ۔

وَاِنْ تَتَوَلَّوْا یَسْتَبْدِلْ قَوْمًا غَیْرَکُمْ ثُمَّ لَا یَکُوْنُوْٓا اَمْثَالَکُمْ

اور اگر تم پھر جاؤ گے تو وہ بدل لے گا اور لوگ تمھارے سوا ۔ پھر وہ نہ ہوں گے تمہاری طرح کے۔

(پارہ ۲۶ / محمد: ۳۸)

اس آیتِ قرآنی کی روشنی میں اپنا جائزہ لینے کی ضرورت ہے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ دعوتِ دین کے فرض کی ادائیگی میں کوتاہ ثابت ہونے اور اسی راہ میں پچھلی ہزار سالہ غفلتوں کے نتیجے میں ہم دنیا میں بھی گرفتارِ بلا ہوں اور آخرت میں بھی رسوائی اپنا مقدّر بنے ۔

بہت ممکن ہے (اور خدا کرے نہ ہو) کہ ہماری پچھلی ہزار سالہ غفلتوں اور فرض ناشناسی کے باعث قرآن کریم کی آیت عملی جامہ پہنکر ہم پر منطبق ہوجاتے کہ یہ آج کے معاندین و منکرینِ حق اور اس قوم کے افراد جسکی مسجد شکنی کا ماتم یہ ملت ہندیہ اپنے بے بصیرت لیڈروں کی رہنمائی میں گزشتہ ۶ دسمبر ۹۲ء سے مسلسل کر رہی ہے خود حق کا پرچم تھام لیں اور ہم جو بزعم خود مدعیِ حق اور "مسجد" کے پاسبان بنتے کے دعویدار بنے کھڑے نظر آتے ہیں کل روزِ آخرت فرض ناشناسی اور حق کی عدم ادائیگی کے جرم میں جوابدہی کیلئے مجرموں کی صف میں کھڑے دکھائی دیں ۔ اعاذنا اللّٰہ من ذلک و وفقنا اللّٰہ لما یحبّ و یرضیٰ

★ ★

دعوت وتبلیغ

پوری امت کی ذمہ داری

مولانا محمد سلیمان شمسی
شیخ الحدیث جامعہ اشاعت العلوم اکل کوا نندوربار

تبلیغ ودعوت کی اہمیت وضرورت کے لئے یہ بات کافی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس عظیم کام کے لئے اپنے مخصوص بندوں یعنی انبیاء ورسل کو مبعوث فرمایا۔ اللہ کے ان برگزیدہ بندوں نے اپنی پوری زندگی تبلیغ ودعوت ہی میں مشغول رکھی، اس دشوار گذار گھاٹی کو طے کرنے میں انبیاء کرام نے ہمہ اقسام کے مصائب وشدائد اور ظلم وستم کا خندہ پیشانی کے ساتھ مقابلہ کیا مگر اپنے فرضِ منصبی کی انجام دہی میں ادنیٰ سستی وکوتاہی کو راہ نہ دی جب کبھی اور جہاں کہیں کسی نبی کے گذر جانے کے بعد دعوت وتبلیغ موقوف ہوئی اور برائیوں نے جنم لینا شروع کیا تو قدرت کی طرف سے دوسرا نبی مبعوث ہوا تا کہ دعوت کے ذریعہ برائیوں کو مٹائے۔ انبیائے سابقین میں آخری رسول حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے آسمان پر اٹھالئے جانے کے بعد چھ صدیوں تک تبلیغ ودعوت کا کام بند رہا جس کا بھیانک نتیجہ تاریخ کے صفحات میں محفوظ ہے یعنی دعوت کی محنت اور تبلیغ کی کاوش نہ ہونے کی بنا پر پوری انسانیت دم توڑ چکی تھی۔ صرف گوشت پوست کا ڈھانچہ قائم تھا جس

میں نہ روح تھی نہ دھڑکتا ہوا دل، نہ اخلاق و کردار کا کوئی نشان تھا نہ دینی اور انسانی جذبہ۔ نہ تہذیب و تمدن نام کی کوئی شئے تھی نہ شرافت و کرامت کی بو۔ نہ شرم وحیا تھی نہ رحمت ورافت غرض کہ انسان انسانیت کے ہر وصف سے خالی ہو چکا تھا، خونخوار درندوں، بے رحم بھیڑیوں سے بھی آگے نکل چکا تھا۔ جاہلانہ رسم ورواج، بدعات وخرافات کے شکنجے میں پورے طور سے جکڑا ہوا تھا۔ حق وصداقت، عدل وانصاف کا چراغ بجھ کر ٹھنڈا ہو چکا تھا۔ انسانی بدعنوانیوں اور گناہوں کی نحوست نے ساری مخلوق کو اپنی لپیٹ میں کھینچ لیا تھا۔ بالآخر اللہ تعالیٰ کی رحمت کو جوش آیا۔ اور خاتم الانبیاء محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وسلم کو دعوت و تبلیغ کے لئے مبعوث فرمایا۔ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت انبیائے سابقین کی بعثت سے جداگانہ تھی یعنی آپ علیہ السلام کی بعثت تنہا آپ کی بعثت نہیں تھی بلکہ ساتھ میں ایک امت کی بعثت بھی تھی۔ جس کا تعارف خود اللہ تعالیٰ نے بایں الفاظ فرمایا ہے۔

كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُونَ بِاللّٰهِ (یعنی اے امت محمدیہ! تم ایک بہترین امت ہو پوری دنیائے انسانیت کے مفاد کے لئے مبعوث کئے گئے ہو تم بھلائی کا حکم دیتے ہو اور برائی سے روکتے ہو اور اللہ پر یقین رکھتے ہو، اس حیثیت سے محمد عربی صلے اللہ علیہ وسلم کی بعثت دوہری بعثت تھی آپ کی بعثت کے ساتھ ایک امت کی بعثت مربوط تھی جس کو وہ ذمہ داری سونپی گئی جس سے بلند و برتر صرف نبوت ہی کی ذمہ داری ہو سکتی ہے۔ چونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آخری نبی تھے آپ کے بعد کوئی نبی آنیوالا نہ تھا، اگر داعیوں مبلغوں کی امت وجماعت قائم نہ کی جاتی تو آپ کی وفات کے بعد تبلیغ و دعوت کا کام بند ہو جاتا اور دنیا برائیوں سے بھر جاتی، پھر گمراہیوں سے انسان کا نکلنا ممکن نہ ہوتا۔ اسلئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

نے ایسی امت تیار کی جو آپ کی بعثت کا مقصد پورا کرتی رہے اور تبلیغ ودعوت کا کام زندہ رکھے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو مبعوث امت ہونیکا پورا پورا احساس تھا اور انہوں نے اپنے اِس احساس کا حق ادا کیا انہوں نے تبلیغ ودعوت کا فرض پورا کرنے کی خاطر مدینۃ النبی کو چھوڑا اور ساری دنیا میں اسلام کا پیغام عام کیا اسلامی اخلاق وکردار سے سارے عالم کو متاثر کیا۔

صحابۂ کرام کی پاکباز جماعت کے بعد ان کے صحیح جانشین تابعین پھر تبعِ تابعین نے حق بعثت کو ادا کیا، اور دنیا کو رشد وہدایت، امن وسکون کا گہوارہ بنادیا۔

دعوت کا سلسلہ چلتا رہا، انسانیت کو زندگی ملتی رہی، نیکیاں پھیلتی رہیں اور برائیاں سکڑتی رہیں انسان حقیقی معنیٰ میں انسان بن گیا، مٹی کا پتلا نوری فرشتوں سے بڑھ گیا، انسانی تاریخ کا یہ انقلابِ عظیم اسی مبعوث امت کا رہینِ منّت ہے۔

مگر جب اس امت نے اپنا اُمتی پَنا کھودیا اپنے رؤف ورحیم نبی کی راہ چھوڑ دی اپنے اسلاف کا دعوتی جذبہ اپنے سینوں سے نکال پھینکا تو دنیا کے ساتھ ساتھ خود بھی برائیوں کے جنگل میں گم ہوگئی، اپنے سارے اوصاف وامتیازات سے محروم کردی گئی، آج دنیا کا سارا بگاڑ صرف اس وجہ سے ہے کہ یہ امت اپنے مبعوث ہونے کی حیثیت کو بھول بیٹھی، اور اپنے فرائضِ تبلیغ سے یکسر غافل ہوچکی ہے۔ اس نے اپنے آپ کو دنیا کی دیگر جماعتوں کی صف میں لاکھڑا کیا، نتیجہ میں دین ودنیا دونوں سے ہاتھ دھو بیٹھی، ہر امت کا ایک خاص مزاج ہوتا ہے اور ترقی کی مخصوص راہ ہوتی ہے دنیاوی اقوام کی ترقی اور کامیابی دنیا کی راہ اختیار کرنے میں ہے۔ لیکن مبعوث امت کی ترقی اور فلاح وبہبود آخرت کی راہ پر گامزن ہونے میں ہی مضمر ہے۔

تاریخ گواہ ہے کہ یہ امتِ مبعوث جب تک بعثت کی راہ پر چلتی رہی اُس وقت تک ترقی کی تمام شاہراہیں اس کے لئے کھلی تھیں نہ پہاڑ رکاوٹ بنے، نہ سمندر، نہ

کوئی دنیاوی تہذیب و تمدن، بلکہ سب کو روندتے ہوئے آگے بڑھتی رہی، بلندیاں اس کے قدم چومتی رہیں، لیکن جوں ہی اس نے اپنا امت پنا چھوڑا اور تبلیغ و دعوت یا امر بالمعروف نہی عن المنکر کا فرضِ منصبی ترک کیا اُسی دم بامِ عروج سے لڑھکنے لگی حتیٰ کہ آج حضیضِ پستی میں پہونچ گئی، بڑا المیہ یہ ہے کہ وہ تاریخ کا یہ روشن باب دیکھنے کو اور اپنی صحیح راہ اختیار کرنے کو اب بھی تیار نہیں ہے، اور دنیاوی اقوام کی نقالی ہی میں کامیابی ڈھونڈ رہی ہے، حالانکہ اس امت کی دینی و دنیاوی کامیابی صرف اس میں ہے کہ اپنے اندر امتّت پنا پیدا کرے۔ تبلیغ و دعوت کا وہی جذبہ اپنے سینوں میں موجزن کرے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ۲۳ رسال ہمہ وقت مصائب و شدائد جھیل کر پیدا کیا تھا، آج ہر طرف سے تقریر و تحریر کے ذریعہ یہ سوال اٹھایا جاتا ہے کہ ہندوستان کے موجودہ حالات میں مسلمان کیا کریں یہ سوال بخیر مہمل اور لایعنی ہے کہ کسان کو کیا کرنا چاہئے، ڈاکٹر کو کیا کرنا چاہیئے کیونکہ ہر شخص جانتا ہے، کہ کسان کو کھیتی، ڈاکٹر کو علاج معالجہ کرنا چاہیئے۔ تعجب ہے کہ لوگوں کی سمجھ میں بات کیوں نہیں آتی کہ مسلمان کو اسلامی کام کرنا چاہیئے، امتِ مبعوث کو امتِ مبعوث بننا چاہیئے اور تبلیغ و دعوت کی ذمہ داری پوری کرنی چاہیئے۔ اس وقت دنیا کی قومیں خود اپنی غلط راہوں میں حیران و پریشان ہیں، کوئی راہبر نہیں جو انہیں صحیح راہ پر لگائے۔ امتِ محمدیہ آج بھی قیادت و رہنمائی کی صلاحیت رکھتی ہے، اس کے پاس قرآن کا نسخۂ کیمیا ہے۔ سنّت کا سکون بخش مرہم ہے، اسلام کا روحانی اور فطری پیغام ہے، ضرورت صرف یہ ہے کہ یہ امت اپنی اصل حیثیت پہچان لے اور اس میں نمایاں ہو جائے۔

دعوتِ اِلی اللہ کا کام

کون اور کس طرح کرے؟

• مولانا فریدالدین القاسمی اُستاذ دارالعلوم (وقف) دیوبند

قال اللہ عزوجل ولتکن منکم امۃ یدعون إلی الخیر ویأمرون بالمعروف وینھون عن المنکر ہ

آیتِ کریمہ سے یہ مفہوم مترشح ہوتا ہے کہ امتِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے منجملہ خواص کے ایک خاصہ ایک دوسرے کو دعوت حق دینا ہے مذکورہ بالا آیت شریفہ سے ماقبل اعتصام بحبل اللہ کا حکم دیا گیا ہے جو اتحاد و اتفاق کیلئے موجب حقیقی ہے اعتصام بحبل اللہ، اتحاد و اتفاق، قومی زندگی، اسلامی مؤاخات یہ سب چیزیں اس وقت باقی رہ سکتی ہیں جب کہ مسلمانوں میں ایک خاص جماعت دعوت وارشاد کیلئے قائم رہے اس کا وظیفہ صرف یہ ہو کہ اپنے قول وعمل سے دنیا کو کتاب وسنت کیطرف بلائے اور جب لوگوں کو اچھے کاموں میں سستت

اور برُے کاموں میں مبتلا دیکھے اس وقت خیر کیطرف متوجہ کرنے اور برائی سے روکنے میں حسبِ استطاعت کوتاہی نہ کرے اس سے یہ امر بھی واضح ہوجاتا ہے یہ کام وہی حضرات انجام دے سکتے ہیں جو معروف اور منکر کا علم رکھتے ہیں کتاب و سنت سے باخبر ہونے کیساتھ ذی ہوش اور موقع شناس ہوں ورنہ ممکن ہے کہ ایک جاہل آدمی معروف کو منکر اور منکر کو معروف خیال کرکے بجائے اصلاح کے سارا نظام ہی مختل کردے ۔

چنانچہ حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیبؒ صاحب علیہ الرحمہ اپنی تصنیف ,, اصولِ دعوت اسلام ،، میں رقمطراز ہیں تبلیغی شئی صرف علم الٰہی ہے جسے علم شرعی کہا جاتا ہے اور یہ اس لئے واضح ہوگیا کہ دعوتی پروگرام کی سب سے بڑی خصوصیت یہ ہونی چاہیئے کہ وہ خدا کی طرف سے ہو مخلوقاتی دائرہ کی چیز نہ ہو کہ مخلوق کی طرف سے۔ جو علم وفن یہی ہوگا وہ محض طبعیاتی یا عقلیاتی ہوگا جس کے لئے انسان تبلیغ کا محتاج نہیں اور ظاہر بات ہے کہ جو چیز منجانب اللہ منتقل ہوتی ہے وہ علم و ہدایت ہی ہے اسلیئے دعوتی پروگرام کے سلسلے میں داعی اور مبلغ کا مقاصد تبلیغ کے حق میں عالم اور باخبر ہونا ضروری ٹھہرتا ہے محض لسانی اور بولنا کافی نہیں ۔

جاہلِ محض اور شرعی ذوق سے بے بہرہ، حقیقی داعی یا منصبِ دعوت کا اہل نہیں ہوسکتا اور اگر خواہ مخواہ بن بیٹھا تو قوم کیلئے سببِ ضلالت اور خطرۂ ایمان بنے گا جیسے نیم حکیم خطرۂ جان ہوتا ہے جیسا کہ آج مشاہدہ ہورہا ہے کہ بہت سے لسان مگر جاہل واعظ تبلیغی اسٹیجوں پر اچھلتے کودتے نظر آرہے

ہیں جو اپنے ذہنی تخیلات برنگِ شریعت پیش کر کے مخلوق خدا کو گمراہ کر رہے ہیں اسی طرح امورِ شریعت سے ناواقف شخص ایک منکر کی اصلاح کا ایسا طریقہ اختیار کرے جو اس سے بھی زیادہ منکرات کے پیدا ہونے کا سبب بن جائے یا نرمی کی جگہ سختی اور سختی کے موقع پر نرمی برتنے لگے۔ اور شاید اسی لئے مسلمانوں میں سے ایک مخصوص جماعت کو اس منصبِ جلیل پر مامور کیا گیا جو ہر طرح دعوت الی الخیر امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی اہل ہو حدیث میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جب لوگ منکرات میں مبتلا ہو جائیں اور کوئی روکنے والا نہ ہو تو عام عذاب آنے کا اندیشہ ہے۔

دعوت کس طرح دیجائیگی:۔ جس طریقہ سے بھی انسان متاثر ہو سکتا ہے اسی طرز سے دعوت الی اللہ پیش کی جائے گی چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

اُدْعُ اِلٰى سَبِيْلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ ؕ

آپ اپنے رب کی راہ کیطرف علم کی باتوں اور اچھی نصیحتوں کے ذریعے سے بلایئے اور ان کے ساتھ اچھے طریقے سے بحث کیجئے ، اس آیت میں اولاً سید الداعین رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اور ثانیاً امت کے عام منصب یافتگانِ دعوت و تبلیغ کو دعوت الی اللہ کا حکم دیا گیا اور صرف دعوت کے امر پر اکتفا نہیں کیا گیا۔ بلکہ پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کو تعلیم دیجا رہی ہے کہ مخلوق خدا کو راستہ پر کس طرح لانا چاہیئے؟

آیت کریمہ سے جو طرق مستفاد ہوتے ہیں وہ تین ہیں حکمت، موعظت حسنہ جدال بالتی ہی احسن، حکمت، سے مراد نہایت پختہ اور اٹل مضامین مضبوط دلائل و براہین کی روشنی میں حکیمانہ انداز سے پیش کئے جائیں جنکو سنکر فہم وادراک اور علمی ذوق رکھنے والا طبقہ گردن جھکا سکے، دنیا کے خیالی فلسفے ان کے آگے ماند پڑجائیں اور کسی قسم کے علمی و دماغی ترقیات وحی الہی کے بیان کردہ حقائق کا ایک شوشہ تبدیل نہ کرسکیں،

"موعظت حسنہ"، مؤثر اور رقت انگیز نصیحتوں سے عبارت ہے جن میں نرم خوئی اور دلسوزی کی روح بھری ہو۔ اخلاص و ہمدردی اور شفقت ورأفت حسن اخلاق سے خوبصورت اور معتدل پیرایہ میں جو نصیحت کیجاتی ہے بسا اوقات پتھر کے دل بھی موم ہوجاتے ہیں، مُردوں میں جانیں پڑجاتی ہیں ایک مایوس پژمردہ قوم جھرجھری لے کر کھڑی ہو جاتی ہے، لوگ ترغیب و ترہیب کے مضامین سن کر منزل مقصود کی طرف بے تابانہ دوڑنے لگتے ہیں، اور بالخصوص جو زیادہ عالی دماغ اور ذکی و فہیم نہیں ہوتے مگر طلب حق کی چنگاری سینے میں رکھتے ہیں ان میں مؤثر وعظ و پند سے عمل کی ایسی اسٹیم بھری جاسکتی ہے جو بڑی اونچی عالمانہ تحقیقات کے ذریعہ ممکن نہیں۔

دنیا میں ہمیشہ ایک ایسی جماعت بھی رہی ہے جنکا کام ہر چیز میں الجھنا بات بات میں حجتیں نکالنا اور کج بحثی کرنا ہے یہ لوگ نہ حکمت کی باتیں قبول کرتے ہیں نہ وعظ و نصیحت سے ان کے قلوب متاثر ہوتے ہیں بلکہ چاہتے ہیں ہر مسئلہ میں بحث و مناظرہ کا بازار گرم ہو بعض اوقات اہل فہم و انصاف

وطالبینِ حق کو بھی شبہات گھیر لیتے ہیں اور بغیر بحث کے تسلی نہیں ہوتی اسلیے علیم وخبیر کی ذات نے فرمادیا۔ وجادلھم بالتی ھی احسن۔" اور ایسا موقع پیش آئے تو بہترین طریقہ سے تہذیب، شائستگی حق شناسی اور انصاف کے ساتھ اِحقاقِ حق کی خاطر بحث کرو۔ اپنے حریفِ مقابل کو الزام دو تو بہترین اسلوب سے دو۔ خواہی نخواہی دل آزار اور جگر خراش باتیں مت کرو۔ مقصود صرف اِحقاقِ حق اور اِبطالِ باطل ہونا چاہیئے خشونت، بد اخلاق، سخن پروری اور ہٹ دھرمی سے کچھ نتیجہ برآمد نہیں ہوتا۔

خلاصہ یہ کہ کہیں حکمت سے دعوت دیجاتی ہے اور کہیں احسان وسلوک کے ذریعہ دعوت پیش کیجاتی ہے۔ انسان جب طرزِ داعی سے متاثر ہوگا تو خود دعوت قبول کریگا صحابہ نے کتابیں پڑھا کر دعوت نہیں دی کتاب پڑھانے کا ایک الگ مخصوص طبقہ تھا اور مخصوص طبقہ کیلئے تھا اور دعوت الی اللہ میں کتاب کام نہیں آتی وہاں تو حکمت کام میں آتی ہے چنانچہ تاریخ شاہد ہے کہ بعض حضرات نے طِب کے راستے سے دعوت دی کہ معالجات کرتے ہوئے گذرتے رہے دعوت دیتے رہے یہ امر واضح ہے کہ مریض طبیب سے متاثر ہوتا ہے اور ان کو محسن گردانتا ہے اس تاثر کو اطباء نے دین کی باتیں سکھلانے میں استعمال کیا ہے اس طِب کے ذریعہ سے ہی لاکھوں افراد دائرہ اسلام میں داخل ہوئے بعض حضرات نے براہِ تجارت دعوت الی اللہ دی ہے یعنی تجارت کرتے اور لوگوں کیساتھ وہ معاملات اختیار کرتے جو اسلام نے سکھائے ہیں یہ امر مسلّم ہے کہ انسان حسن معاملہ سے بہت متاثر ہوتا ہے اسی لئے مسلم تجارِ کرام نے اسی پیشے کے ذریعہ لاکھوں کو اسلام میں داخل کیا ہے، تاریخ یہ بھی بتاتی ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین دعوت الی اللہ کی خاطر پوری دنیا میں پھیل گئے۔"

★ ★ ★

ہم پر شکر کیوں واجب ہے

مولانا حسن الہاشمی ایڈیٹر ماہنامہ طلسماتی دنیا، دیوبند

پروردگار عالم نے اپنی آخری کتاب قرآن کریم میں یہ بات ارشاد فرمائی ہے کہ اگر تم شکر کروگے تو میں اور زیادہ عطا کروں گا اور اگر تم ناشکری کروگے تو میرا عذاب سخت ہے مراد یہ ہے کہ اگر میری نعمتوں پر ناشکری اور ناقدری کا مظاہرہ کروگے تو میں تمھیں سخت عذاب دوں گا، آخرت میں حساب وکتاب کے بعد انسان کو برائے عذاب دوزخ کا ایندھن بننا پڑے گا اور اس دنیا میں بھیانک عذاب کی صورت یہ ہوتی ہے کہ وہ نعمتیں جو بطور خاص انسان کو عطا کی جاتی ہیں وہ انسان سے چھین لی جاتی ہیں۔ یا پھر ان ہی نعمتوں کو وبال جان بنا دیا جاتا ہے۔

اولاد ایک نعمت ہے یہی اولاد والدین کے لئے عذاب بن جاتی ہے مال بھی ایک نعمت ہے لیکن یہی مال عذاب زندگی بن کر رہ جاتا ہے علم وعمل بھی انعام خداوندی ہے کبھی کبھی یہی علم وعمل ہی انسان کے لیے دکھوں اور غموں کی وجہ بن جاتے ہیں غرض کہ ناشکری اور ناقدری سے بالعموم تو یہ ہوتا ہے کہ نعمتیں واپس لے لی جاتی ہیں مال ختم ہو جاتا ہے خیر و برکت اڑ جاتی ہے روزگار سمٹ جاتا ہے یا پھر

مالداری کی وجہ سے انسان مختلف قسم کی ابتلاؤں میں مبتلا ہو کر جی چھوڑ بیٹھتا ہے اسیطرح ناقدری اور ناسپاسی کی وجہ سے اولاد پیدا ہونے کے بعد مر جاتی ہے یا مختلف قسم کی بیماریوں اور الجھنوں کا شکار رہتی ہے اور اس کی بیماریوں اور الجھنوں کے سبب والدین تنگ رہتے ہیں یا پھر اولاد نافرمان اور باغی ہو کر والدین کے لئے مستقل ایک عذاب بن جاتی ہے اور اپنے کرتوت اور افعال بد کی بنا پر والدین کے لئے بدنامی اور رسوائی کے سامان پیدا کرتی رہتی ہے۔

بہر حال انسان جب شکر کا راستہ چھوڑ دیتا ہے تو اسے مختلف عذابوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے وہ اپنی ناشکری اور ناقدری کی بنا پر اس دنیا میں بھی ذلتیں اٹھاتا ہے اور آخرت میں عذاب و سزا کا مستحق بنتا ہے۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ہم شکر کیوں کریں اور کس بات کا شکر کریں۔؟

یوں تو انسان اپنی پیدائش کے روز اوّل ہی سے بلکہ پیدائش سے پہلے بھی اللہ تعالیٰ کی نعمتوں سے دبا ہوا ہے، اور جو بھی سانس لیتا ہے وہ فضلِ خداوندی کی بناء پر ہے اگر اس کا فضل نہ ہو تو انسان ایک سانس لینے پر بھی از خود قادر نہیں ہے۔

اس دنیا میں انسان کو جو کچھ بھی زندگی کو زندہ رکھنے کے لئے عطا ہوتا ہے تو وہ ہے ہی قابل شکر لیکن اصل بات یہ ہے کہ ہم اللہ کا شکر اس بنا پر ادا کریں کہ اس نے ہمیں ذی روح مخلوق بنایا، وہ اگر چاہتا تو ہمیں مٹی کا ڈھیلا بنا کر دنیا میں بھیجدیتا ہم بے حیثیت رہتے لوگوں کی ٹھوکروں میں پڑے رہتے اہل دنیا ہم پر سے گذرتے اور کسی کو ہماری تکلیف تک کا احساس نہ

ہوتا ضرورت مند لوگ ہمیں اپنے ہاتھ میں اٹھاتے اور استنجا کر کے ہمیں پھر کسی نالی یا گندے مقام پر پھینک دیتے۔ کتنا بڑا احسان ہے اس مالک دو جہاں کا کہ اس نے ہمیں سڑک پر پڑا ہوا پتھر یا کچا ڈھیلا نہیں بنایا اس نے ہمیں بے جان بنا کر دنیا میں روانہ نہیں کیا۔ بلکہ اس نے ہمیں جاندار بنا کر عزت بخشی اور دنیا کی ٹھوکروں سے ہمیں محفوظ رکھا۔ اور اس سے بھی زیادہ قابل شکر بات یہ ہے کہ رب العالمین نے ہمیں ذوی العقول بنایا غیر ذوی العقول بنا کر دنیا میں نہیں بھیجا۔ وہ اگر ہمیں جانور بنا دیتا تو ہماری کہاں مجال تھی کہ ہم اُف بھی کر سکتے اس کی قدرت و اختیار کے سامنے ہم بالکل بے بس ہیں وہ اگر ہمیں گدھا بنا کر پیدا کرتا تو بھی اس کے لئے آسان تھا ہم تمام زندگی لوگوں کا بوجھ اٹھاتے۔ ان کی خدمت کرتے۔ ان کے حکم کی تعمیل کرتے ان کے اشاروں پر ناچتے اور پھر بھی گدھے کے گدھے ہی رہتے، ذرا سی بھی عزت ہمارے حصہ میں آنے والی نہ تھی۔ یا مثلاً وہ ہمیں کتا بنا کر دنیا میں بھیجدیتا تو ہم عمر بھر گھروں کا اور لوگوں کا پہرہ دیتے ان کے ساز و سامان کی رکھوالی کی وجہ سے رات بھر جاگتے اور پھر بھی کتے کے کتے ہی رہتے کوئی بھی ہمارا احترام کرنے کے لئے تیار نہ ہوتا، قربان جائیے اس رحمٰن و رحیم کے کہ اس نے ہمیں گدھا۔ کتا۔ بلّی یا چوہا بنا کر دنیا میں نہیں اتارا اس نے ہمیں اشرف المخلوقات بنایا اور اشرف المخلوقات بنا کر اس نے ہمیں حیثیت اور عظمت عطا کی۔

اور اس سے زیادہ قابل شکر بات یہ ہے کہ رب العالمین نے ہمیں صاحب ایمان بنایا اور صاحب ایمان بنا کر اس نے ہمیں وہ عظمت و

شانِ عطا کی جوار باب باطل کا حصہ نہیں ہے، وہ اگر ہمیں مسلم گھرانے کے بجائے کسی عیسائی گھرانے میں یا کسی یہودی گھرانے میں یا کسی کافر و مشرک گھرانے میں پیدا کر دیتا تو اس کے لئے آسان تھا۔ اور اگر ایسا ہو جاتا تو ساری عمر انسان ہی رہتے کہیں ہماری حالت جانوروں اور چوپاؤں سے بدتر ہوتی ہم اللہ کی وحدانیت کے قائل نہ ہو کر ضلالت اور گمراہی کے اندھے راستہ پر بھٹکتے اور اللہ کی رضا ہمیں کسی بھی مفروضہ سے حاصل نہ ہوتی۔ لیکن مالک دو جہاں کا کرم ہے۔ کہ اس نے ہمیں اس گھرانے میں پیدا کیا جہاں اسلام و ایمان کی روشنی پہلے سے موجود تھی۔ اس لئے ہمیں نورِ حق سے فائدہ اٹھانے کے لئے ایک قدم بھی چلنا نہیں پڑا۔ اور کسی بھی طرح کی کوئی مشقت اٹھانی نہیں پڑی ایمان و اسلام ہمیں وراثت میں مل گئے۔

اس بھی زیادہ قابلِ شکر بات یہ ہے کہ رب العالمین نے ہمیں امتِ محمدی میں پیدا کیا اگر وہ ہمیں کسی اور پیغمبر کی امت میں پیدا کر دیتا تو یہ اس کے لئے آسان تھا۔ اور اگر ایسا ہوتا تو ہم صاحبِ ایمان اور صاحبِ اطاعت ہو کر بھی اس رتبہ اور مرتبہ سے محروم رہتے جو امتِ محمدی کے لئے مخصوص ہے۔ امتِ محمدی کے رتبے کا اندازہ ہم صرف اس بات سے کر سکتے ہیں۔ کہ بعض پیغمبروں نے اس بات کی تمنا کی تھی کہ انھیں امتِ محمدی میں پیدا کر دیا جاتا۔ اس صورت میں وہ خود پیغمبر نہ ہوتے بلکہ دوسرے امتیوں کی طرح سے ایک امتی ہوتے۔ لیکن وہ جانتے ہیں کہ پیغمبر نہ ہونے میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا امتی ہونا زیادہ لائقِ فخر ہے۔ قربان جائیے اس مالکِ دو جہاں کے کہ اس نے بغیر کسی تمنا کے اور آرزو کے ہمیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی امت میں شامل کر دیا اور ہمیں وہ

مرتبہ عطا کر دیا جس کی بعض انبیاء نے حسرتیں کی تھیں۔

اور اس سے بھی زیادہ قابلِ شکر بات یہ ہے کہ اس نے ہمیں موجودہ دور میں پیدا کیا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے چودہ سو سال بعد پیدا ہونا قابلِ شکر بات ہے۔ کیونکہ قیامت کے قریب پیدا ہونے والوں کے لئے خصوصی بشارتیں احادیث میں موجود ہیں۔ ایک بار آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اصحاب سے فرمایا تھا کیا تمہیں معلوم ہے کہ سب سے زیادہ قابلِ تعجب ایمان کن لوگوں کا ہے؟ صحابہ میں سے کسی نے جواب دیا غالباً فرشتوں کا۔ آنحضرت ؐ نے فرمایا ہرگز نہیں کیونکہ فرشتے اللہ تعالیٰ کی عظمت و کبریائی کا مشاہدہ اپنی آنکھوں سے کرتے ہیں، وہ اگر اللہ کی وحدانیت اور اللہ کی عظمت پر ایمان نہیں لائیں گے تو کیا کریں گے؟ اس کے بعد آنحضرت صلعم نے فرمایا کہ فرشتے عرش پر موجود ہیں اللہ تعالیٰ کی قدرتِ کاملہ سے بخوبی واقف ہیں۔ اس لئے ایک اظہار سے وہ اللہ تعالیٰ پر ایمان لانے کے لئے مجبور ہیں وہ جانتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے سوا نہ کوئی صاحبِ قدرت ہے۔ اور نہ ہی صاحبِ اختیار، پھر بتاؤ کہ سب سے قابلِ تعجب ایمان کس کا ہے صحابہ کرام میں سے کسی نے کہا یا رسول اللہ غالباً انبیاء کا آپ نے فرمایا ہرگز نہیں کیونکہ انبیاء پر وحی آتی رہتی ہے۔ اور وحی کا آنا اس بات پر دلالت کرتا ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ موجود ہے، فون پر جب کوئی شخص ہم سے بات کرتا ہے تو ہم اس کے وجود کے قائل ہو جاتے ہیں اور یہ یقین دل میں جم جاتا ہے کہ فلاں شخص موجود ہے اور ہم سے محوِ کلام ہے یہی بات آنحضرت صلعم نے اپنے اصحاب سے ارشاد فرمائی کہ وحی کا سلسلہ بذاتِ خود حق تعالیٰ کے وجود پر دلالت کرتا تھا

جس پر وحی نازل ہوگی وہ بھی اگر ایمان نہیں لائے گا تو کون ایمان لائے گا۔ صحابہ کرام نے فرمایا کہ ہم لوگوں کا ایمان قابل تعجب ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہرگز نہیں۔ کیونکہ تم سب ہر وقت میری مجلس میں حاضر باش رہتے ہو۔ میری ایک ایک حرکت اور فعل پر نظر رکھتے ہو۔ میرے کردار عمل کا جائزہ لیتے ہو تم اگر میری خوبیوں پر یقین کرتے ہو تو میری رسالت پر اور اللہ کی وحدانیت پر ایمان لے آؤ گے تو یہ کوئی قابلِ تعجب بات نہیں ہوگی۔

صحابہ نے فرمایا یا رسول اللہ پھر آپ وضاحت فرمائیں کہ قابل تعجب ایمان کن لوگوں کا ہوگا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب دیا کہ سب سے زیادہ قابل تعجب اور قابل قدر ایمان ان لوگوں کا ہوتا ہے جو میرے بہت بعد اس دنیا میں آئیں گے اور بغیر دیکھے بھی میری رسالت پر اور میری بیان کردہ احادیث پر ایمان لائیں گے۔ یہ وہ لوگ ہوں گے جن کی نیکیوں کی قیمت زیادہ ہوگی اور ان کے گناہوں کا وبال کم ہوگا (اوکما قال) مختلف احادیثِ رسول سے یہ بات مترشح ہوتی ہے کہ قیامت کے قریب پیدا ہونے والا امت کا مقام مختلف فتنوں اور آزمائشوں کے ہوتے ہوئے ثابت قدم رہنے پر بلند ہوگا۔ اور ایسے ماحول میں ان کا اجر بھی بڑھا دیا جائے گا۔ جب رب العالمین نے ہمیں اس رتبہ و مرتبہ اور اعلیٰ مقام سے سرفراز فرمایا تو ہم پر شکر واجب ہے ہمارا فرض ہے کہ ہم زبان سے اپنے رب کا شکر ادا کریں۔ اور عمل سے بھی شکر گزاری کے راستے اختیار کریں اور شکر گزاری کا حق یہ ہے کہ نعمت کو منعم کی رضا کے مطابق اس کے محبوب طریق پر استعمال کیا جائے جس کا واحد طریقہ یہ ہے کہ ہم دین کی دعوت ان لوگوں

تک پہونچائیں جو از راہ ناواقفیت کفر و شرک یا ضلالت و گمراہی کی دلدل میں پھنسے ہوئے ہیں اللہ کی مخلوق کو عذاب دوزخ سے بچانے کے لئے راہ حق کی رہنمائی کرنا ہی اپنے مومن اور امت محمدی ہونے کا شکر بجالانا ہے، اور اگر ہم نے یہ نہ کیا تو ایک طرح سے ہم اپنے مومن اور امتِ محمدی ہونے کی ناقدری کریں گے پھر خطرہ اس بات کا ہوگا کہ ہم کسی عذاب سے دوچار نہ ہو جائیں اگر بطورِ عذاب یہ دولتِ ہدایت ہم سے چھین لی گئی جو ہمیں بغیر کسی محنت کے ورثہ میں ملی ہے تو ہم زبردست خسارہ سے دوچار ہو جائیں گے اور خدا نخواستہ ہمارا ٹھکانہ جہنم ہوگا اس وقت جو خوش قسمت افراد دعوتِ دین کا کام کر رہے ہیں۔ وہ اس دور کے قابلِ قدر افراد ہیں ان افراد کے ساتھ جڑنا اور دامے درمے سخنے قدمے اس تحریک کے ساتھ تعاون کرنا ہمارا ملّی اور اسلامی فریضہ ہے یہی دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ ہمیں شکر کی توفیق عطا کرے ہمیں ناقدری کے جرم عظیم سے محفوظ رکھے اور ہمیں دین کی دعوت دینے اور دین کی دعوت پیش کرنے والوں کی قدر پہچاننے کی توفیق عطا کرے۔

اللھم آمین بجاہ سید المرسلین

تو بچا بچا کے نہ رکھ اسے ترا آئینہ ہے وہ آئینہ
کہ شکستہ ہو تو عزیز تر ہے نگاہ آئینہ ساز میں

تحریک ندوۃ العلماء اور اسلامی دعوت

• مطیع الرحمٰن عوف ندوی، ندوۃ العلماء لکھنؤ

کرہ ارض پر پھیلے ہوئے بے شمار قدیم ممالک میں ہمارا ملک ہندوستان بھی شامل ہے جس کی تاریخ بڑی قدیم اور ماقبل تاریخ کے اندھیروں میں گم ہے اور جہاں کی قدیم تاریخی تفصیلات افسانوں، دیو مالائی قصوں اور رزمیہ داستانوں سے عبارت ہیں۔ جہاں شرک وبت پرستی اور جاہلیت کی سنگین چٹانیں تھیں اور پورا ملک غیر اللہ کی عبادت میں مسحور و مخمور تھا۔ اسلام کی ابتدائی صدیوں میں جب مجاہدین اسلام نے اس ملک کو اپنی ترک تازیوں کا مرکز بنایا اور اسکے وسیع خطے اپنے زیر نگیں کئے تو ان کی اخلاقی قوتوں اور سر فروشانہ جذبات اور حوصلوں کے ذریعہ یہاں کی مٹی نم ہوئی اور یہاں اسلامی مساوات اور عدل وانصاف کے خوشگوار نقش قائم ہوئے اور رفتہ رفتہ یہاں کے مذہبی عقائد اور جامد نظریات میں تبدیلی آئی۔ دیو مالائی تہذیب کے تانے بانے ٹوٹے، اسلامی فکر و تہذیب کی بند راہیں کھلتی گئیں اور بڑی تعداد میں لوگ اسلام کے گھنیرے سایہ میں آتے چلے گئے۔

داعیان اسلام اور صوفیاء عظام نے اسلامی دعوت کی اس روایت کو اسلامی اصول ونظریات کی روشنی میں نہ صرف آگے بڑھایا بلکہ اپنی مخلصانہ جدوجہد اور سعی و کوشش کے ذریعہ ہر دور میں اس میدان میں نئے سنگ میل قائم کئے، نئی زمینیں فتح کیں اور نئے نئے میدان سر کئے۔ حضرت خواجہ معین الدین چشتی، بابا فرید الدین گنج شکر، خواجہ نظام الدین اولیاء، سید علی ہمدانی، حضرت مخدوم بہاری، حضرت مجدد الف ثانی اور حضرت سید احمد شہید

رحمہم اللہ جیسے بزرگان دین اس تابناک ودرخشاں اور زریں سلسلہ کے صرف چند نام ہیں۔ جنھوں نے اس ملک میں اسلام کی آبیاری کی تاریخ سازکوششیں کیں اور اپنی گرم نفسی اور اولوالعزمی کے ذریعہ یہاں کے باشندوں پر اسلام کی حقانیت واضح کی اور یہاں کی سخت مٹی کو اپنی آہ سحر گاہی اور دعاء نیم شبی کے آنسوؤں سے نم کرگئے کہ

ذرانم ہو تو یہ مٹی بہت زرخیز ہے ساقی

اسلامی دعوت اور اسلامی خدمات کی یہ روایت حالات کے نشیب وفراز سے گزرتی ہوئی مسلسل زندہ اور مصروف عمل رہی اور وقت اور حالات کے اعتبار سے اس کا ظہور کبھی جنگ کے میدانوں میں، کبھی قضاء وافتاء کی مسندوں پر اور کبھی مدرسوں اور خانقاہوں کی ایمان افروز صداؤں کے درمیان ہوا۔ لیکن آخری دور میں اس پاکیزہ روایت کی حقیقی جلوہ گاہیں صرف اسلامی مدارس تھے۔ یہ درس گاہیں کار گہ شیشہ گری نہیں، کار گہ آدم گری اور مردم سازی تھیں جہاں ذہن سازی اور علم کی آبیاری کا معتبر کام ہوتا رہا ہے اور جہاں دعوت اسلامی کی کوششوں اور اس سلسلہ کی دردمندی اور فکرمندی ہر دور میں موجود رہی ہے۔ ایسی ہی ممتاز تحریکات میں ایک اہم اور خوبصورت نام تحریک ندوۃ العلماء کا بھی ہے جہاں دعوت اسلامی کی یہ روایت حالات کے نشیب وفراز سے گزرتی ہوئی پورے تسلسل کے ساتھ آج تک جاری ہے۔

انیسویں صدی کے نصف آخر میں ہندوستان پر انگریزوں کی مستحکم حکومت قائم تھی اور مسلمان جو سات صدیوں سے اس سرزمین کے مالک تھے اور جو زندگی گذارنے کا ایک مکمل دستور اور نظام رکھتے تھے اس کا خاص نشانہ بنے ہوئے تھے انگریزوں کے اقتدار میں ان کی جائیداد واملاک اور عزت و آبرو یہاں تک کہ ان کے دینی نظریات وافکار تک محفوظ نہیں رہے تھے۔ ۱۸۵۷ء کے خونیں انقلاب کے نتیجہ میں خاص طور پر مسلمانوں کو نشانہ بنایا گیا اور انہیں خصوصیت کے ساتھ تعلیمی میدانوں میں پیچھے رکھا گیا۔ دوسری طرف عیسائی مشنریاں اپنے مذہب کی تبلیغ کے لئے پورے ملک میں سرگرم تھیں اور انھیں حکومت کی سرپرستی اور مالی واخلاقی تعاون حاصل تھا وہ بھولے بھالے مسلمانوں کو بہکاتے اور ان کی طبی اور مالی مدد کرکے عیسائیت کے نرغے میں داخل کرنے کی کوشش کرتے تھے۔ ٹھیک انھیں دنوں ہندوؤں میں متعدد تحریکیں پیدا ہوئیں جن کا مقصد ہندو احیاء پسندی تھا اور اس کا نشانہ بھی مسلمانوں کو بننا پڑتا تھا۔

خود مسلمانوں میں آپسی نزاعات اور اختلافات زوروں پر تھے فراخ دلی، عالی ظرفی بلند نظری، فکری حوصلہ مندی کی کمی نے انہیں ایک دوسرے کی مخالفت پر آمادہ کردیا تھا اور ان کی قیمتی صلاحیتیں صحیح رہنمائی کے فقدان کی وجہ سے باہمی تکفیر و تفسیق، فروعی اختلافات، جماعتی عصبیت اور علمی طبقہ واریت کی نذر ہو گئی تھیں۔ متعدد نامور شخصیات اور معتدر علماء کرام پر کفر کے فتوے لگے۔ مقلدین وغیر مقلدین کی کشمکش اپنے پورے شباب پر تھی اور اختلافات کی خلیج وسیع تر ہوتی جارہی تھی۔ اھل حدیث واہل فقہ کے نام سے دو الگ الگ گروہ باہم بر سر پیکار تھے اور ان کی پوری صلاحیتیں اور ذہنی توانائیاں قرات فاتحہ خلف الامام، آمین با لجہر اور رفع یدین جیسے امور کی بحثوں میں صرف ہوتی تھیں۔ اور وہ مسلمان جنکا واحد مقصد زندگی اعلاء کلمۃ اللہ اور کفروشرک کا خاتمہ ہونا چاہئے تھا اور جنکی پوری زندگی غیروں کو اسلام سے روشناس کرانے کے لئے وقف ہونی چاہئے تھی۔ وہ خود باہمی کشاکش اور اختلافات میں الجھے ہوئے تھے۔

ان حالات میں ضرورت تھی کہ خدا کے آخری دین کو مکمل نظام کی حیثیت سے پیش کیا جائے، ملت کی تمام تر توانائیاں مثبت رخ پر استعمال کی جائیں۔ اور مغرب کی ذہنی وفکری غلامی سے دور رہ کر قدیم صالح اور جدید نافع کا حسین امتزاج پیش کیا جائے۔ ملک میں مسلمانوں کی اس زبوں حالی، ان کی ہمہ جہتی مرعوبیت، دوسرے مذاہب کے لقمہ تر بن جانے کا خوف، آپسی اختلافات اور مستقبل میں اس کے اندوہناک نتائج کے پیش نظر چند دل درد مند اور فکر ارجمند کے حامل علماء واکابرین نے تحریک ندوۃ العلماء کے قیام کا فیصلہ کیا، تحریک کے قیام کے روز اول ہی سے ندوۃ العلماء کے بیدار مغز اور صاحب فراست ارکان نے یہ محسوس کرلیا تھا کہ بغیر اس تحریک کے قیام کے ہندوستان میں اسلام کی آبیاری اور اسکے بقاء واستحکام پر سوالیہ نشان لگا رہے گا اور کوئی بعید نہیں کہ نعوذباللہ۔ یہاں کے باشندوں کے فکری تہذیبی اور تمدنی ارتداد اور ذہنی غلامی کے نتیجہ میں اس ملک کے اندر بھی اسپین جیسی صورت حال پیدا ہوجائے، چنانچہ ندوۃ العلماء کے جملہ مقاصد کا خلاصہ اور ان سب کا محرک وعامل اگر دیکھا جائے تو حفاظت اسلام اور اسلامی دعوت کی اشاعت ہی رہا ہے جسے حالات کے مختلف تقاضوں اور زمانہ کے متعدد اغراض کو سامنے رکھتے ہوئے ایک دستورالعمل کی شکل میں تیار کیا گیا تھا۔ چنانچہ پہلے ہی دن سے ندوۃ العلماء کے سالانہ جلسوں میں اشاعت اسلام کے کاموں کا جائزہ لیا جاتا اور اس کے لئے ہر ممکن عملی اقدامات کئے جاتے۔ ندوۃ العلماء کے بانی مولانا سید محمد علی مونگیری نے جب دارالعلوم کے قیام کا خاکہ پیش کیا تو اسی جلسہ انتظامیہ

میں ۱۲ محرم الحرام ۱۳۱۲ھ کو یہ تجویز بھی پیش کی جو تجویز نمبر ۵ میں درج ہے۔

"ایک جماعت ایسے علماء کی موجود ہو جو دور دراز ممالک کا سفر کرے جن ممالک میں اسلام کی حکومت ہے وہاں کے مسلمانوں سے مل کر قیادت کا مبادلہ کرے۔ ترقی اسلام کی تدبیریں سوچے' وہاں کے مفید تجربوں کو اپنے ملک کے لئے دستور العمل بنائے۔ جہاں اسلام کی حکومت نہیں ہے وہاں اسلام کی تبلیغ کرے' اسلام کی خوبیاں اور فوائد بیان کر کے لوگوں کو اسلام کی ترغیب دلائے"۔(۱)

دارالعلوم کے قیام سے قبل اشاعت اسلام کی یہ فکر کسی نہ کسی صورت میں اپنا کام کرتی رہی اور ندوۃ العلماء کے سالانہ جلسوں میں دعوت اسلامی کے امور پر غور ہوتا رہا۔ جس کو عام کرنے کے لئے لئے "اشاعت اسلام" کے نام سے ایک مستقل شعبہ قائم کر دیا گیا تھا' لیکن ندوۃ العلماء کے زیر انتظام دارالعلوم کے قیام کے بعد تو اس کے لئے مستقل ماحول اور افراد فراہم ہو گئے۔ یہ ایسا سنہری موقع تھا جس میں ایسے افراد تیار کئے جا سکتے تھے جو دعوت وعزیمت کے قافلہ میں شریک ہو کر اسلام کی خوبیوں کو پوری دنیا کے گوشہ گوشہ میں بالخصوص ہندوستان میں پھیلا دیں اور اس ابر کرم سے کسی بھی مرد خدا کو تشنہ کام اور نامراد نہ چھوڑیں۔ چنانچہ اس کے بعد ہندوستان اور ممالک غیر میں اشاعت اسلام کی غرض سے منتخب انگریزی خواں طلبہ کو مناسب وظائف دے کر عربی پڑھانے اور اعلیٰ تعلیم کے بعد انھیں ندوہ کی طرف سے دوسرے ممالک میں اشاعت اسلام اور تبلیغ کی غرض سے بھیجے جانے کی بھی تجویز آئی۔

"مولانا شبلی نے تحریک کی کہ ایک فارغ التحصیل طالب علم تکمیل کے لئے مصر بھیجا جائے جلسہ عام نے اس تجویز کو منظور کر لیا"۔(۲)

کبھی دارالعلوم کے اپنے انتظامی مسائل کی وجہ سے اس دعوتی تحریک میں قدرے کمی بھی ہو جاتی تاہم ارکان کو اس کی فکر ہمیشہ دامن گیر رہتی۔ اس کا اندازہ جون ۱۹۰۴ء کے جلسہ انتظامیہ (شاہجہاں پور) کی روداد سے لگایا جا سکتا ہے' روداد میں ہے

"مولانا عبد الحئی صاحب وکیل چندوسی نے دستور العمل مجلس اشاعت اسلام کا مسودہ پیش کیا جسے پہلے سے چھپوا کر تمام ارکان انتظامیہ کے پاس غور کے لئے بھیج

---

(۱) تاریخ ندوۃ العلماء' مرتبہ: مولانا شمس تبریز خاں جلد دوم صفحہ ۱۴۱

(۲) سیرت مولانا محمد علی مونگیری' مرتبہ: مولانا سید محمد الحسنی صفحہ ۱۸۵

دیا گیا تھا۔ مگر بعد کے برسوں میں دارالعلوم کی طرف توجہ کے سبب یہ ضروری کام بے توجہی کا شکار ہو گیا پھر ۱۹۰۸ء کے فتنۂ ارتداد کے رونما ہونے کے بعد اس میں سر گرمی پیدا ہوئی اور علامہ شبلی نعمانی نے اس میں خاص حصہ لیا۔"(۱)

مولانا سید سلیمان ندوی علامہ شبلی کی ان دلچسپیوں اور سر گرمیوں کا ذکر ان الفاظ میں کرتے ہیں۔

"اشاعت اسلام کا کام انھوں نے باقاعدہ شروع کر دیا تھا اور مجھے قومی خدمت کی تعلیم کی غرض سے مدد گار ناظم بنایا تھا۔ یاد ہو گا ۱۹۰۸ء میں ارتداد کا جو عظیم الشان طوفان اٹھا تھا اس کے مقابلے کے لئے جو لوگ اٹھے تھے ان میں سے ایک سر بر آوردہ نام مولانا مرحوم کا بھی ہے جو شاہجہاں پور وغیرہ خود دورے کے لئے نکلے۔ راجپوتانہ کے اطراف میں متعدد آدمی بھیجے، ندوہ میں سنسکرت پڑھانے کا انتظام کیا۔ کئی طالب علموں کو اس درجہ میں داخل کر کے ان کو اس حد تک تیار کیا کہ اس درجہ کے ایک مسلمان طالب علم نے شاید ۱۹۱۰ء کے ندوہ کے اجلاس دہلی میں جب ٹھیٹھ ہندی میں تقریر کی تو حاضرین کو اس کے پیدائشی پنڈت ہونے کا گمان ہو گیا اور وہ اس وقت دور ہوا جب لوگوں نے اس سے قرآن سنانے کی فرمائش کی، اتفاق دیکھئے کہ اس کے قرآن سنانے کا لحن بھی نہایت دلآویز تھا۔"(۲)

اصلاح نصاب دعوت اسلامی کی اسی فکر اور حالات کے مطابق اس کے لئے تیاری کے پیش نظر ندوہ کے اندر اصلاح نصاب کی تحریک اٹھی، اس سلسلہ میں سید صاحب علامہ شبلی کا موقف بیان ہوئے لکھتے ہیں۔

"اس اصلاحی (اصلاح نصاب) تحریک کی دو دفعات پر مولانا کو شدت سے اصرار تھا، ایک یہ کہ قدیم یونانی فلسفہ کی کتابیں نکال کر جدید فلسفہ کی کتابیں داخل کی جائیں۔ دوسرے یہ کہ علماء، تعلیم یافتوں کی اصلاح، یورپ میں تبلیغ اور مستشرقین یورپ کے اعتراضات کے جواب اور غلطیوں کی اصلاح کے لئے انگریزی پڑھیں۔"(۳)

چنانچہ ندوۃ العلماء کو یہ فخر حاصل ہے کہ اس نے اس پہلو کو مدنظر رکھتے ہوئے خاص طور پر اپنے نصاب کو مرتب کیا اور یہی وجہ تھی کہ ندوۃ العلماء کے فضلاء نے آگے چل کر

---

(۱) تاریخ ندوۃ العلماء حصہ دوم ۶۱۔

(۲) دیباچہ مقالات شبلی، جلد ششم ص ۲۔ تاریخ ندوۃ العلماء، دوم ص: ۶۲

(۳) حیات شبلی۔ مصنفہ علامہ سید سلیمان ندوی ص: ۲۰

مستشرقین کے ابطال ،یورپ اور دیگر ممالک میں وہاں کی زبان میں اسلام کی اشاعت میں بڑی خدمات انجام دیں۔اور دنیا میں رائج زبانوں کو اپنا کر ایک عظیم دینی خلاء پر کیا اور یورپ وامریکہ کی اپنے تمدن سے مایوس ولادین قوم کی مذہب بیزاری کے بعد حق کی جستجو کو دیکھتے ہوئے ان کے سامنے اسلام کا صاف شفاف اور کامل و مکمل جام عطا کیا جس نے نہ جانے کتنے تشنہ لبوں کی سیرابی اور مایوس و بے زار لوگوں کی تسکین کا سامان فراہم کیا اور وہ اپنے تمدن کو الوداع کہہ کر اسلام کی آغوش میں آگئے۔

ایک طرف اشاعت کا مسئلہ تھا دوسری جانب اسلام مخالف سرگرمیوں سے مدافعت بھی ضروری تھی۔اسلام کے خلاف ہورہے حملوں اور ارتداد کے تدارک کے لئے علامہ شبلی دو قسم کی ضرورت محسوس کرتے تھے۔چنانچہ اشاعت اسلام کا جو مسودہ تھا اس کو انھوں نے "حفاظت اسلام" کے عنوان سے دوبارہ مرتب کرکے شائع کیا تھا جس میں انھوں نے اپنے اس موقف کو واضح کرتے ہوئے لکھا ہے

"ان حملوں کے مقابلہ کے لئے ہم کو دو قسم کی کوششوں کی ضرورت ہے۔

(۱) مدافعت۔

(۲) اشاعت۔

"ہمارے لئے صرف یہی کافی نہیں کہ ہم بے کس بن کر صرف دوسروں کے حملوں سے اپنے آپ کو بچائیں۔اسلام اس لئے آیا تھا کہ تمام دنیا پر اپنے آپ کو پیش کرے۔اسلئے ضرورت ہے کہ ہم دوسری قوموں میں اپنے واعظ اور داعی بھیجیں جو اسلام کی تبلیغ کریں۔یہ قطعی ہے کہ اگر صحیح طور سے مذہب اسلام دنیا کی قوموں کے سامنے پیش کیا جائے تو ہزاروں لاکھوں اشخاص نہ صرف ایشیاء بلکہ یورپ میں بھی اسلام کو بے تکلف قبول کرسکتے ہیں۔"(۱)

انھیں خطوط کو سامنے رکھتے ہوئے علامہ شبلی نے جہاں اسلامی دعوت کو عام کرنے کے لئے عملی اقدامات کئے وہیں مدافعانہ مضامین اور کتابیں لکھ کر اور شبلی اکیڈمی قائم کرکے سازشوں کو دبایا بھی۔اور پورے دلائل اور تحقیق کے ساتھ ان کے دعوؤں کا ابطال کیا اس سلسلہ میں یہ بات قابل ذکر ہے کہ جب مسلمان بادشاہوں کے خلاف ہندوستان اور اس کے باہر سب سے زیادہ نفرت انگیز پروپیگنڈہ جزیہ کے نام سے کیا گیا تو مولانا نے بڑی تحقیق سے اس

---

(۱) تاریخ ندوۃ العلماء، جلد دوم ص: ۶۲

بات کو پایۂ ثبوت کو پہونچایا کہ جزیہ قتل کا نہیں بلکہ نصرت کا معاوضہ ہے' مولانا کا یہ مضمون شائع ہوا تو لوگوں کو ان کی اس اچھوتی تحریر پر حیرت ہوئی اور تعلیم یافتہ مسلمانوں کو اس کی اتنی خوشی ہوئی کہ مولانا کی تنہا یہ تحقیق ہی ان کے نزدیک ان کے کارنامۂ فضلیت کے لئے کافی تھی۔"(۱)

مناسب ہوگا کہ اس موقع پر الفاروق' کتب خانہ اسکندریہ اور اورنگ زیب عالم گیر پر مولانا کی تحریروں کا بھی ایک سرسری تذکرہ ہوتا جائے۔ الفاروق کے سلسلہ میں بغیر کسی تمہید و تفصیل کے صرف میاں بشیر احمد کا اس کے بارے میں تاثر نقل کرنا کافی ہوگا وہ اپنی محسن کتابوں کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

"وہ کتاب جس نے اوائل عمر میں سب سے زیادہ اثر ڈالا شبلی کی الفاروق تھی ---------- برسوں گذر گئے کئی مرتبہ الحاد نے کامیابی کے ساتھ میرے دماغ پر حملہ کیا لیکن دل جس الفاروقی رنگ میں پہلی عمر میں رنگا جاچکا تھا وہ رنگ کچھ نہ کچھ باقی رہا' ایک تو عمر ایسی تھی کہ جو اثر پڑا وہ سمٹ نہ سکا اور دوسرے کتاب ہی ایسی عظیم الشان تھی کہ جب میرے ایک دہلوی ادیب نے اس پر دو سال ہوئے نکتہ چینی کی تو مجھے ایسا معلوم ہوا کہ گویا مجھ پر ذاتی حملہ کیا گیا۔"(۲)

اسی طرح جب عیسائی یورپ نے خلفائے راشدین اور خصوصاً حضرت عمر فاروق کے خلاف ایک بہت بڑا الزام قائم کیا کہ انھوں نے اسکندریہ کے کتب خانوں کو جو دنیا کی صدیوں کی محنت کا خزانہ تھا جلا کر خاک کردیا اور اس کا نتیجہ یہ نکالا گیا کہ اسلام علم کا دشمن ہے۔ تو ایسے نازک وقت میں بھی علامہ شبلی آگے بڑھے اور تاریخی تحقیقات سے یہ ثابت کردیا کہ مسلمانوں پر یہ الزام سراسر بے بنیاد ہے بلکہ خود عیسائیوں نے اپنے زمانہ میں صدیوں پہلے اس کو برباد کردیا تھا' یہ تحقیق بھی بہت مقبول ہوئی اور اس کے بعد خود یورپین محققین نے اس الزام کی تردید کی۔(۳)

ساتھ ہی جب ہندوستان میں مسلمانوں کے خلاف انگریز مورخوں نے سیاسی اغراض کی خاطر ہندوؤں پر عالم گیر کے مفروضہ مظالم کی تشہیر کی کہ خود مسلمانوں کو اس کا یقین آگیا

---

(۱) حیات شبلی۔ ص: ۲۵-۱۲۶ الجزیہ مضمون کے لئے مقالات شبلی اول ص: ۲۲۱ تا ۲۳۱

(۲) مشاہیر اہل علم کی محسن کتابیں۔ ص: ۹۴

(۳) کتب خانہ اسکندریہ اور اسلامی کتب خانے۔ مضامین کے لئے مقالات شبلی ششم ۱۱۳ تا ۱۷۵

اور پھر ہندوؤں میں جدد ناتھ سرکار جیسے محقق بیدار ہوئے۔ جنھوں نے عالم گیر کو اس بنا پر کہ وہ اکبر کے بعد ہندوستان میں اسلامی سلطنت کے تخلیل کو دوبارہ زندہ کرنا چاہتا تھا۔ ہر الزام کا مورد بنایا' اس وقت کے سارے ہندوستان میں صرف مولانا ہی کا قلم تھا۔ جو نیام سے باہر آیا اور انھوں نے تمام اعتراضات کے مفصل جوابات دئے اور اور اب تک اس باب میں یہ بے مثال تصنیف ہے اور متعدد زبانوں میں ترجمہ ہو چکی ہے۔

دارالمصنفین | مولانا کے ذہن میں اشاعت اسلام کے اس موقف کی تکمیل کے لئے ایک وسیع خاکہ تھا اور اس کے لئے بڑے پیمانہ پر کام کرنے کی فکر تھی۔ چنانچہ یہ اور دیگر عظیم مقاصد کے پیش نظر مولانا نے ایک وقیع تصنیفی و علمی اکیڈمی دارالمصنفین قائم کی اور اس میں اپنا ذاتی بنگلہ وقف کیا اس علمی مجلس کو علامہ شبلی کی وفات کے بعد ربع صدی سے زیادہ مدت تک مولانا سید سلیمان ندوی کی نگرانی و رہنمائی کا شرف حاصل رہا۔ مجلس کے رفقاء نے مذہب، تاریخ اور ادب کے مختلف شعبوں میں بہت سی علمی تحقیقی کتابیں تالیف کیں۔ اکیڈمی کی بیش قیمت خدمات کا اندازہ لگانا مشکل ہے۔ الغرض نہ صرف عالم اسلام بلکہ پوری دنیا کے اندر اکیڈمی قدر و منزلت کی نگاہ سے دیکھی جاتی ہے۔ اور وہاں کی ہر اشاعت مستند اور قابل قدر سمجھی جاتی ہے۔ اور دارالمصنفین سے کسی کتاب کا شائع ہونا نیز معارف میں کسی مضمون کا چھپ جانا اس کے معیاری ہونے اور مستند ہونے کے لئے کافی ہوتا ہے۔

علامہ سید سلیمان ندوی نے بھی اپنی زندگی کا پورا حصہ دعوت اسلامی کے لئے تج دیا تھا۔ وہ ہمیشہ ندوۃ العلماء کے اجلاس میں تبلیغ و اشاعت اسلام کے امور پر غور کرتے تھے' خصوصاً مولانا کی وہ تقریر ان کی تڑپ کا شدت سے اظہار کرتی ہے جس میں انھوں نے ندوۃ العلماء کے اجلاس چہاردہم ۴ اپریل (لکھنؤ) میں ندوۃ العلماء کے اغراض و مقاصد اور اس کی اہمیت و ضرورت" کے عنوان سے اس عالم گیر ضرورت کی طرف نشاندہی کرتے ہوئے خطاب کیا تھا۔

ندوۃ العلماء کی تاریخ پر نظر ڈالنے سے پتہ چلتا ہے کہ اس کے ذمے داروں کے نزدیک دوسرے تمام مقاصد کے ساتھ ساتھ اشاعت اسلام کو فوقیت حاصل رہی' یہ اکابر وعظ و ارشاد اور اجتماعی و انفرادی طریقہ پر اور دعوت کے تقاضوں کے مطابق اشاعت اسلام کے لئے مسلسل کوشاں رہے اور مختلف زبانوں اور ملکوں میں اسلام کی اشاعت کے لئے مضامین اور رسائل شائع کرتے رہے' وہ دعوت اسلامی کی عمومیت کے طریقۂ کار اور دستورالعمل کے لئے مل بیٹھ کر منصوبے بناتے' دستورالعمل شائع کرتے' اور کمیٹیوں کی تشکیل اور دفعات کی

ترتیب بھی ہوتی اور متعین نظام کے تحت ندوۃ العلماء کی جانب سے مبلغین وواعظین مقرر کرکے اطراف اور حساس علاقوں میں بھیجے جاتے اور سال میں ایک بار بالخصوص ان کے جملہ کاموں کا جائزہ لیا جاتا۔(۱)

دوسری جانب ملک کے باہر دعوت اسلامی کی عمومیت کا مسئلہ تھا اس کی طرف خصوصی توجہ ڈاکٹر سید عبد العلی کے دور نظامت میں ہوئی ڈاکٹر صاحب کا دعوت و تبلیغ سے خاص لگاؤ تھا اس مقصد کے لئے انھوں نے ندوۃ العلماء میں خاص زور دیا اور طلباء کو داعی ومعلم بنانے کے ممکن طریقے اپنائے (۱)۔اس مقصد کے لئے ڈاکٹر صاحب نے تین چار حضرات کو متعین کیا تھا جو مختلف بستیوں میں جا کر اسلام کی تعلیمات سے ان کو روشناس کراتے، حاجت مندوں کی ضروریات پوری کرتے اور انہیں اپنی خدمت سے مانوس کرتے، ڈاکٹر صاحب نے حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کو ڈاکٹر امبیڈکر کے پاس دعوت اسلام دینے کے لئے بمبئی بھیجا جس کی مختصر تفصیل کاروان زندگی کے حصہ اول میں دیکھی جا سکتی ہے۔

یہ ایک ایسا عظیم مقصد اور فریضہ ہے جسے ایک لمحہ کے لئے بھی فراموش نہیں کیا جاسکتا، حالات کے تقاضوں اور زمانے کی ضروریات کے مطابق اب بھی بڑے پیمانہ پر اشاعت اسلام کا کام جاری ہے اور شخصی ملاقاتوں سے لیکر لٹریچر کی نشر واشاعت زور دستور ہو رہی ہے۔پیام انسانیت کی تحریک اور مجلس تحقیقات ونشریات اسلام کے لٹریچر نے بھی اس مقصد میں اہم رول نبھایا اس کے علاوہ ندوۃ العلماء کی فکر سے منسلک فضلاء ندوہ نے انفرادی واجتماعی طور پر دنیا کے مختلف حصوں میں اس مشن کا بیڑہ اٹھا رکھا ہے۔

خدا سرسبز رکھے اس چمن کو مہرباں ہو کر

المعہد العالی للدعوۃ والفکر الاسلامی

دار العلوم نے جب ترقی کے مدارج طے کرکے بیرون ہند تک اپنی فکر پہونچائی اور پوری دنیا میں اپنی افادیت ثابت کی تو اس کے مطابق اس کے مقاصد میں بھی بلندی اور وسعت پیدا ہوئی، چنانچہ جس تخیل کو ارکان ندوہ نے پیش کیا تھا اور جس کا آغاز بھی اس وقت کے محدود وسائل کے اعتبار سے کردیا تھا اب اسے باقاعدہ ایک شعبہ کی شکل دیدی گئی ہے وراس کا دائرہ کار وسیع کرکے اسے عالمی رخ دے دیا گیا ہے۔اس شعبہ کا نام المعہد العالی للدعوۃ والفکر الاسلامی ہے جسے چار شعبوں میں

---

(۱) روداد جلسہ چہارم ص:۶۷۔ تاریخ ندوۃ العلماء دوم ص:۱۱۴-۱۱۳

تقسیم کیا گیا ہے۔

(۱) ممالک عربیہ 'مشرق وسطیٰ میں (علمی و فکری طور پر) دینی وایمانی دعوت

(۲) مذاہب کا تقابلی مطالعہ

(۳) حکمت ولی اللہی

(۴) اسلامی و تجدیدی تحریکات اور اسلامی علوم وفنون ہندوستان میں۔(۱)

اس شعبہ کے قیام اور اس کے نصاب و نظام کی ترتیب و تنظیم کو پیش کرنے کا تمام سہرا ندوۃ العلماء کے موجودہ ناظم مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی مدظلہ العالی کے سر ہے۔ مولانا کے فکر و عمل نے ہی اس شعبہ کو مستقل ایک شعبہ کی حیثیت دی اور اس کے ذریعے خدا تعالیٰ نے بہت سے داعیوں کی تربیت کا سامان فراہم کیا۔

مجلس تحقیقات ونشریات اسلام

دوسرا اہم ادارہ ۱۹۵۹ء میں مجلس تحقیقات ونشریات اسلام کے نام سے دارالعلوم ندوۃ العلماء کے اندر تشکیل پایا 'اس کے مقاصد میں انسانیت کی بھلائی اور دین اسلام کا علمی واصلاحی کام تھا' چونکہ ایک عرصہ سے عالم اسلام میں ایسے اسلامی لٹریچر کی ضرورت محسوس کی جارہی تھی جو اسلام کی موقر وطاقت ور نمائندگی وترجمانی کرے۔ ایمان ویقین کی بنیادیں ذہن ودماغ میں از سر نو استوار کرے۔ وہ مغرب کی مادہ پرست اور شک آفریں تہذیب وادب کی عالم گیر پیمانہ پر پیدا کردہ ذہنی بے چینی وانتشار کو رفع کرے۔ اور اس نئے ارتداد کا مقابلہ کرے جو ایک طوفان وسیلاب کی طرح تمام عالم میں پھیل گیا ہے۔ نیز ایک طرف یہ اکیڈمی دنیا کے دوسرے تعلیم یافتہ اور ذہین طبقوں میں اسلام کے صحیح اور وقیع تعارف کا ذریعہ بنے اور ان میں حقیقت کی جستجو 'خدا طلبی کا ذوق' مادیت سے بے زاری' موجودہ صورتحال سے بے اطمینانی پیدا کرے تو دوسری طرف غیر مسلم تعلیم یافتہ طبقہ کو ان کی تسکین کے لئے ان کی پیاس بجھانے کے لئے مختلف زبانوں میں اسلامی لٹریچر فراہم کرے۔

چنانچہ مجلس کی اب تک عربی' انگریزی' ہندی واردو میں تقریباً ۲۶۸ مطبوعات شائع ہوچکی ہیں جن میں بعض کتابوں کے کئی کئی ایڈیشن نکلے اور بعض کتابوں کا دیگر علاقائی

---

(۱) المعھد العالی للدعوۃ والفکر الاسلامی ---------------عربی میں اور اردو زبان المعھد العالی للدعوۃ والفکر الاسلامی ضرورت تخیل۔ نظام ونصاب از حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی دامت برکاتہم۔

زبانوں میں ترجمہ جاری ہے۔ یہاں کی کتابیں پوری دنیا میں بڑے اشتیاق اور ذوق وشوق کے ساتھ ہاتھوں ہاتھ لی جاتی ہیں اور یہ ادارہ صحیح اسلامی فکر کی اشاعت کا ایک معیاری اور مستند ادارہ تسلیم کیا جاتا ہے۔

ابطال باطل اور فتنۂ ارتداد کا مقابلہ

پہلی جنگ عظیم کے بعد مولانا محمد علی جوہر کی رہنمائی اور خلافت تحریک کے سبب ملک میں ہندو مسلم اتحاد کی بڑی خوشگوار فضاء قائم ہو گئی تھی لیکن آریہ سماج نے اس کی مخالفت شروع کردی اور مسلمانوں کو ہندو اور مرتد بنانے کی ہندوستان گیر مہم شروع کردی جس کے انسداد و تدارک کے لئے مسلم جماعتوں کو میدان میں آنا پڑا جن میں ندوہ سے منسلک علماء بھی شامل تھے، چنانچہ ۲۰ دسمبر ۲۳ء کو یہ تجویز منظور ہوئی۔

"مسئلہ ارتداد پر ارکان ندوہ اپنے فرائض محسوس کر رہے تھے اور اطراف ملک سے بھی خطوط اور مراسلے برابر آرہے تھے لیکن عین وقت پر اچانک مولانا سید عبدالحئی حسنی صاحب ناظم ندوۃ العلماء کی وفات نے ندوہ کے انتظامی شیرازہ کو بکھیر دیا جس کی وجہ سے اب تک کوئی عملی کارروائی نہیں کی جاسکی، اب چونکہ ندوہ کے عہدیداران کی تنظیم و ترتیب ہو چکی ہے اس لئے جلسہ انتظامیہ اب یہ تجویز کرتا ہے کہ مولوی مسعود علی ندوی بحیثیت رکن انتظامی ندوۃ العلماء کی جانب سے فتنۂ ارتداد کے متعلق خدمت انجام دیں گے اور اپنے زیر نگرانی سرمایہ فراہم کرنے اور کام کرنے والے اشخاص مقرر کریں گے۔"(۱)

ناظم ندوۃ العلماء نے پیش کیا کہ "فتنۂ ارتداد کا انسداد نہات ضروری ہے اور اس کے واسطے ضرورت ہے کہ ایک تبلیغی شاخ کھولی جائے جس کے مصارف کے واسطے سر دست دوسو روپئے ماہوار کی حاجت ہے، یہ طے ہوا کہ دارالعلوم میں ایک خاص درجہ تبلیغ کے واسطے کھولا جائے بشرطیکہ کم سے کم دوسو روپیہ ماہوار سرمایہ جمع ہو سکے اور یہ جلسہ مولوی سید سلیمان ندوی اور مولوی مسعود علی ندوی سے خواہش کرتا ہے کہ وہ اس درجہ کے کھولنے کے واسطے فوری کارروائی کریں اور نظام عمل تیار کر کے پیش کریں۔(۲)

جب دارالعلوم میں یہ درجہ کھلا تو انھیں ایام میں ارتداد اور شدھی سنگٹھن کے سدباب کے لئے جمیعۃ مرکزی تبلیغ الاسلام کا قیام بھی عمل میں آچکا تھا۔ اس کی ایک شاخ جمیعت

---

(۱) تاریخ ندوۃ العلماء حصہ دوم ص: ۲۵۵

(۲) حوالہ سابق

تبلیغ الاسلام صوبہ متحدہ قائم ہوئی، دونوں کے بنیادی اور متحرک ذمہ دار مولانا سید عبدالحئی تھے، مولانا کی تحریک ندوہ سے بڑی وابستگی تھی، چنانچہ انھوں نے اس دوران بہت سے نو مسلم طلبہ کو دارالعلوم میں داخل کیا، سید محمد عبدالسمیع صاحب ان کے تذکرہ میں تحریر کرتے ہیں

"سابق ناظم ندوۃ العلماء جناب ڈاکٹر سید عبدالعلی صاحب سے دعوت و تبلیغ کے سلسلہ میں فکر و ذوق کی ہم آہنگی نے رابطہ پیدا کیا۔ ۳۶ء میں دارالعلوم ندوۃ العلماء میں ۱۷ نو مسلم اچھوت اور مسلمانوں کے پسماندہ طبقات کے چار طالب علم دینی تعلیم کے لئے گئے۔ ۴۷ء کے خونیں انقلاب نے موصوف کو رفقاء سے محروم کر دیا اور حکومت نے ان کی سرگرمی پر پابندی لگادی جس کی وجہ سے ان کی دعوتی مساعی دور دور ہو گئیں۔(۱)

دارالعلوم میں داخل ہونے والے ان نو مسلم طلبہ نے آگے چل کر دین اسلام کی خوب آبیاری کی اور وہ دین کے عظیم شہسوار ثابت ہوئے 'ارتداد کا یہ فتنہ اتنا سنگین تھا کہ ہر شخص اپنی اپنی جگہ بے قرار تھا چنانچہ اگر اس تحریک میں ذرا بھی سستی پیدا ہوتی تو علامہ شبلی اس کے اندر نئی روح پھونک دیتے۔ ان کی بے کلی کا اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے کہ جب انھیں اطلاع ملی کہ شاہجہانپور کے قریب ایک مسلمان زمیندار راجپوت مرتد ہونا چاہتا ہے تو وہ بے قرار ہو گئے۔ پہلے سیدھے دارالعلوم تشریف لائے اور طلبہ کے مجمع میں تقریر شروع کی۔ تقریر کے شروع میں سورہ کفر تعوذ اور بسم اللہ کے بغیر پوری پڑھی۔ "اذاجاء نصر اللہ والفتح ورایت الناس یدخلون فی دین اللہ افواجاً" پھر فرمایا عزیزو۔ تم نے خیال کیا ہو گا کہ میں نے آیت غلط پڑھی۔ ایک دن تھا کہ جب لوگ جوق در جوق اسلام میں داخل ہوتے تھے لیکن آج وہ دن ہے کہ لوگ جوق در جوق اسلام سے نکلے جارہے ہیں۔ پھر مسلمانوں کی بے پروائی اور اس فتنہ کے جو نتائج نکلیں گے ان کا منظر کھینچا اور طلبہ کو تبلیغ کے سپاہی بننے کی ترغیب دی۔ اور شاہجہان پور کے مذکورہ علاقہ کے لئے نکل پڑے اور وہیں پڑاؤ ڈال دیا۔

فتنہ ارتداد کے ساتھ برصغیر کے مسلمان کچھ ایسے مزید فتنوں اور آزمائشوں سے دوچار ہوئے کہ اسلام کی نیا ہچکولے کھانے لگی اور ہر لمحہ ایسا محسوس ہونے لگا کہ یہ فتنے اسلام کو بیخ و بن سے اکھاڑ پھینکیں گے۔ ارکان ندوہ ان فتنوں کے سدباب کے لئے جی جان سے کمربستہ ہو گئے اور بتدریج مسلمانوں کے ساتھ پیش آمدہ مسائل اور اسلام کے خلاف باطل

---

(۱) قصبہ کوڑہ۔ تاریخ و شخصیات از مولانا سید عبدالسمیع ندوی ص: ۳۴۳

کی معرکہ آرائیوں سے ٹکر لیتے رہے۔

عیسائیت ان فتنوں میں سب سے اہم فتنہ عیسائیت رہا ہے جو ازل سے ہی مسلمانوں کے خلاف طرح طرح کی سازشیں رچ کر ان کو نیست و نابود کرنے کے درپے رہا ہے۔ خاص کر ندوۃ العلماء کے قیام کے زمانہ میں عیسائی مشنری بہت متحرک تھی اور بہت تیزی کے ساتھ ملک کے اندر یہ تحریک زور پکڑ رہی تھی۔ چنانچہ شوال ۱۳۱۲ھ کو جب ندوۃ العلماء کا سہ روزہ اجلاس روہیلکھنڈ کے مشہور شہر بریلی میں منعقد ہوا تو نشست میں مولانا شفقت اللہ صاحب بدایونی نے ایک تحقیقی مضمون پیش کیا جس میں اعداد و شمار کے ذریعہ عیسائی مشنریوں کی سرگرمیوں کا جائزہ پیش کیا گیا تھا اور ان کے طریق کار پر روشنی ڈالی گئی تھی۔ یہ مضمون بڑا محققانہ، فاضلانہ اور مبصرانہ تھا۔ مولانا سید محمد علی مونگیری ناظم ندوۃ العلماء نے فرمایا۔

"یہ تمام امور، اہل اسلام بالخصوص علماء کی نہایت توجہ کے لائق ہیں، غیر قوموں کی مستعدی اور کوششوں کو ملاحظہ کرکے بیدار ہوں اور اپنے پاک مذہب اسلام کی حمایت پر مستعد ہو جائیں۔ ندوۃ العلماء سے جو کچھ ہو سکے گا کریگا۔"(۱)

عیسائیت کے خلاف ندوۃ العلماء کا یہ مشن ہر دور میں کام کرتا رہا اور اس سلسلہ میں جو مفید امور ہوئے ان کی انجام دہی میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھی، مجلس تحقیقات سے ایسا لٹریچر نشر ہوا جو عیسائیت کا قلع قمع کرے اور وہ دنیا کے سامنے اصل حقائق آشکارا کرے۔ نیز جب المعہد العالی للدعوۃ والفکر الاسلامی کا قیام عمل میں آیا تو اس میں بھی ادیان کے تقابلی مطالعہ میں عیسائیت کو سرفہرست رکھا گیا۔ حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی مدظلہ العالی تحریر کرتے ہیں۔

"یوں تو قدیم مذاہب ہونے کی بنا پر یہودیت اور مجوسیت اور ہندوستان میں پیدا ہونے والے اور یہاں سے ظہور کرنے کی بنا پر ہندو مت اور بدھ مت ہماری خصوصی توجہ کے مستحق ہیں۔ اور مستقبل میں ان کے مطالعہ، ان میں گہری نظر اور ان سے مستند واقفیت پیدا کرنے کا سامان کیا جائے لیکن فی الحال عیسائیت کو اس سلسلہ میں اولیت حاصل ہے اور اسی سے اس شعبہ کا کام شروع کرنا چاہئے"(۲)

اس کے ساتھ ساتھ مولانا محمد علی مونگیری نے جہاں قادیانیت کے باب میں گرانقدر خدمات انجام دیں وہیں عیسائیت کے رد کے لئے ان کی خدمات کو فراموش نہیں کیا جاسکتا۔

قادیانیوں نے بہار وپنجاب پر بطور خاص یورش کی اور اخبارات ورسائل کے ذریعہ قادیانیت کی تبلیغ شروع کی تو اسوقت ان رسائل کی تعداد تقریباً ۲۶ ہزار تھی۔ مولانا مونگیری اس صورت حال سے بے چین ہو کر باقاعدہ بہار میں اقامت پذیر ہوگئے۔اور اپنی ساری صلاحیتوں کے ساتھ میدان میں اتر آئے اور پوری زندگی اس کے لئے قربان کردی۔اور اپنے تمام مریدین ومسترشدین رفقاء واہل تعلق کو اس میں بڑھ چڑھ کر حصہ لینے کی تلقین کی۔اور صاف صاف کہا کہ جو اس معاملہ میں میرا ساتھ نہیں دے گا میں اس سے ناخوش ہوں۔(۱)

مولانا نے اپنی خانقاہ میں خاص اسی مقصد کے لئے ایک پریس بھی قائم کیا، چونکہ دہلی اور کان پور سے طبع کروا کے مونگیر لانے اور اشاعت کرنے میں خاصا وقت صرف ہوتا تھا اس لئے اس پریس سے اور کتابوں کے علاوہ تقریباً سو کتابیں شائع ہوئیں۔جو سب مولانا کے قلم سے ہیں۔ ان کتابوں کو مولانا اکثر تقسیم کرتے تھے اور قادیانیت کے مقابلہ کے لئے اسقدر اہتمام کرتے تھے کہ کہا کرتے تھے "اتنا لکھو اور اسقدر طبع کراؤ اور اس طرح تقسیم کرو کہ ہر مسلمان جب صبح سو کر اٹھے تو اپنے سرہانے وہ قادیانی کی کتاب پائے۔(۲)

مولانا نے فرمانروائے دکن کے علاوہ نظام حیدر آباد کے استاد مولانا انوار اللہ خاں صاحب کو ایک مفصل مکتوب میں اس جانب توجہ دلائی اور بڑی چابکدستی کے ساتھ حیدر آباد سے اس زہر کو ختم کیا۔

بہار میں بہت سی مساجد پر بھی قادیانیوں نے قبضہ کر رکھا تھا اور مسلمانوں نے صبر کرلیا تھا، لیکن مولانا کی پشت پناہی سے قادیانیوں کو ان مسجدوں سے بے دخل کیا گیا جن کو بڑے مقدمات کے بعد بھی لوگ بازیاب نہ کراسکے تھے۔

مولانا کی ان مساعی جمیلہ کا نتیجہ یہ ہوا کہ پورے ملک سے قادیانیت کا صفایا ہوگیا اور وہ زہر جو بہار، پنجاب، بنگال، مدراس، بمبئی، گجرات، حیدر آباد، ڈھاکہ، نواکھالی میں زور وشور کے ساتھ پھیلا جارہا تھا اور پورے پورے علاقوں کو متاثر کئے جارہا تھا مولانا کی ذاتی اور اجتماعی مساعی سے ان تمام علاقوں سے تحریک قادیانیت کے پنجے اکھڑ گئے۔اور ایک بڑا علاقہ نعوذ باللہ مرتد ہونے سے محفوظ رہا، یہ قادیانیت کے طفولیت کا دور تھا، اور اس دور میں اس کی پسپائی کا نتیجہ یہ ہوا کہ اس کے بعد ہزارہا وسائل اور فریب کے باوجود یہ تحریک زیادہ اثر انداز نہ ہوسکی۔

---

(۱) حوالہ سابق ص: ۲۷۶

(۲) سیرت مونگیری بحوالہ مقالہ متعلقہ سوانح ص: ۴۶

بس مختصر یوں سمجھئے کہ مولانا رحمت اللہ کیرانوی (م ۱۳۰۹ھ) کے بعد مولانا مونگیری کی وہ شخصیت تھی جنھوں نے پوری کامیابی اور خوبی کے ساتھ اس وقت کے مشہور پادری منشی صفدر علی اور پادری عمادالدین کے اعتراضات کے جواب دیے اور ضعیف العقیدہ مسلمانوں کے شکوک کو دفع کیا۔

مولانا نے رد عیسائیت میں ۱۲۸۹ھ میں کان پور سے ایک اخبار "منشور محمدی" جاری کیا اور چونکہ یتیم اور غریب بچے عیسائیوں کا نشانہ بنتے تھے۔ اس لئے اس کے سدباب کے لئے کان پور میں یتیم خانہ قائم کیا۔ مراۃ الیقین، آئینۂ اسلام، ترانہ حجازی، ساطع البرہان، براہین قاطعہ مولانا کی اسی سلسلہ کی تصنیفات ہیں، لیکن سب سے معرکۃ آلارا تصنیف جس کو مولانا رحمت اللہ کیرانوی کی "اظہار الحق" سے تشبیہ دی جاسکتی ہے وہ "پیغام محمدی" ہے۔

قادیانیت دوسرا سب سے مہلک اور زہرناک فتنہ قادیانیت کا تھا جو رفتہ رفتہ بہار و پنجاب کے ساتھ ساتھ پورے برصغیر میں اپنی جڑیں مضبوط کرتا جارہا تھا اور عالم اسلام کے اندر بھی لوگوں میں اس کے سلسلہ میں بے چینی اور کرب نظر آتا تھا۔ سلسلہ میں یوں تو تمام ارکان ندوہ فکرمند تھے لیکن ان میں سر فہرست بانی ندوۃ العلماء مولانا مونگیری کی شخصیت تھی، مولانا نے اپنی پوری زندگی قادیانیت کے لئے وقف کردی تھی ان کا سب سے بڑا کارنامہ قادیانیت کا مقابلہ اور سر کوبی ہے۔ انھوں نے قادیانیت کی تردید میں سو سے زائد کتابیں لکھیں اور رسائل تصنیف کئے۔ ۱۹۰۲ء میں ایک رسالہ تحفۃ الندوہ لکھا اس کے مخاطب بالخصوص ندوہ کے علماء وارکان اور بالعموم تمام علماء تھے۔ جو ندوہ کے اجلاس امرتسر منعقدہ ۱۹۰۲ء میں شریک تھے اس میں مرزا صاحب نے بہت کھل کر اور وضاحت کے ساتھ اپنے خیالات ظاہر کئے۔ مولانا محمد علی نے اس وقت اس کی تردید کی کوئی خاص ضرورت محسوس نہ کی اور اس مسئلہ پر یادہ توجہ نہ دے سکے، لیکن اس کے بعد مولانا نے متعدد رسائل اس موضوع پر لکھے اور مختلف علاقوں میں خطو اور مراسلے روانہ کئے۔ مولانا کے ان خطوط ومکاتیب نے اتنا کام کیا کہ بعض اوقات قادیانی مبلغ یہ علم ہوتے ہی کہ مولانا کے رسائل کی فلاں جگہ عام اشاعت ہورہی ہے وہ جگہ چھوڑ کر چلے گئے اور جب وہاں بھی ان رسائل نے ان کا تعاقب کیا تو کسی تیسری جگہ پناہ لینی پڑی، یہاں تک کہ نوبت آئی کہ مولانا کا نام ہی قادیانیوں کی شکست کا رمز بن گیا۔"(۱)

---

(۱) سیرت مولانا سید محمد علی مونگیری ص: ۳۲۵

برصغیر سے اس تحریک کو کافور کرنے میں تو مولانا کی مساعی کو فراموش ہی نہیں کیا جا سکتا لیکن جب عرب ممالک تک کی انھیں سن گن پہونچی تو عرب علماء قادیانیت کے سلسلہ میں واقفیت کے لئے بے چین ہو گئے، چونکہ انھیں اس فتنہ کے سلسلہ میں مکمل معلومات فراہم نہیں ہو پا رہی تھیں، ایسے نازک موقع پر حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی مدظلہ نے عربی زبان میں قادیانیت پر ایک مضمون تیار کیا جو متعدد عربی مجلات ورسائل میں شائع ہوا لیکن تقاضا تھا کہ اس موضوع پر باقاعدہ عربی زبان میں ایک کتاب شائع ہو تاکہ عرب اس نئے فتنے سے بخوبی واقف ہو سکیں۔ ۵۷ء میں پنجاب یونیورسٹی کے زیر اہتمام لاہور میں مجلس مذاکرات اسلامی کے وقت عرب علماء کے اندر قادیانیت کے سلسلہ میں عام طور پر بے چینی پائی گئی۔ مولانا مدظلہ اس پروگرام میں شریک نہ ہو سکے لیکن جب بعد میں لاہور پہونچے تو حضرت مولانا عبدالقادر صاحب رائے پوری نے حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی سے اس موضوع پر عربی میں ایک مکمل کتاب کی تالیف کے لئے کہا اور اس کے لئے تمام سہولیات وضروریات مہیا کیں۔ حضرت مولانا نے صرف ۲۳۔۔۔۲۴ دن کے اندر القادیانی والقادیانیۃ کے نام سے کتاب تیار کر دی جس کے کئی ایڈیشن نکل چکے ہیں۔ اس کتاب سے عربوں کی تشنگی دور ہوئی اور دین کی ایک اہم ضرورت پوری ہوئی۔

استشراقی فتنہ ندوہ کے بیدار مغز اور دور اندیش علماء نے استشراقی فتنہ کی آہٹ پہلے سے محسوس کر لی تھی اور وہ اس کے خطرناک نتائج واثرات سے بے پروانہ تھے۔ چنانچہ ندوۃ العلماء کے اجلاس نوزدہم منعقدہ لکھنؤ ۱۹۲۵ء میں صدر یار جنگ مولانا حبیب الرحمن خاں شیروانی نے خطبہ صدارت میں لوگوں کو اس فتنہ سے آگاہ کیا اور اس فتنہ کے اندوہناک نتائج سے خبردار کرتے ہوئے دعوت دی کہ

"خود دارالعلوم ندوۃ العلماء کو جدید سازوسامان درکار ہوں گے، وسیع اور عالی شان کتب خانہ، اساتذہ یورپ کے علمی السنہ کی تعلیم کا وسیع پیمانہ پر نظم، بالاہتمام تحقیقات کے شائق طلبہ جو ممالک غیر کا سفر کریں اور تحقیقاتی وظائف اور مصارف سے یاب ہوں خود اپنا عظیم الشان مطبع قائم کریں۔

یارب ایں آرزوئے من چہ خوش است
تو بدیں آرزو مرا برساں (۱)

(۱) تاریخ ندوۃ العلماء جلد دوم ص: ۲۶۲

علامہ شبلی نے بھی اس موقع پر بڑی دوراندیشی اور دور بینی سے کام لیا اور جوں ہی اس فتنہ کی آہٹ محسوس ہوئی اس کے سد باب کے لئے اٹھ کھڑے ہوئے، علامہ سید سلیمان ندوی حیات شبلی میں یوں لکھتے ہیں۔

"ایسے ہوشمند حریفوں کے مقابلہ کے لئے ساری دنیائے اسلام میں جو شیر دل اسلام کی صف میں سب سے پہلے نکلا وہ مولانا شبلی ہی تھے، جنھوں نے انہی کے طریقہ سے ان کے اسلوب پر ان کو جواب دینا شروع کیا اور بتایا کہ اسلام کے فیض وبرکت کی فرح بخش ہواؤں نے دنیا کے علم و تمدن کی بہاروں کو کیسے اجالا کیا اور یونانیوں اور ہندوستان کے مروجہ علوم میں کیونکر اپنے محنتوں اور تحقیقوں سے جان ڈالی۔(۱)

ان ہی اکابرین کی رات دن کی تڑپ اور بے چینی نے استشراق کے سلسلہ میں حقائق کے تمام دبیز پردوں کو چاک کیا اور اسلام اور مستشرقین جیسے اہم موضوع پر بین الاقوامی مجلس مذاکرہ منعقد کرکے اس ادارہ نے علم دین کی ایسی بڑی خدمت انجام دی جسے فراموش نہیں کیا جاسکتا اور انھوں نے اس کے ذریعہ اپنی تاریخی خدمات میں ایک روشن باب کا اضافہ کیا، سیمینار کے مقالے عربی میں "الاسلام والمستشرقون" اور اردو میں "اسلام اور مستشرقین" (پانچ جلدیں) کے نام سے شائع ہوچکی ہیں ندوۃ العلماء سے نکلنے والے عربی مجلہ البعث الاسلامی کا ایک نمبر بھی اس موضوع پر نکل چکا ہے۔

عرب قومیت اور ندوہ کی صحافت

ندوۃ العلماء کے نامور صحافیوں اور اہل قلم نے ہر دور میں اسلام دشمن طاقتوں کی سرگرمیوں کو اور صحیح اسلامی فکر کی اشاعت کے لئے اہم رول ادا کیا جس کی افادیت سے انکار نہیں کیا جاسکتا۔ افکار و نظریات کا کسی معاشرہ کے اندر وہ عمل دخل ہوتا ہے کہ ان کے بدل جانے سے پورے تصورات اور ایمان وعقائد میں لرزہ آجاتا ہے اور ایمان ویقین کی بنیادیں ملنے لگتی ہیں۔ تحریک ندوۃ العلماء کے علمبرداروں نے ہر دور میں قدم کے ساتھ ساتھ حالات کے تقاضے کو دیکھتے ہوئے قلم سے بھی اسلام کو خوب خدمت کی وہ عملی میدان میں بھی پیچھے نہ ہٹے اور جب دیکھتے کہ قلم کا میدان ہے تو ان کا اشہب قلم پورے سازوسامان کے ساتھ جلوہ گر نظر آنے لگتا۔ چنانچہ علامہ شبلی نعمانی، علامہ سید سلیمان ندوی، مولانا عبد الماجد دریابادی، مولانا مسعود عالم ندوی، مولانا حبیب الرحمن خاں شیروانی، حکیم مولانا سید عبد الحئی حسنی، حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی اور دیگر قائدین

(۱) حیت شبلی ص: ۲۵

نے اس سلسلہ میں وہ خدمات انجام دیں۔ جنھیں رہتی دنیا تک فراموش نہیں کیا جاسکتا۔

دوسری عالمی جنگ عظیم کے بعد جب دنیا نظریاتی طور پر بڑی تیزی سے بدل رہی تھی اور پوری دنیا کے اندر بالخصوص عالم اسلام کے اندر ایک انقلابی کیفیت طاری تھی۔ اس نازک موقع پر اسی تحریک کے فکر ارجمند کے حاملین نے یہ عظیم بیڑا اٹھایا اور قومیت عربیہ اور مغربی الحاد کے خلاف علم جہاد بلند کیا اس میں جو قد آور شخصیت سب سے پیش پیش تھی وہ مفکر اسلام حضرت مولانا ابوالحسن علی ندویؒ کی تھی جنھوں نے اپنے بیان و قلم کے زور سے پورے عرب کو جھنجھوڑ کر اور ہلا کر رکھ دیا اور عالم اسلام کو قومیت عربیہ کی اس آندھی سے بچالیا جو ممکن تھا کہ عربوں کی طاقت اور ان کے فکر و نظر کو مٹا کر رکھ دے۔ حضرت مولانا مدظلہ اس کی تفصیل خود تحریر کرتے ہیں

"۱۹۵۲ء میں جب مصر میں انقلاب آیا اور زمام اختیار و قیادت صدر ناصر کے ہاتھ آئی اور قومیت عربیہ کی وہ تیز و تند آندھی اٹھی جو عرب نوجوانوں بلکہ پختہ کار عربوں کی بھی ایک تعداد کو اڑالے گئی۔ بڑے بڑے تناور درخت اور علم و ادب کی کوہ پیکر شخصیتیں اس طوفان میں پتہ کی طرح اڑتی اور اس سیلاب میں تنکے کی طرح بہتی نظر آتی تھیں۔ اس وقت یہ ضرورت محسوس ہوئی کہ فکر اسلامی اور دعوت اسلامی کی ترجمانی کے لئے عربی کا ایک رسالہ نکالا جائے۔ اس وقت اس تحتی براعظم میں عربی کا کوئی رسالہ نہ تھا۔ ندوۃ العلماء کا آرگن "الضیاء" ۳۵ء میں ہی بند ہو گیا تھا عربی صحافت کا مزاج ایسا بگڑا تھا کہ جو لوگ اس فتنہ عالم آشوب سے متاثر نہیں تھے اور قومیت عربیہ اور عرب قیادت پر تنقید کرنا چاہتے تھے ان کے مضامین کا کسی اخبار و رسالہ میں چھپنا بھی دشوار تھا اور اگر وہ کہیں چھپتے تو یہ رسالے ان غضبناک نوجوانوں کے عتاب کا نشانہ بن جاتے جو اس فلسفے پر ایمان لا چکے تھے اور جن پر قومیت و اشتراکیت کا نشہ چھایا ہوا تھا۔

۵۰ء میں جب یہ تحریک اپنے شباب پر تھی اور سارا مشرق وسطی اس نشہ سے مست اور اپنے جامہ سے باہر تھا ہم لوگوں نے عربی رسالہ کے اجراء کا ارادہ کیا اس کے کچھ پیشتر محمد میاں (مولانا محمد الحسنی) ایک مضمون رسالہ المسلمون میں العالم الاسلامی علی مفترق الطرق (دنیائے اسلام دوراہے پر) کے عنوان سے شائع ہوا تھا۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۵۵ء میں البعث الاسلامی کے نام سے یہ رسالہ نکلا اس کے مدیر مالک سب کچھ محمد میاں ہی تھے۔ بھائی صاحب مرحوم (ڈاکٹر سید عبد العلی صاحب) نے اس کی سرپرستی قبول فرمائی۔ محمد میاں کے دوست اور دارالعلوم کے لائق استاد مولانا سعید الرحمن اعظمی ندوی ان کے معاون تھے۔"

حضرت مولانا مدظلہ آگے لکھتے ہیں

اس کے کچھ عرصہ کے بعد ۵۹ء سے ایک پندرہ روزہ اخبار الرائد بھی نکلنا شروع ہوا جس کے مدیر خصوصی مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی، شریک ادارت مولانا سید محمد واضح رشید ندوی تھے اور خصوصی مضمون نگار محمد میاں، اس اخبار نے رسالہ کو کمک پہونچائی اور دونوں نے مل کر صحیح خیالات کی اشاعت کا بیڑہ اٹھایا۔

"البعث" نے ایک ایسی حکومت اور دعوت اور تحریک کے خلاف محاذ کھول دیا جو عصر حاضر کی ان تمام طاقتوں سے مسلح تھی جو کسی بڑی حکومت وسیع ملک اور شاطر قیادت کو حاصل ہوتی ہیں، کہاں مصر کا کا سحر سامری اور دبدبۂ فرعونی جس کے جلو میں صحافیوں، ادیبوں، خطیبوں، مصنفوں اہل قلم کا لشکر اور ذرائع ابلاغ کے زبردست مرکز تھے۔ جنھوں نے اچھی اچھی مخالف عرب حکومتوں کے چھکے چھڑا دئے تھے کہاں محدود تعداد میں معمولی ٹائپ و کاغذ پر چھپنے والا عربی کا یہ غریب رسالہ جس کے عملے کا حال یہ تھا کہ

خود کوزہ، خود کوزہ گر و خود گل کوزہ"

بہت جلد اس رسالہ نے اسلام پسند حلقوں میں جو مصر کی اس خانہ برانداز تحریک سے بے چینی محسوس کر رہے تھے لیکن کھل کر اپنی بے زاری کا اظہار نہیں کر سکتے تھے مقبولیت حاصل کرلی۔ حضرت مولانا تحریر فرماتے ہیں

"البعث" کے اداریوں اور مقالات کی گونج صرف اسلامی حلقوں میں ہی نہیں سنی گئی بلکہ مصر و شام کے ادبی صحافتی حلقوں اور حکومت کے ایوانوں میں بھی سنی گئی۔ مجھے ایک باخبر و معتبر مصری دوست نے بتایا کہ صدر ناصر کو جو چند رسائل اور اخباروں کے تراشے مطالعہ کے لئے پیش کئے جاتے تھے ان میں البعث الاسلامی بھی ہوتا تھا۔ ہندوستان کے مصری سفارت خانہ نے حکومت ہند سے اس کے خلاف احتجاج بھی کیا اور ایڈیٹر سے جواب طلبی بھی ہوئی لیکن انھوں نے اپنی روش نہیں چھوڑی راقم السطور سے مشہور عرب رہنما اور مجاہد شیخ محمد محمود صواف نے خود ایک مرتبہ کہا تھا کہ البعث الاسلامی نے ناصر کو بے نقاب کرنے کے سلسلے میں جو کردار ادا کیا ہے وہ پورے عالم اسلام میں کسی رسالہ یا اخبار نے نہیں کیا۔" (۱)

---

(۱) پرانے چراغ، حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی حصہ دوم ص: ۳۹۵

ہندو احیائیت اور اس کا سدباب

ساتویں دہائی کے بعد بڑی تیزی سے ہندوستان کے اندر ہندو احیائیت کا طوفان ملت اسلامیہ کے لئے ایک بڑے خطرے کی شکل میں اٹھا، اور ایسا محسوس ہو رہا تھا کہ یہ طوفان ملک کے اندر سے تمام اسلامی اثرات آثار قدیمہ اور مقدس مقامات اڑا لے جائے گا اور ان کو درہم برہم کردے گا اس بناء پر کہ ہندو شدت پسند تنظیموں نے مساجد اور آثار اسلامی پر اپنے حق کا اعلان اور دعوی شروع کردیا تھا اور ایسا لگتا تھا کہ اگر ہندوستان میں ان درپیش خطرات سے صرف نظر کیا گیا تو خاکم بدہن اس ملک کے اسپین بن جانے میں کوئی دیر نہیں اس جارحانہ احیائیت تشدد اور منافرت نے ہزاروں برس کی سوئی ہوئی تاریخ کو چھیڑنا شروع کیا اور تاریخ کے مسودوں سے اسلامی حکمرانوں اور مسلمانوں کے خلاف باہم منافرت وعداوت کو بڑھانے والے جراثیم ابھارے جانے لگے یہ ایسی گہری سازش تھی کہ جس کے نتیجہ میں ملت اسلامیہ ہندیہ سخت آزمائش اور کشمکش سے دوچار قتل وخون کا ایسا بازار گرم ہوا جو تھمنے کا نام نہیں لیتا تھا بالآخر وہ عظیم سانحہ پیش آیا جس سے بچنے کے لئے ہندوستان کے مسلمانوں نے عظیم قربانیاں پیش کی تھیں اور جو ہمیشہ کے لئے تاریخ کے صفحات میں ایک سیاہ باب تصور کیا جاتا رہے گا یہ عظیم اور المناک حادثہ بابری مسجد کی شہادت کا سانحہ تھا۔

اس صورت حال نے ایک طرف اس ملک نے مسلمانوں کے مستقبل پر سوالیہ نشان لگا دیا تو دوسری جانب ملک کا انتشار اور منافرت کا یہ رجحان دعوت اسلامی کے لئے ایک بڑی رکاوٹ بن گیا اور اس خلیج نے دو قوموں کے دلوں میں اتنی دوری پیدا کردی جس کے پر ہونے کی بظاہر کوئی صورت نظر نہیں آتی۔ چنانچہ حضرت مولانا ابوالحسن علی ندوی اور دیگر اکابر، مسلمانوں پر پڑنے والے اثرات اپنی دوربین نگاہ سے بھانپ گئے۔ مولانا کی نظر میں یہ کوئی فوری اور اچانک پیش آمدہ مسئلہ نہ تھا بلکہ اس کی بنیادی وجہ نصاب تعلیم اور تاریخ میں تبدیلی تھی جس کی بناء پر مسلمانوں کی نئی نسل کا اسلام کے بنیادی عقائد ایمانیات اور اپنے ملی تشخص کے بقاء کا مسئلہ پیدا ہو گیا تھا۔ چونکہ تقسیم کے بعد سے ہی نصابی کتابوں اور بیسک میں ہندو دیومالا (MYTHOLOGY) اور مشرکانہ کہانیاں اور اسباق شامل کئے جارہے تھے۔ چنانچہ حضرت مولانا اور ان کے دیگر رفقاء خصوصاً قاضی عدیل عباسی اور ظفر احمد صدیقی ان مسائل کے حل کے لئے اٹھ کھڑے ہوئے اور ان لوگوں نے دینی تعلیمی کونسل کے قیام کا خاکہ مرتب کیا جس کے قیام سے مسلمان بچے اس مسموم اور زہریلے نصاب سے محفوظ ہو گئے جس سے ان کا دین وایمان داؤں پر لگ رہا تھا۔ کونسل نے اپنے مقاصد میں نمایاں

کامیابی حاصل کی اور پورے ملک میں مدارس اور مکاتب کا اس سے الحاق ہوا اور اس کا نصاب رائج ہوا۔ اسوقت کونسل کے زیر اہتمام صوبہ یوپی اور دیگر صوبوں میں دس ہزار سے زائد پرائمری مکاتب چلائے جارہے ہیں۔

تحریک پیامِ انسانیت ماحول کی اس فتنہ سامانی اور باشندگان وطن کی منافرانہ روش اس بات کی متقاضی تھی کہ اس ملک میں پیار و محبت گیت گائے جائیں اور انسانیت اور شرافت کا اسلام کا دیا ہوا سبق اور پیغام ملک کے اندر عام کیا جائے اس کا خاص محرک امن وامان کے قیام کے نام پر برادران وطن کے سامنے اسلام کے پیغام اور اس کی دعوت کو پیش کرنا تھا۔ حضرت مولانا نے اس کے لئے پیام انسانیت کی تحریک کو سب سے بہتر اور مناسب سمجھا نفرت اور عداوت کے ماحول میں انسانیت اور محبت کے واسطے سے اسلام کی دعوت کو عام کرنے کا دوسرا کوئی راستہ نہیں تھا۔ چونکہ حضرت مولانا کو اسلامی دعوت کا خاص ذوق وشوق ہے اور یہی ان کی زندگی کا مشن ہے۔ اسلئے مولانا نے اس کے لئے بڑے پیمانہ پر دورے اور اسفار کئے مولانا نے دعوت سے شغف کا یہ جذبہ اپنے خاندانی اثرات اور اپنی والدہ محترمہ کی دعاؤں کے نتیجہ میں پایا۔ حضرت مولانا مدظلہ ذکر خیر میں اپنی والدہ کی ایک آرزو نقل کرتے ہیں۔

نہ صرف خاندان بلکہ اسلام کا نام روشن کرنے والا' دین کا مبلغ اور داعی دیکھنے کی آرزو ان کی زندگی کی سب سے بڑی آرزو اور چراغ زندگی تھا۔ جس کی لو سے ان میں توانائی اور طاقت اور زندگی قائم تھی۔ ہر وقت اسی کی فکر' ہر وقت اسی کی دھن' ہر وقت اسی کی دعاء' اسی کا تذکرہ۔

مولانا ایک دوسری جگہ لکھتے ہیں:

میرے لئے ان کی سب سے بڑی آرزو یہ تھی کہ مجھ سے دین کی تقویت اور اسلام کی اشاعت ہو کبھی کبھی مجھ سے پوچھتیں' علی! تمھارے ہاتھ پر کبھی کوئی مسلمان بھی ہوا ہے؟ میں کہتا کہ ہاں' اکا دکا کبھی کسی نے کلمہ پڑھا ہے' فرماتیں کہ یہ آرزو ہے کہ جماعت کی جماعتیں تمھارے ہاتھ پر مسلمان ہوں۔ ایک روز بڑی ٹھنڈی سانس لے رہی تھیں چھوٹی ہمشیرہ نے کہا آخر آپ کیا چاہتی ہیں؟ کیا آپ کو خواہش ہے کہ علماء نبی ہوجائیں؟ تو فرمایا کہ کیا میں نہیں جانتی کہ نبوت ختم ہو گئی ہے' میری آرزو ہے کہ ان کے ہاتھ پر جماعت کی جماعتیں اسلام لائیں اور دنیا میں ایک کونے سے دوسرے کونے تک اسلام کا ڈنکا بج جائے۔(۱)

(۱) ذکر خیر ص: ۰۰ ۷

پیام انسانیت کے لٹریچر اور جلسوں نے اس مقصد میں بڑی کامیابی حاصل کی اور ایک بڑے طبقے نے جن میں اہم سیاسی کارکن افسران اور مورخ ورہنما بھی شامل ہیں، پیام انسانیت کا استقبال کیا۔اور غیر مسلموں نے یہ لٹریچر پسند کیا۔اوراس سے دلوں میں اسلام کی جانب رغبت بڑھی،ان کی طلب پر دیگر امور کے ساتھ اس خاص ضرورت کے لئے مولانا سید عبد اللہ حسنی ندوی نے حضرت مولانا کی کتابوں سے اپنی نگرانی میں اسلام کا ایک تعارف مرتب کرایایہ کتاب"اسلام ایک پریچے"(इस्लाम एक परिचय) کے نام سے شائع ہوئی اور ہزارہا نسخے تقسیم ہو کر مقبول ومفید ہوئے۔

حضرت مولانا نے پیام انسانیت کے لئے پورے ملک میں دورے کئے اور بڑے بڑے جلسوں کو خطاب کیا جن میں غیر مسلموں کی ایک بڑی تعداد شریک ہوتی اور اعلیٰ تعلیم یافتہ وعہدیداران بھی حصہ لیتے، عظیم مورخ وسیاست داں بشمبھر ناتھ پانڈے اور بعض دیگر غیر مسلموں نے اس تحریک میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا اور اسے وقت کی ضرورت قرار دیا ہندوستان کے ان حالات میں اسلامی دعوت کو عام کرنے اور اس کے پیام رحمت و انسانیت کی اشاعت کے لئے یہ سب سے موزوں پلیٹ فارم ہے جس کا خاطر خواہ نتیجہ سامنے آیا اور لوگوں کو اسلام کے تعارف کا بھی موقع ملا جس کے سلسلہ میں ان کے ذہنوں میں شکوک وشبہات تھے۔

غرض کہ تحریک ندوۃ العلماء کے ذمہ داروں اور اس سے وابستہ علماء اور شخصیات نے ہر دور میں اسلام کی اشاعت اور دعوت کے سلسلہ میں کوششیں کیں اور اس راہ میں تابناک نقوش قائم کئے اور آج بھی یہ کارواں اپنی پوری ضوفشانی اور تابناکی کے ساتھ اپنے سرپرست اور ناظم حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کی نگرانی اور سرپرستی میں رواں دواں ہے۔اس نے اس ملک کے مسلم معاشرہ میں ایک نئی روح بیدار کی اور اب بھی اسکی طوفانی موجیں اس ملک کے خاموش سمندر میں تلاطم برپا کررہی ہیں۔ کیونکہ

اسی دریا سے اٹھتی ہے وہ موج تند جولاں بھی
نہنگوں کے نشیمن جس سے ہوتے ہیں تہہ وبالا

روشنی کی کھوج

ماسٹر متین طارق باغپتی
باغپت، ضلع میرٹھ

مذہب ایک خاص قسم کا عقیدہ ہے جسے خدا تک پہنچنے کا راستہ یا ذریعہ کہا جاتا ہے دنیا میں لاتعداد انسان بستے ہیں اور لاتعداد ہی عقیدے رکھتے ہیں. کوئی کہتا ہے کہ اس کائنات کا ایک خدا ہے اسی نے اس کو بنایا ہے، کسی کا خیال ہے کہ دنیا کے دو خدا ہیں، کسی کا عقیدہ ہے کہ دو نہیں تین خدا ہیں اِن کے علاوہ کوئی یقین رکھتا ہے کہ ہوا، بارش، چاند، سورج اور آگ، سب خدا کے روپ ہیں، حتیٰ کہ بعض لوگ تو کنکر، پتھر، اور ہاتھ سے گھڑی ہوئی مورتیوں تک کو بھی خدا مانتے ہیں ۔۔

حضرات! میں چاہتا ہوں کہ ان تمام چیزوں، عقیدوں اور خیالوں کو سامنے رکھتے ہوئے آج آپ خود اپنے سے سوال کریں

اور وہ یہ کہ کسی اسکول کا انتظام چلانے کے لئے ایک ہیڈ ماسٹر، کسی فوج کو کنٹرول کرنے کے لئے ایک جنرل، کسی گھر کی دیکھ ریکھ کیلئے ایک مکھیا اچھا ہوتا ہے یا بہت سے ہیڈ ماسٹر لاتعداد جنرل بے شمار مکھیا؟

آپ کا فوری جواب یہ ہوگا کہ جس خوبی اور حُسن کے ساتھ ایک آدمی کسی ادارے کو چلا سکتا ہے، اتنا اور اُس اچھائی سے بہت سے آدمی نہیں چلا سکتے کیونکہ یہ ایک فطری بات ہے کہ ایک میان میں دو تلواریں نہیں سما سکتیں، ایک اسکول کے دو ہیڈ ماسٹر اور ایک ملک کے دو بادشاہ نہیں ہو سکتے اگر ایسا ہوگا تو ان کے مصالح آپس میں ٹکرا جائیں گے اور نظم و نسق میں انتشار پیدا ہو جائیگا،

یہی بات اِس اَتھاہ کائنات کے سلسلے میں ہم سوچیں جس میں لاکھوں تارے چاند، سورج، یہ زمین آسمان، اِدھر سے اُدھر پھیلے ہوئے ہیں اور نہایت نظم و ضبط کے ساتھ اپنے اپنے دائرے میں گردش کر رہے ہیں۔ کیا اتنا صحیح نظم ایسا ٹھیک بندوبست جس میں شروع دن سے آج تک کوئی فرق نہیں آیا، بغیر کسی ایک حاکم یا ایک منتظم کے ممکن ہو سکتا ہے،

میرا خیال ہے کہ آپ اس کا جواب یہی دیں گے کہ ایسا انتظام بغیر ایک حاکم کے نہیں چل سکتا کیونکہ اگر کہیں کائنات میں دو منتظم ہوتے اور دونوں ہی خود مختار ہوتے تو ایک نہ ایک دن اُن میں بارش ہونے یا ہوا چلانے کے سلسلے میں لڑائی ہو سکتی تھی اور اگر

ایسا ہوتا تو کیا یہ نظام ایک دن بھی قائم رہتا،

اس سے تمہارا دل خود گواہی دے گا کہ اس بڑی کائنات کا مالک اور انتظام کرنے والی تو ایسی ذات ہونی چاہیئے ،جو اکیلی ہو، بے حساب قوتوں کی مالک ہو ہر چیز کا علم رکھتی ہو جو کسی کی کسی وقت محتاج نہ ہو جو ہر طرح کے عیب ونقص اور کمزوری سے پاک ہو،

اب یہ بات طے ہونے کے بعد آپ یہ بھی خود ہی سوچیں کہ یہ چاند، ستارے سورج جو کبھی چمکتے اور کبھی ڈوب جاتے ہیں یہ پہاڑ یہ پتھر کے ٹیلے جو ٹوٹتے پھوٹتے رہتے ہیں یہ دریا جو پانی کی کمی کے باعث خشک سالی کا شکار ہو جاتے ہیں یہ آگ جو جلائے سے جلتی ہے اور بجھانے سے بجھتی ہے کیا کسی میں خدائی صفات اکٹھی ہیں یا ان میں نہ سہی کسی انسان کسی دیوی دیوتا یا پتھر کی مورتیاں اور دوسری ڈھکی چھپی ہستیاں جن کے سامنے انسان جھکتا گڑگڑاتا اور ہاتھ پھیلاتا ہے کیا ایسے خدا کی جگہ لے سکتی ہیں جو پوری کائنات کو جلاتا مارتا ہے سب کو روزی دیتا اور ضرورت کا سامان مہیا کرتا ہے

چاند، ستارے، ہوا، پانی، پیڑ، پہاڑ، پتھر اور ہاتھ سے گھڑی مورتیاں جو خود ہی بے بس ہیں اور اپنے اوپر بیٹھی مکھی تک کو نہیں اڑا سکتے حتی کہ اپنی بقا اور حفاظت کے لئے بھی اپنے عبادت گزاروں کی محتاج ہیں پھر بھلا ان کے سامنے سر نیایش جھکانا اپنی ضرورتوں کے لئے ہاتھ جوڑنا پیپل کی ٹہنیوں، پتھروں کے ٹکڑوں پر کسی شردھا

سے پانی چڑھانا مٹی کے تودوں کو پوجنا کہاں کی عقلمندی ہے بلکہ اس کے بر عکس عقل کا تقاضہ تو یہ ہے کہ آدمی اس بات کو مانے کہ

اس کائنات کا ایک ہی خالق اور پروردگار ہے،

وہ بے حساب قوتوں کا مالک ہے اس کی ذات اس سے منزہ ہے کہ کوئی اس کی اولاد ہو بلکہ وہ اکیلا ہے اور ساری کائنات کا رب ہے باقی سب اسکے بندے ہیں

اس کے اختیارات میں کوئی اس کا شریک نہیں ہے،

انسان، حیوان، جن، فرشتے، چاند، سورج، ہوا، پانی سب اسکے دست نگر ہیں،،

یہ سب باتیں عقلاً بھی دل کو لگتی ہیں لیکن اس رب کائنات نے اپنی مہربانی سے بنی نوع انسان کو زندگی کا سیدھا راستہ دکھانے اور برائیوں سے بچانے کے لئے ہمیشہ اپنے کچھ نیک بندے اٹھائے جنہیں رسول کہا جاتا ہے،

یہ رسول ہر دور ہر ملک اور ہر قوم میں آئے جنہوں نے لوگوں کو ایک ہی بات بتائی۔

لا الٰہ الا اللہ:۔

سوائے اللہ رب العزت کے کوئی دوسرا معبود نہیں ہے

سب سے آخر میں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے

انھوں نے بھی لوگوں کو اسی کلمہ کی طرف بلایا اور کہا سوائے خدا کے

کسی کو اپنا خالق نہ جانو خدا کے سوا کسی کی بندگی اور پرستش نہ کرو کسی اور اور کے آگے اپنا ہاتھ نہ پھیلاؤ،

یہ دعوت جو حضور اکرمؐ نے دی تھی وہ کسی ایک فرقے، کسی ایک قوم، کسی ایک پارٹی کے لیے نہیں، بلکہ سارے انسانوں کے لئے تھی،

اللہ ہمارا مالک ہے ہم اسکے بندے ہیں، حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں،،

سب لوگ برابر ہیں

ہمیں مرنے کے بعد برائی اور بھلائی کا بدلہ ملنا ہے،

اب سوچیئے کہ ان میں کونسی ایسی بات ہے جو بیکار ہو، جو سب کے فائدے کی نہ ہو اور جس پر عمل نہ کیا جاسکے۔

سچ پوچھو تو یہ ساری باتیں عین انسانی فطرت کے مطابق ہیں یہ ایسے اصولِ زندگی ہیں کہ جو دنیا سے آخرت تک راحت کے ضامن ہیں اور جنکو اپنانے کا نتیجہ یہ ہوگا کہ

سب بندگانِ خدا کا ایک خدا ہوگا جس کے سامنے سب جھکیں گے،

ایک رسول ہوگا جس کو سب پیشوا مانیں گے۔

ایک کتاب ہوگی جسکی ہدایت پر سب لوگ چلیں گے۔

ایک صاف عقیدہ اور بے لاگ ضابطہ ہوگا جسکی پیروی سب لوگ کریں گے۔

اور جنکو اپنا کر وہ ایک نئے عالمی خاندان کے فرد بن جائیگے۔

وہ بچوں جیسی تنگنائیوں اور تالابوں جیسی محدود قومیت سے آگے بڑھ کر وحدتِ انسانی کے ایک بڑے سمندر میں شامل ہو جائیں گے،

بس ذرا تعصب کو ہٹا کر سچائی کے ساتھ غور کرنے کی ضرورت ہے اگر اس طرح سوچا جائے تو معلوم ہوگا کہ اسلام ایک نور ہے جو انسانوں کو کفر کی اندھیریوں سے نکال کر حق کی روشنی میں لاتا ہے، وہ ایک نعمتِ عظمیٰ ہے جو لوگوں کی رہنمائی اور فلاح وسعادت کے لئے بھیجی گئی ہے،،

خاکم بدہن یہ عرض کرنے کو دل چاہتا ہے کہ دعوت کے جس عظیم فریضے کی ادائیگی امت کا مقصد ہے وہ صرف دین کی دعوت ہے اور دین وہ ہے جو قرآن وسنت کا دین ہے اور جس پر رسول اللہ ﷺ صحابہ کرام کو دنیا میں چھوڑ کر تشریف لے گئے تھے امت نے اس دین کی تبلیغ چھوڑ کر مسلک بلکہ نظریہ فکر کی دعوت کو اپنا فرض سمجھ رکھا ہے جس کی وجہ سے ہماری ساری صلاحیتیں اہل حق کے رد اور ان پر نقد کرنے میں ختم ہو جاتی ہیں۔ دینی تعلیمی کونسل کے ایک بڑے جلسہ کو خطاب کرتے ہوئے حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی مدظلہ العالی نے ارشاد فرمایا تھا کہ۔

''ہمیں بے حد افسوس ہے کہ ہم لوگ مسلک کی جنگ میں الجھ کر رہ گئے اگر یہ صلاحیتیں اسلام کی تبلیغ وتعارف پر صرف کی گئی ہوتیں تو ہندوستان میں اسلام ایسا اجنبی نہ ہوتا''

(مولانا محمد کلیم صدیقی)

نسلِ انسانی حادثاتی دور سے گزر رہی ہے

مولانا محمد کلیم صدیقی مدظلہ
صدر کل ہند جمعیت شاہ ولی اللہ، پھلت

اس کائنات کو پیدا کرنے اور چلانے والی وہ ذات عالی ہے جو حکیم و علیم بھی ہے اور خبیر و بصیر بھی اس نے اپنے علم اور حکمت سے کائنات کی چیزوں کو مختلف درجات اور مقامات عطا کئے اس کے علاوہ ہر مخلوق میں بھی ادنیٰ اور اعلیٰ طبقات بنا کر حسنِ انتظام اور حسنِ قدرت کی شان آشکارا فرمائی۔ کائنات کو منظم کرنے کے لئے کچھ چیزوں کو مخدوم و حاکم اور کچھ کو محکوم و خادم بنا کر اعلیٰ و اسفل کے طبقات مقرر فرمائے۔ اپنے علم و حکمت اور مشیت کی بنیاد پر قابلِ تعظیم چیزوں کو اعلیٰ مرتبہ سے اور دوسری قسم کی چیزوں کو ادنیٰ مرتبہ سے نوازا۔ توقیر و عظمت والی چیزوں کو اوپر رکھا اور انھیں اعلیٰ مقام عطا کیا، عرش و کرسی، جنت، اعلیٰ علییّن جیسے مقاماتِ بلند اسکی مثالیں ہیں۔ اس کے برخلاف تحقیر و نفرت کی چیزوں کو نیچے رکھا اور اسفل السافلین کا درجہ عطا کیا۔ جیسے دوزخ اور اسفل السافلین کا مرتبہ۔

اب جس چیز کا جو مقام خالقِ کائنات علیم و حکیم ذات نے متعین کیا ہے اس پر وہ مخلوق قائم رہے گی تو کائنات کا نظم فطرتِ سلیم اور تنظیم صحیح کے ساتھ چلتا رہے گا اور

اور جہاں ان کے مقامات میں تبدیلی ہو گی تو نظم میں خرابی پیدا ہو گی - بلکہ مقامات کی تبدیلی کو بھی حادثہ یا ایکسیڈنٹ کہا جائے گا - یہ حقیقت ہم روز مرہ کی زندگی میں بھی دیکھتے ہیں اور اپنے اندرونِ وجود میں بھی اس کا مشاہدہ کر سکتے ہیں کہ انسان کا وجود خود ایک عالم ہے اور اس میں ہر چیز کا نمونہ (نشان) موجود ہے۔

قرآن حکیم میں ارشاد ہے :-

وَفِي أَنْفُسِكُمْ أَفَلَا تُبْصِرُونَ اور خود تمہاری ذات میں بھی (نشانیاں ہیں) کیا تمہیں دکھائی نہیں دیتا۔ (سورہ ذاریات : ۵۲)

مثال کے طور پر انسان کے اندر دو طاقتیں ہیں ایک کا تعلق عالم علوی سے ہے اور وہ روح ہے اور ایک کا تعلق عالم اسفل سے ہے اس لئے

قل الروح من امر ربی آپ فرما دیجئے کہ روح میرے رب کے حکم سے بنی ہے۔ (سورہ بنی اسرائیل : ۸۵)

سے روح کی عزت و توقیر کا اندازہ ہو سکتا ہے - اور

وَمَا أُبَرِّئُ نَفْسِي إِنَّ النَّفْسَ لَأَمَّارَةٌ بِالسُّوءِ - (سورۃ یوسف : ۵۳) میں اپنے نفس کو بالذات پاک اور بری نہیں بتلاتا کیونکہ نفس تو ہر ایک کا بری ہی بات بتلاتا ہے۔

نفس سے عالم اسفل کا تعلق معلوم ہوتا ہے - اب انسان کو اپنی زندگی کے سفر کو نظم صحیح اور منشار ایزدی کے مطابق چلانے کے لئے ضروری ہے کہ روح کی حیثیت سوار کی اور نفس کی حیثیت سواری کی بنی رہے اور سواری اپنے سوار کے قبضہ میں رہے۔ یعنی رب چاہی کا غلبہ من چاہی پر رہے اگر نفس کی تادیب نہیں کی اور نفس اپنی سرکشی کی وجہ سے نوح

پر غالب ہو گیا اور مقام اسفل سے غلبہ کے مقام تک پہنچ گیا ایسی زندگی حادثہ کا شکار کہی جائے گی۔

بالکل اسی طرح جیسے کوئی کمپنی گاڑی بناتی ہے اور کچھ چیزیں اس میں اوپر رہنے کے لئے بنائی جاتی ہیں۔ اور کچھ چیزیں نیچے رہنے کے لئے بنائی جاتی ہیں۔ اگر ان کے مقامات کی ترتیب الٹ دی جائے تو پھر وہ بھی حادثہ کہا جاتا ہے۔ مثال کے طور پر گاڑی میں پہیئے نیچے لگائے جاتے ہیں مشین اوپر لگائی جاتی ہے اگر چلتی گاڑی الٹ جائے اور پہیئے اوپر ہو جائیں چھت اور سیٹ نیچے ہو جائیں تو اس سے صرف گاڑی کے سواروں کی ہی ہلاکت نہیں ہو گی بلکہ یہ حادثہ جائے وقوع پر موجود افراد اور اشیاء کے لئے بھی مہلک ہو گا۔

اس طرح کی سیکڑوں مثالیں دی جاسکتی ہیں۔ مکان کی چھت اوپر رکھنے کے لئے اور فرش نیچے رکھنے کے لئے بنایا جاتا ہے۔ اگر اس کا عکس واقع ہو جائے تو حادثہ کہلائے گا۔

کائنات کی ہر چیز میں یہ اصول عادت اللہ کے مطابق ہے آپ زندگی کے ہر موڑ پر اس کا مشاہدہ کر سکتے ہیں حتیٰ کہ انسان کے اعضا میں بھی یہ حقیقت نظروں سے پوشیدہ نہیں کہ جو اعضاء قابل تعظیم و تکریم ہیں ان کو اوپر رکھا گیا ہے اس کے برخلاف قابل تحقیر اعضاء کو نیچے کا مقام دیا گیا ہے۔ سر سب سے زیادہ قابل تعظیم ہے۔ اس کو اوپر، اور پاؤں جو سب سے قابل تحقیر ہے اس کو سب سے نیچے رکھا گیا۔ سر، دماغ اور عقل کی حیثیت بالکل بادشاہ کی ہے اور پاؤں کی حیثیت بالکل غلام کی ہے ان کے لباس تک میں یہ اصول جاری ہے کہ قابل عزت

عضوِ سر کے لباس (ٹوپی) کو نہایت قابلِ تعظیم بنایا اور پاؤں کے لباس جوتے کو کیچڑ اور گندگی جیسی اشیاء کا ہمسر بنایا۔ اب اگر سر اور ٹوپی کو نیچے اور پاؤں اور جوتے کو اوپر کر دیا جائے تو یہ حادثہ کہلائے گا۔ آگے یہ بات بھی کہی جا سکتی ہے کہ کائنات کی تمام مخلوق میں جو نظم و تربیت ہے اور خالق کائنات نے ان کے جو مقامات متعین فرمائے ہیں ان کی ترتیب جب الٹ دی جائے گی تو یہ قیامت ہو گی۔

اس طرح کسی مخلوق کے اندرونی اجزاء اور قوموں، نسلوں اور افراد کے متعینہ مقامات کے الٹ جانے کو بھی اس مخلوق، قوم یا نسل کی قیامت ہی کہا جائیگا اس سلسلہ کی ایک مثال اور ملاحظہ ہو۔

اَلرِّجَالُ قَوَّامُوْنَ عَلَى النِّسَاۗءِ مرد حاکم ہیں عورتوں پر

(سورۂ نساء: ۳۴)

کا اصول فطرت کے مطابق ہے اگر النساء قوامین علی الرجال۔ (عورتیں مردوں پر حاکم ہیں) کا منظر سامنے آ جائے تو کم از کم اسے آثارِ قیامت ضرور کہا جائے گا۔ یہاں اس بات کا اظہار بھی مناسب ہے کہ موجودہ مغرب زدہ تہذیب کی مردوں میں مساوات کی جو آواز ہے وہ صرف غیر فطری ہی نہیں بلکہ اس کا اجراء ناممکن ہے۔

افراد اور اس کے اصناف کی تخلیق بھی خالقِ کائنات نے اسی طرح کی ہے کہ وہ اپنے طبقات اور اصلی درجات میں رہ کر نظم کو قائم رکھ سکتے ہیں ورنہ یہ نظم چلانا ممکن نہیں۔ یہ بالکل عقل کی بات ہے کہ کیا باپ بیٹے برابر ہو سکتے

ہیں ؟ شوہر اور بیوی میں مساوات ممکن ہے ۔ ؟ مقتدی اور مقتدا کا مقام یکساں ہو سکتا ہے ۔ ؟ اور کیا حاکم ومحکوم میں کسی طرح کی برابری کا امکان موجود ہے؟ اس طرح کی حماقت آمیز آوازوں کا نتیجہ سوائے نظام تخلیق وکائنات کے مقابلہ کے اور کیا ہو سکتا ہے ۔ اسلام جو دین فطرت ہے اس نے باہمی فطری مساوات کا صرف درس ہی نہیں دیا بلکہ اس کا عملی نمونہ پیش کیا ہے اس طرح کہ درجات وطبقات کی تقسیم کے ساتھ کسی فرد اور مخلوق پر ظلم نہ ہو اور اس کا استحصال نہ کیا جائے بلکہ ہر ایک کے حقوق کا یکساں احترام کیا جائے ۔

اوپر کی متعدد تفصیلی مثالوں سے یہ بات بالکل واضح ہو جاتی ہے کہ اس پوری کائنات اور اس کے پورے نظام میں اللہ تعالیٰ نے ہر قابل عزت مخلوق اور چیز کو اعلیٰ وارفع مقام عطا فرمایا اور قابل تحقیر وتذلیل چیزوں کیلئے اسفل مقام تجویز فرمایا اس بات کو یوں کہا جا سکتا ہے کہ اعلیٰ وارفع اور اوپر کی چیزیں احترام وعظمت کی مستحق ہیں اور نیچے کی چیزیں تحقیر وتذلیل کی مستحق اور بے حیثیت ہیں ۔

یہ بات بھی واضح ہے کہ جب تک تمام مخلوقات اور چیزیں اپنے فطری مقام پر قائم رہیں گی نظم کائنات سلیقہ اور معمول کے مطابق فطری انداز میں چلتا رہے گا اور جب ان کے مقامات کی ترتیب پلٹ جائے گی تو اسے حادثہ کہا جائے گا ۔ اور اس سے صرف نظم میں ہی خلل واقع نہیں ہوگا بلکہ اس کی وجہ سے جائے وقوع پر موجود افراد اور چیزیں بھی اس کی لپیٹ میں آئیں گی ۔ بلکہ یہ ایک طرح کی قیامت صغریٰ ہوگی ۔

اسی کے ساتھ یہ بات بھی ذہن میں آتی ہے کہ جب اللہ تعالیٰ سرکش اور نافرمان

قوموں کو تباہ کرنے اور ہلاک کرنے کا ارادہ فرماتا ہے تو چیزوں کی ترتیب کو الٹ دیتا ہے۔ قوم لوط کے عذاب کے سلسلے میں قرآن حکیم میں اس جانب بھی اشارہ پایا جاتا ہے۔

وَجَعَلْنَا عَالِيَهَا سَافِلَهَا وَاَمْطَرْنَا عَلَيْهَا حِجَارَةً مِّنْ سِجِّيْل (سورۃ حجر: ۷۴)	پھر ہم نے ان بستیوں کا اوپر کا تختہ نیچے کر دیا، اور اُن لوگوں پر کنکر کے پتھر برسانا شروع کئے۔

رب کائنات اگر بصیرت عطا فرمائے اور انسان حقیقت پسندی کے ساتھ غور کرے تو وہ صاف محسوس کرے گا کہ یہ درجات وطبقات، اور مخلوقات اور اشیاء کی عزت و ذلت کی یہ ترتیب بڑی حکمت پر مبنی اور کائنات کے لیے بڑی خیر ہے خصوصاً امت مسلمہ کے لئے تو نعمت عظمیٰ ہے۔ اس بات کی وضاحت محسن انسانیت نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد سے بھی ہوتی ہے۔

الید العلیا خیر من الید السفلیٰ	اوپر والا ہاتھ نیچے والے ہاتھ سے بہتر ہے

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو جو معجزات عطا فرمائے گئے تھے ان میں ایک معجزہ یہ بھی ہے کہ آپ کو "جوامع الکلم" عطا فرمائے گئے۔ آپ کے ارشاداتِ عالیہ اس قدر معنی و مطالب کے جامع ہوتے ہیں کہ شارحین ان کی شرح سے تھک جائیں گے اور کلماتِ نبوی کی عظمت کے سامنے سر جھکا دینے کے علاوہ کچھ نہ کر سکیں گے۔

دفتر تمام گشت و بہ پایاں رسید عمر

ما ہمچناں در اوّلِ وصفِ تو ماندہ ایم

غور فرمائیے ہر اوپر کی چیز کو عزت و محبوبیت اور پست چیز کو محکومیت

و ذلت عطا فرمائی گئی ہے ارشاد ہے کہ اوپر کا ہاتھ نیچے کے ہاتھ سے بہتر ہے یعنی اللہ اور اس کے رسول کے نزدیک قابل توقیر و عزت دینے والا ہاتھ جو اوپر ہوتا ہے لینے والے ہاتھ کے مقابلے میں جو نیچے پھیلایا جاتا ہے، دینے والے ہاتھ کو عزت وشوکت دی جاتی ہے اور لینے والے کو تحقیر و تذلیل کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔

اور یہ بالکل فطری اور نفسیاتی حقیقت ہے کہ دینے والا کچھ دینے کے بعد ہمیشہ عزت و وقار محسوس کرتا ہے اور لینے والا فطری اور نفسیاتی طور پر احساس کمتری تذلیل و مرعوبیت کا شکار رہا کرتا ہے۔ اسی احساس کی بدولت بزرگوں کی خدمت میں ہدیہ پیش کرنے کے لئے ذکی الحس اور ادب آشنا لوگ اپنے دونوں ہاتھوں پر رکھ کر ادب سے پیش کرتے ہیں کہ شیخ و مرشد کا ہاتھ اوپر رہے اور ہدیہ قبول کرتے ہوئے بھی بڑے اور بزرگ کا ہاتھ اوپر ہی رہے اور یہ احساس بھی پیدا ہوتا ہے کہ بزرگ نے ہدیہ قبول فرما کر ہمیں عزت بخشی۔

مذکورہ ارشادِ نبوی۔ الید العلیا خیر من الید السفلیٰ (اوپر کا ہاتھ نیچے کے ہاتھ سے بہتر ہے) سے یہ حقیقت بالکل روزِ روشن کی طرح عیاں ہو جاتی ہے کہ دینے والا جس قدر معزز اور قیمتی شئی دینے والا ہوگا وہ اتنا ہی معزز و باتوقیر ہوگا۔ اور خود لینے والا جس قدر احسان شناس اور ذمہ دار ہوگا اس کے اندر ممنونیت اور محکومیت کا احساس اتنا ہی زیادہ جاگزیں ہوگا اس کے اندر مادی چیزیں بھی شامل ہیں اور دینی روحانی اور علمی سرمایہ اور اس کی کیفیات بھی ـــ اور ہر عطیہ کے بعد لامحالہ دینے والے کو احساس برتری اور عزت و سرخوشی حاصل ہوتی ہے جب کہ لینے والے میں ممنونیت و محکومیت کے اجزاء سرایت کر جاتے ہیں۔

ہر مسلمان کا ایمان ہے کہ ایمان اور اسلام کے مقابلہ میں زمین و آسمان اور یہ پوری کل کائنات کی بھی کوئی حیثیت و قیمت نہیں ہے۔ اس رب کریم کے قربان جائیے جس نے امتِ مسلمہ کیلئے دین حنیف کی تکمیل کو اتمام نعمت ارشاد فرمایا۔

اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا۔ (سورہ مائدہ : ۳)

آج کے دن میں نے تمہارے لئے تمہارے دین کو کامل کر دیا اور میں نے تم پر اپنا انعام تمام کر دیا اور میں نے اسلام کو تمہارا دین پسند کر لیا۔

حضرت مولانا شاہ عبد الغنی پھولپوری رحمۃ اللہ علیہ اس آیت کے ذیل میں فرمایا کرتے تھے کہ اللہ تعالیٰ اسلام کو اپنا دین بنا کر خوش ہو گیا یہ کس قدر عظیم نعمت ہے جس کو عطا فرما کر خود مالکِ کائنات کو خوشی حاصل ہوئی۔ پھر اس دین کی تکمیل کے ذریعہ اللہ تعالیٰ نے امتِ مسلمہ کی قیامت تک کے لئے سربلندی کا انتظام فرمایا ہے اور اسے عزت و سیادت، دولت و حکومت اس طرح عطا فرمائی کہ اس پوری امت کو امتِ دعوت بنایا اور اس کی بعثت کا مقصد دعوت الی اللہ کو متعین کیا۔ یعنی اس پوری امت کو دینے والی امت بنا کر اور الْيَدُ الْعُلْيَا کا مصداق بنا کر سرفراز فرمایا۔ عزت و سربلندی اور وقار کا یہ دائمی و سرمدی اعلان ہی اس آیت کا اصل موضوع ہے جس میں اس آیت کو خیر امت کہا گیا ہے۔

كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ (سورہ آل عمران : ۱۱۰)

تم لوگ اچھی جماعت ہو کہ وہ جماعت لوگوں کے لئے ظاہر کی گئی ہے، تم لوگ نیک کاموں کو بتلاتے ہو اور بری باتوں سے

رو کتے ہو اور اللہ تعالیٰ پر ایمان لاتے ہو"۔

قرآن کا صاف، واضح اور دو ٹوک اعلان ہے کہ، تمام امتوں کی سرداری تمہارے سر دی ہے۔ سب سے زیادہ قابلِ توقیر و عزت تم ہی ہو، عظمت و عزت تمہارے قدموں میں ہے۔ شوکت و سطوت تمہاری غلام ہے۔ اسلئے کہ تمہارا امتیاز، تمہارا افتخار، تمہاری بعثت کا مقصد "اخرجت للناس" ہے، تمہارا مقصود انسانیت کو دعوت دینا ہے اور تمہارا منتہائے آرزو ہر انسان کو ہر خیر کی دعوت دینا ہے، گویا بعثت کا مقصد دعوت ہے، اور خیر امت ہونے کی علت دعوت ہے "وتومنون باللہ" کو بعد میں ذکر کیا کیونکہ وہ تو ہر چیز کی قبولیت کی شرط اولین ہے، یہاں بھی وجہِ افتخار ایمان نہیں "دعوت" ہے، اس لئے کہ ایمان تو دنیا کی بہت سی قوموں نے اختیار کیا ہے۔ لیکن دعوت کی خصوصیت میں ان کا کوئی شریک نہیں۔

اس لئے یہ بالکل اصولی بات ہے کہ جب تک یہ امت دینے والی بنی رہے گی امتِ دعوت ہونے کا حق ادا کرتی رہے گی، وقار، عزت، شوکت، حکومت اور سربلندی کا فیصلہ بھی اس کے حق میں ہوتا رہے گا۔ اور جب یہ امت اپنی داعیانہ شان کی جگہ مدعو کی صفت اپنالے گی، دوسری قومیں اس پر ٹوٹ پڑیں گی اور تمام قومیں اس کو مدعو بنانے کے لئے سرگرم ہو جائیں گی اور پھر یہی امتِ مسلمہ ذلت، حقارت، محکومیت اور مغلوبیت کا شکار ہو کر دنیا کی عام مخلوقات کی طرح بے وقعت و حیثیت ہو جائے گی اور اسے یہ سوال کرنے کا حق نہیں ہوگا کہ۔

یارب مجھے زمانہ مٹاتا ہے کس لئے
لوحِ جہاں پہ حرفِ مکرر نہیں ہوں میں

امت کے درپیش مسائل کا اگر نہایت گہرائی سے جائزہ لیا جائے تو صاف محسوس ہوگا کہ ان تمام چیزوں کا سبب یہ ہے کہ جو امت دینے کے لئے وجود میں آئی تھی اور "الید العلیا" کے باعزت مقام سے نوازی گئی تھی وہ لینے والی اور مدعو اُمت بن گئی۔ حیا، شرافت، عقل و شعور، اور علم و اخلاق کی دولت سے ناآشنا ہوکر دنیا کے فرسودہ مذاہب، گمراہ، مغضوب قوموں کی گداگری کرنے لگی اور پھر وہ خود ذلت، پستی اور محکومیت کے عمیق غاروں میں دفن ہوتی چلی گئی۔ اس طرح نہ صرف یہ کہ یہ قوم خود پستی کا شکار ہوئی بلکہ پوری انسانیت کے لئے ایک حادثہ ثابت ہوئی کہ اوپر بیٹھنے والی امت اگر نیچے بیٹھنے لگے اور داعی امت اگر مدعو بن جائے تو یہ ایک عظیم حادثہ ہے

امتِ مسلمہ کی یہ حالت، اللہ کا عذاب اور ایک طرح کی پکڑ ہے جو اسکی نافرمانی اور سرکشی پر مرتب ہوئی ہے اگر یہ انسانیت کے لئے قیامتِ صغریٰ نہیں تو آثار قیامت میں ضرور ہے۔ اور یہ عظیم حادثہ محض نسلِ انسانی کا حادثہ نہیں ہے بلکہ اس کی لپیٹ میں اس جائے وقوع پر پائی جانے والی دیگر مخلوقات بھی ہیں۔ امتِ دعوت نے جب اپنا فریضۂ دعوت ترک کیا۔ تو دنیا میں کفر و شرک کو فروغ ہو رہا ہے اور ایمانی بہار میں کمی آتی جارہی ہے۔ اور یہ کمی جب بتدریج اپنی انتہا کو پہونچ جائے گی اور دنیا میں کوئی ایمان والا نہیں بچے گا تو مخبر صادق نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خبر کے مطابق قیامت آجائے گی۔

دوسرے یہ کہ پوری دنیا میں اللہ کی طرف سے راحت و آفت کے فیصلے اہل ایمان کے اعمال کے مطابق ہوتے ہیں۔ کفار و مشرکین کے اعمال کی سزا تو مرنے

کے بعد دی جائے گی لیکن امت مسلمہ کو دعوت سے غفلت کی بنیاد پر اس دنیا ہی میں جو سزا ملے گی اس کا تصور بھی دشوار ہے۔

اس لئے اگر امت مسلمہ اپنے اسلاف کی طرح عزت ووقار کا مقام، اور فتح وغلبہ کی متلاشی ہے تو اس کو چاہیئے کہ وہ امت دعوت اور " الید العلیا" بنے۔ اس کے علاوہ اس کے مرض کا کوئی اور علاج ممکن نہیں ہے، حضرت امام مالکؒ نے کہا تھا۔

لن یصلح اخر ھذہ الامۃ — اس امت کے آخر کی اصلاح بھی اسی طرح
اِلاَّ بما صلح بہ اوّلھا — ہوگی جس طرح پہلوں کی اصلاح ہوئی تھی

یہ بات انسان کے اختیار میں ہے کہ وہ خواہ لینے والا بن جائے یا دینے والا۔ مادی چیزوں اور مالی اعتبار سے ہم دیکھتے ہیں کہ دینے والا بننا چاہے تو اگر وہ فقیر بھی ہو تو اللہ تعالیٰ اس کو دینے والا بنا دیتے ہیں۔ اور جو شخص لینے والا بننا چاہتا ہے وہ کتنا ہی مالدار ہو اسے محتاج اور " الید السفلیٰ " کا مستحق بنا دیا جاتا ہے کتنے سود خور مہاجن ایسے ہیں کہ مال و زر کے خزانے ہوتے ہوئے غریبوں کا خون چوستے رہتے ہیں اور کتنے تنگ دست ہیں جو اپنی مفلوک الحالی کے باوجود انتہائی جود وسخا اور ایثار کا معاملہ کرتے ہیں۔ بلکہ بعض لوگ بھیک بھی دینے کے لئے مانگتے ہیں، صاحب عوارف المعارف نے ایک بزرگ شیخ ابوالحسن نوری کا واقعہ نقل کیا ہے کہ ایک مرتبہ وہ مسجد کے باہر کھڑے ہو کر سوال کرنے لگے۔ حضرت جنید بغدادی کا ایک مرید وہاں موجود تھا۔ اس لئے شیخ ابوالحسن نوری جیسے شیخ وقت کو اس طرح غیر اللہ سے سوال کرتے ہوئے دیکھ کر اس کو تعجب ہوا، اور ناگواری

بھی۔ اس نے اس سلسلہ میں اپنے شیخ حضرت جنید بغدادیؒ سے شکایت کی کر شیخ ابوالحسنؒ علماء و مشائخ کے وقار کو نقصان پہونچا رہے ہیں۔ حضرت جنیدؒ نے فرمایا ابوالحسنؒ اولیاء اللہ میں سے ہیں وہ کسی کو دینے کے لئے مانگ رہے ہوں گے لینے کے لئے نہیں۔ پھر انھیں خیال ہوا کہ کہیں ابوالحسن کو تین روز کا فاقہ ہو گیا ہو اور اپنے کو ہلاکت سے بچانے کے لئے اس کا جواز پیدا ہو گیا ہو۔ مُرید سے کہا کر ترازو لاؤ۔ انھوں نے ایک سو درہم تول کر ڈلیا میں ڈال کر صدقہ کی نیت سے شیخ ابوالحسن کی خدمت میں بھیجے۔ پھر فرمایا ڈلیا یہاں رکھدو اور دونوں ہاتھوں سے ایک دفعہ بھر کر مزید اور درہم ڈلیا میں ڈالے اور اپنے مرید کے ہمراہ شیخ کی خدمت میں بھیجدیئے۔ شیخ ابوالحسن نے دیکھتے ہی فرمایا جنید بغدادی بہت ہوشیار ہیں وہ اپنے دونوں ہاتھوں میں لڈو رکھنا چاہتے ہیں انھوں نے ترازو منگوائی اور سو درہم تول کر باقی جو درہم بچے اپنے پاس رکھ لئے اور سو درہم شیخ جنید بغدادی کی خدمت میں واپس بھیجدیئے۔ اور فرمایا جو ہمارے تھے ہم نے لے لیے جو جنید نے اپنے مطلب کے لئے دیئے تھے وہ واپس ہیں۔ ہم غیر اللہ کے دروازے کے فقیر نہیں ہیں۔ یہ مرید حیران و پریشان واپس آیا اس کی سمجھ میں نہیں آیا کہ حضرت جنید نے سو درہم تولنے کے بعد مزید درہم کیوں ڈالے۔ پھر شیخ ابوالحسن نوری کا دو ہاتھ درہم رکھ لینا اور بقیہ کو واپس کر دینا کیسا؟ مرید نے حضرت جنید کی خدمت میں شیخ ابوالحسن کا پیغام اور سو درہم پیش کئے۔ اور ماجرا جاننا چاہا۔

حضرت جنید نے فرمایا: میں نے پہلے ہی کہا تھا کہ شیخ ابوالحسن نوری ولیِ وقت ہیں وہ لینے کے لئے نہیں دینے کے لئے مانگ رہے ہیں۔ لیکن تمھارے کہنے

پر میں نے سوچا کہ کہیں واقعی ضرورت مند تو نہیں ہو گئے ہیں ۔ اس لئے میں نے صدقہ کی نیت سے سو درہم ڈالے کہ صدقہ کرنا میرے کام آئے گا پھر مجھے خیال ہوا ابوالحسن ولی وقت ہیں ان کی خدمت میں کچھ ہدیہ بھیجنا چاہیئے تو دوہاتھ اللہ کی کی رضا کے لئے میں نے ہدیہ ڈالا ۔ ابوالحسن نے ہدیہ قبول کر لیا اور صدقہ واپس بھیجدیا اور فرمایا کہ ہم غیر کے در کے فقیر نہیں ہیں اب تم جا کر ان سے سوال کرنے کی وجہ دریافت کرو"

مرید شیخ کی خدمت میں حاضر ہوا اور مسجد کے سامنے سوال کرنے کا سبب پوچھا تو شیخ نے جواب دیا کہ اس دن میرے قلب پر ایک بات وارد ہوئی تھی کہ آج جو بھی اللہ کا بندہ میرے ساتھ احسان کا معاملہ کرے گا اللہ اس کو اپنی خاص رحمت اور رضا سے نوازے گا۔ اس لئے میں نے سوچا کہ جتنے زیادہ لوگ میرے ساتھ خیر خواہی کریں اچھا ہے کہ وہ سب نوازے جائیں ۔ مجھے سوال کرنے کی ظاہری ذلت اٹھانی پڑے گی مگر میری نیت لینے کی نہیں تھی ۔ اسی لئے میں نے مسجد کے دروازے پر دست سوال دراز کیا ۔

اس طرح نہ جانے کتنے لوگ ہیں کہ مانگتے بھی اس لئے ہیں تاکہ دوسروں کو عطا کریں اور دوسری طرف ایسے مالدار ہیں جو دیتے بھی اس لئے ہیں کہ ان کا مقصد سوال ہوتا ہے موجودہ سیاسی شخصیات کا حال سب کے سامنے ہے وہ بظاہر دینے والے بن کے آتے ہیں لیکن اندر سے کرسی اور ووٹ کے مجسم سوال ہوتے ہیں ۔

اس لئے محسن انسانیت خیر البشر صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

خَیْرُ الْغِنٰی غِنَی النَّفْسِ ۔ سب سے بہتر بے نیازی نفس کی بے نیازی ہے ۔

اور نفس کی غنا قناعت سے آتی ہے ، دینی و دنیوی لحاظ سے اگر ہم غور کریں تو یہ حقیقت سمجھ میں آجائے گی کہ مالکِ کائنات نے تو ہمیں دین اسلام کی دولت سے نواز کر ساری محتاجگیوں اور ہر در کی غلامی سے مستغنی اور بے نیاز کردیا ہے تو پھر دوسروں کے در پر ہاتھ پھیلانے اور دوسرے مذاہب اور تہذیبوں کی طرف آنکھ اٹھانے کا سوال ہی کیا ۔

وہ ایک سجدہ جسے تو گراں سمجھتا ہے
ہزار سجدوں سے دیتا ہے آدمی کو نجات

تاریخ عالم کا ایک ایک ورق شاہد ہے کہ دعوت کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے رعب ، غلبہ ، دبدبہ اور احساس برتری کو وابستہ فرمایا ہے داعی چاہے ظاہری لحاظ سے کمزور و غریب اور نادار ہو اُسے ہمیشہ رعب و غلبہ اور دبدبہ ہی دیا جاتا ہے اور اگر وہ حق کی دعوت ، اللہ تعالیٰ کی مرضی کے مطابق دیتا ہے اور مدعو اس کو قبول کرنے کے بجائے انکار و کفر اور مخالفت پر اتر آتا ہے تو اللہ تعالیٰ مدعو قوم کو دعوت کے اتمامِ حجت کے بعد اُسے صفحۂ ہستی سے مٹا دیتا ہے اور داعیوں کو مدعو قوم کی حکومت و سلطنت کا وارث بنا دیتا ہے ۔

قرآن حکیم میں جتنے انبیاء اور ان کی اقوام کے واقعات کا تذکرہ ہے ان سب میں نبی آخر الزماں ؐ اور ان کے متبعین کی تسلی کے لئے اس

عادتِ مبارکہ کا تذکرہ بھی کیا گیا ہے انبیاء کرام کے اپنی قوم کے ساتھ مکالمات کا جو رکارڈ قرآن کریم نے پیش کیا ہے اس پر غور کرنے سے یہ بات صاف آشکارا ہوتی ہے کہ داعی کو غلبہ، رعب اور حکومت اور عزت کا حقدار، اور مدعو کو ذلت و مرعوبیت اور محکومیت کا سزاوار قرار دیا گیا ہے۔

یہ ایک نفسیاتی حقیقت بھی ہے، اگر انبیاء کرام کے واقعات کا مطالعہ سنجیدگی کے ساتھ کیا جاتے تو ہر سلیم الفطرت انسان خود بخود دعوت کی عظمت کا اعتراف کرلے گا۔ قرآنِ کریم نے بار بار حضرت موسیٰ علیہ السلام کا قصّہ ذکر کیا ہے۔ اس قصّہ میں داعی کی عظمت و سربلندی اور ان کا رعب و دبدبہ پوری طرح نمایاں ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام، بنی اسرائیل کی انتہائی پستی ہوتی اور دنیوی لحاظ سے پسماندہ اور مظلوم قوم کے فرد تھے اور فرعون کے گھر میں بظاہر اس کے رحم و کرم پر پلے تھے اور ایک قبطی کو گھونسہ مارنے اور اس کا قتل کر دینے کے باعث فرعون کی حکومت کے معتوب بھی تھے ــــ زبان میں لکنت تھی اس لئے حضرت ہارون علیہ السلام کو نبوت عطا فرمائے جانے کی درخواست کی اور کارِ نبوت سپرد کئے جانے کے وقت اِن الفاظ میں دعا مانگی۔

قَالَ رَبِّ اشْرَحْ لِي صَدْرِي	حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا اے میرے رب
وَيَسِّرْ لِي أَمْرِي وَاحْلُلْ عُقْدَةً	میرا سینہ فراخ کر دیجئے اور میرا یہ کام تبلیغ کا آسان
مِنْ لِسَانِي يَفْقَهُوا قَوْلِي	فرما دیجئے اور میری زبان پر سے لکنت کی بستگی ہٹا

وَاجْعَل لِّي وَزِيرًا مِّنْ أَهْلِي هَارُونَ أَخِي اشْدُدْ بِهِ أَزْرِي وَأَشْرِكْهُ فِي أَمْرِي كَيْ نُسَبِّحَكَ كَثِيرًا وَّنَذْكُرَكَ كَثِيرًا (سورہ طٰہٰ ۲۵-۳۴)

دیجئے تاکہ لوگ میری بات سمجھ سکیں۔ اور میرے واسطے میرے کنبہ میں سے ایک معاون مقرر کر دیجئے یعنی ہارون کو جو میرے بھائی ہیں ان کے ذریعہ میری قوت مستحکم کر دیجئے اور انکو میرے اس کارِ تبلیغ میں شریک کر دیجئے تاکہ ہم دونوں کثرت سے آپکی پاکی بیان کریں اور آپ کا خوب کثرت سے ذکر کریں۔

ایک دوسری جگہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی اس درخواست کو ان الفاظ میں نقل کیا گیا ہے۔

قَالَ رَبِّ إِنِّي قَتَلْتُ مِنْهُمْ نَفْسًا فَأَخَافُ أَن يَقْتُلُونِ وَأَخِي هَارُونُ هُوَ أَفْصَحُ مِنِّي لِسَانًا فَأَرْسِلْهُ مَعِيَ رِدْءًا يُصَدِّقُنِي إِنِّي أَخَافُ أَن يُكَذِّبُونِ (سورۃ القصص ۳۳-۳۴)

انھوں نے عرض کیا اے میرے رب میں نے ان میں سے ایک آدمی کا خون کر دیا تھا اس لئے مجھے اندیشہ ہے کہ وہ مجھے قتل کر دیں گے۔ اور میرے بھائی ہارون کی زبان مجھ سے زیادہ رواں ہے تو ان کو بھی میرا مددگار بنا کر میرے ساتھ رسالت دیدیجئے کہ وہ میری تائید اور تصدیق کریں گے کیونکہ مجھکو اندیشہ ہے کہ وہ لوگ میری تکذیب کریں گے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا عذر بیان کرنے پر ارشاد ہوا:

قَالَ سَنَشُدُّ عَضُدَكَ بِأَخِيكَ

ارشاد ہوا ہم ابھی تمہارے بھائی کو تمہارا قوتِ بازو بنائے دیتے ہیں اور

وَنَجْعَلُ لَكُمَا سُلْطَانًا ہم تم دونوں کو خاص شوکت عطا کرتے ہیں جس
فَلَا يَصِلُونَ إِلَيْكُمَا سے ان لوگوں کو تم پر دسترس نہ ہوگی (تم جاؤ)
أَنْتُمَا وَمَنِ اتَّبَعَكُمَا تم دونوں اور جو تمہارے پیروکار ہوں گے
الْغَالِبُونَ (سورۃ القصص ۳۵) غالب رہو گے۔

ارشاد ہوا کہ تمہاری ظاہری تسلّی اور اطمینانِ قلب کیلئے تمہارے بھائی کو تمہارا مددگار بناتے ہیں اور تم دونوں کے داعیانہ مقام کی وجہ سے شوکت اور رعب عطا کرتے ہیں اور اس بات کا ذمّہ لیتے ہیں کہ وہ تم کو چھو بھی نہیں سکتے اور یہ خوش خبری دیتے ہیں کہ تم دونوں اور تمہارے متبعین کو ہی غالب کریں گے۔

یہاں یہ بات بھی معلوم ہوتی ہے کہ داعی جب اپنے فریضۂ دعوت کے لئے اٹھ کھڑا ہوتا ہے اور اس مبارک کام کے لئے وسائل کی ضرورت محسوس کر کے رب کے حضور کوئی سوال پیش کرتا ہے تو ربِّ کریم کی طرف سے اس کی فرمائش پوری کردی جاتی ہے۔

ایک اور مقام پر دونوں حضرات کے فرعون کے دربار میں جانے اور اس کے ساتھ گفتگو کا تذکرہ ہے ایک طرف حضرت موسی علیہ السلام جیسا ظاہری طور پر بے یار و مددگار فرد، فرعون کے رحم و کرم پر پلا ہوا اور قبطی کے جرم میں ماخوذ اور مفرور آدمی، دوسری طرف فرعون جیسا صاحبِ حکومت، با جبروت سلطان اور انا ربکم الاعلیٰ کا مدعی۔ مگر حضرت موسی علیہ السلام داعی ہیں اور فرعون مدعو ہے۔

اس پس منظر میں قرآنِ حکیم کی آیات پڑھئے ۔

ارشاد ہے ۔

وَلَقَدْ اٰتَیْنَا مُوْسٰی تِسْعَ اٰیٰتٍۭ بَیِّنٰتٍ فَسْـَٔلْ بَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ اِذْ جَآءَهُمْ فَقَالَ لَهٗ فِرْعَوْنُ اِنِّیْ لَاَظُنُّكَ یٰمُوْسٰی مَسْحُوْرًا ،

اور ہم نے موسی علیہ السلام کو نوَ کھلے ہوئے معجزے دیئے جب وہ ان کے پاس آئے تھے۔ تو آپ بنی اسرائیل سے پوچھ کر دیکھئے تو فرعون نے ان سے کہا میرا خیال ہے اے موسی ضرور تم پر کسی نے جادو کردیا ہے ۔

(سورہ بنی اسرائیل : ۱۰۱)

دیکھئے داعی کا رعب اور مدعو کی مرعوبیت ،کیسی خوشامد سے فرعون کہہ رہا ہے ، وہ کس قدر مرعوب ہے ۔کہتا ہے اے موسیؑ ہمارا گمان یہ ہے کہ تم پر کسی نے جادو کر دیا ہے ۔گو یا تم ایسے نہ تھے یہ کوئی اوپری اثر ہے ۔حضرت موسیؑ کا رعب اور دبدبہ دیکھئے ، بادشاہ تخت پر بیٹھا ہے ، یہ دربار میں پہونچتے ہیں تو بے خوف ہوکر جواب دیتے ہیں ۔

قَالَ لَقَدْ عَلِمْتَ مَآ اَنْزَلَ هٰٓؤُلَآءِ اِلَّا رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ بَصَآئِرَ وَاِنِّیْ لَاَظُنُّكَ

موسیؑ نے فرمایا : تو دل میں خوب جانتا ہے کہ یہ عجائبات خاص آسمان وزمین کے پروردگار ہی نے بھیجے ہیں جو بصیرت کا کافی ذریعہ ہے اور میرے خیال میں ضرور

يٰفِرْعَوْنُ مَثْبُوْرًا ۔ تیری شامت آگئی ہے۔

(سورہ بنی اسرائیل : ۱۰۲)

غور کیجئے کیسا بارعب جواب ہے، گویا فرمارہے ہیں گاجروں میں گٹھلیاں نہ ملا۔ تو یقیناً خوب جانتا ہے کہ میں جو کچھ پہونچا رہا ہوں وہ آسمانوں کے رب کی طرف سے تیری آنکھیں کھونے کے لئے ہے۔ اور پھر فرمایا میرا گمان ہے کہ اے فرعون تیری تو موت آگئی ہے، تیری شامت قریب ہے اور اس پر بنی اسرائیل کی پوری تاریخ گواہ ہے حق کی دعوت کے اتمام حجت کے بعد منکرین کو صفحۂ ہستی سے مٹادیا گیا اور حضرت موسیٰ اور ہارون اور ان کی قوم بنی اسرائیل کو ان کا وارث بنایا۔

فَاَخْرَجْنَاهُمْ مِّنْ جَنّٰتٍ وَّعُيُوْنٍ وَّكُنُوْزٍ وَّمَقَامٍ كَرِيْمٍ كَذٰلِكَ وَاَوْرَثْنٰهَا بَنِيْۤ اِسْرَاۤءِيْلَ ۔ غرض ہم نے ان کو باغوں، چشموں، خزانوں اور عمدہ مکانات سے نکال باہر کیا۔ اور ان کے بعد بنی اسرائیل کو ان کا وارث بنایا۔

(سورۃ الشعراء : ۵۷ ـ ۵۹)

یہ رعب اور دبدبہ فرعون جیسے قاہر اور صاحب سطوت جابر بادشاہ کے دربار میں حضرت موسی علیہ السلام کو ان کے داعیانہ مقام کی وجہ سے عطا کیا گیا تھا اور یہ صرف حضرت موسی السلام کے ساتھ خاص نہ تھا بلکہ ہر نبی کو یہ وقار، غلبہ اور رعب عطا کیا گیا ہے یہ الگ بات ہے کہ ابتدا میں مقام دعوت کی پختگی کے لئے آزمائشیں ضرور آئیں لیکن نتیجہ ہمیشہ داعی کے ساتھ رہا ۔ نیز یہ ضابطہ واصول صرف انبیاء کرام کے ساتھ

مخصوص نہیں ہے بلکہ ہر داعی حق جو نبوی طرز پر کاربند رہ کر نبی کی اتباع کا عزم کر کے دعوت کا فریضہ انجام دیتا ہے اس کے ساتھ بھی ہے۔

كُلًّا نُّمِدُّ هٰٓؤُلَآءِ وَهٰٓؤُلَآءِ مِنْ عَطَآءِ رَبِّكَ ۚ وَمَا كَانَ عَطَآءُ رَبِّكَ مَحْظُوْرًا ۔

آپ کے رب کی عطا میں سے تو ہم ان کی بھی امداد کرتے ہیں اور ان کی بھی۔ اور آپ کے رب کی یہ عطا کسی پر بند نہیں ہے

(سورۂ بنی اسرائیل: ۲۰)

یہ امت مسلمہ اگر پھر اپنے کھوئے ہوئے وقار کو حاصل کرنا چاہتی ہے اور دنیا میں غلبہ و وقار اور سطوت قائم کرنا چاہتی ہے تو اسکا واحد حل صرف یہ ہے کہ امتِ دعوت بن کر اپنے خیرِ امت ہونے کا ثبوت پیش کرے اور بھٹکی ہوئی انسانیت کو کفر و شرک کے اندھیروں سے نکالنے اور ایمان کے نور اور اجالے کی طرف لانے کو اپنا مقصدِ زندگی بنائے۔

یہ بھی ایک کھلی ہوئی حقیقت ہے کہ جب قوم داعی نہیں بنتی اس کو مدعو بننا پڑتا ہے۔ خود راقم سطور کے سامنے ایک جھنجھوڑ دینے والا واقعہ پیش آیا۔ گجرات کے ایک بڑے مُبلّغ نے ایک سفر کے دوران بتایا کہ بمبئی سے ایک تحریک کا آغاز ہوا اس کی دعوت کی بنیاد توحید ہے یہ پانڈیو تحریک کہلاتی ہے اسکے داعی جگہ جگہ اپنے آشرم بناتے ہیں اور بے حد لگن کے ساتھ دن رات دعوت دینے میں لگے رہتے ہیں یہ کارکن پانڈے کہلاتے ہیں۔

اس مُبلّغ نے بتایا ایک دن ان کا ایک مُبلّغ میرے یہاں آیا اور

مجھ سے کچھ وقت مانگا اور کہا کہ میں آپ سے کچھ باتیں کرنا چاہتا ہوں میں اس کے ساتھ بیٹھ گیا۔ اس نے کہنا شروع کیا۔ کہ "اس کائنات کی سب سے بڑی سچائی یہ ہے کہ اس دنیا کا خالق مالک اور پالنہار صرف ایک ہے اس کی قوت اپار (لامحدود) ہے وہ سب کی سنتا ہے سب کو مارتا جلاتا ہے، ساری کائنات چلانے والا اور پیدا کرنے والا وہ ایک ہے اگر ساری دنیا کے لوگ اس شکتی کو پوجنے لگیں تو یہ جھگڑے اور فساد سب ختم ہو جائیں لڑائی اس وجہ سے ہے کہ ہر ایک نے اپنے جھوٹے بھگوان بنا رکھے ہیں۔ وہ ایسا ہے جو آسمان و زمین کا خالق ہے ایک معمولی بیج سے بڑا پودا اور طرح طرح کے پھل پھول نکالتا ہے۔"

مجھے سخت حیرت ہوئی کہ ایک غیر مسلم مجھے توحید کی دعوت دے رہا ہے اور میری حیرت کی کوئی انتہا نہ رہی جب اس نے کہا "اس کی شان اور بڑائی کی کتنی نشانیاں ہیں وہ گوبر اور خون کے بیچ سے کیسا پیارا صاف و شفاف دودھ نکالتا ہے۔

میں نے اس سے پوچھا آپ نے قرآن شریف پڑھا ہے؟ اس نے جواب دیا کہ لوگ تو ہمیں اچھوت سمجھتے ہیں اس لئے ایسی چیزیں چھونے نہیں دیتے، میں تو تڑپتا ہوں کہ کوئی ہمیں قرآن پڑھنے کو دے۔ مگر کوئی نہیں دیتا۔

غور کیجئے کہ قرآنِ حکیم کے علاوہ کسی بھی آسمانی مشہور کتاب میں توحید کے اثبات اور اللہ کی عظمتِ تخلیق ثابت کرنے کے لئے یہ مثال بیان

نہیں کی گئی۔ یہ محض قرآنِ کریم کا اعجاز ہے جو ایک غیر مسلم کی زبان پر بھی جاری ہو گیا۔

وَاِنَّ لَكُمْ فِي الْاَنْعَامِ لَعِبْرَةً نُسْقِيْكُمْ مِمَّا فِي بُطُوْنِهٖ مِنْ بَيْنِ فَرْثٍ وَّدَمٍ لَّبَنًا خَالِصًا سَائِغًا لِّلشّٰرِبِيْنَ (سورہ نحل: ۶۶)

اور نیز تمہارے لئے مویشی میں عبرت ہے۔ ان کے پیٹ میں جو گوبر اور خون ہے اس کے درمیان میں سے صاف اور گلے میں آسانی سے اترنے والا دودھ ہم تم کو پینے کو دیتے ہیں

اس سے زیادہ عبرت کی کیا بات ہو سکتی ہے کہ جب ہم نے انسانیت کو کفر و شرک سے نکالنے اور انسانیت کو دعوتِ توحید دینے کا فریضہ ترک کر دیا۔ اور ہم نے اپنے محبوب نبی کے مقصدِ بعثت :

هُوَ الَّذِيْ بَعَثَ فِي الْاُمِّيّٖنَ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ۔ (سورۃ جمعہ: ۲)

وہی ہے جس نے عرب کے ناخواندہ لوگوں میں انھیں کی قوم میں سے ایک رسول بھیجا جو ان کو اللہ کی آیتیں پڑھ کر سناتے ہیں اور ان کو پاک کرتے ہیں اور ان کو کتاب اور دانشمندی کی باتیں سکھلاتے ہیں۔

کی اتباع سے پہلوتہی کی اور قرآنِ کریم کے کاغذ پر لکھے ہوئے صحیفوں سے نہ خود فائدہ اٹھایا نہ دوسروں کو اس سے مستفید ہونے دیا تو اللہ نے کاغذ کے ان صحیفوں کے بغیر ہی قرآنِ کریم کے علوم غیروں کے قلوب پر اِلقا کر دیئے اور ان کے ذریعہ خود امتِ مسلمہ کو دعوت دلوا رہے ہیں اس لئے کہ اللہ تعالیٰ توحید کو تمام دینوں پر غالب کر کے رہیگا

هُوَ الَّذِیٓ اَرۡسَلَ وہ اللہ ایسا ہے کہ اس نے اپنے رسول کو
رَسُوۡلَهٗ بِالۡهُدٰی وَ ہدایت دی اور سچا دین (یعنی اسلام) دے کر
دِیۡنِ الۡحَقِّ لِیُظۡهِرَهٗ دنیا میں بھیجا تاکہ اس کو تمام دینوں پر
عَلَی الدِّیۡنِ كُلِّهٖ ۔ غالب کرے۔

اس لئے راستہ صرف ایک ہے کہ اسلاف کی شان و شوکت اور پوری دنیا پر رعب اور دبدبہ حاصل کرنے کیلئے امتِ مسلمہ کو پوری انسانیت کے سامنے اپنا داعیانہ کردار ادا کرنا ہوگا اور اپنے داعیانہ مقام کا حق ادا کرنا پڑے گا۔ ورنہ پھر باطل افکار و ادیان کا مدعو بنکر ذلت و مرعوبیت کا شکار بنے رہنا پڑے گا۔

جہاں تک دعوت الی اللہ کے مسائل اور مشکلات کا سوال ہے تمام جزوی اور کلی مسائل کے حل کو قرآن و سیرت میں باآسانی تلاش کیا جاسکتا ہے۔ بلکہ حق بات تو یہ ہے کہ اگر کسی خوش قسمت کو ذوق سنت اور مزاج نبوت سے آشنائی نصیب ہوجائے تو پھر اس مبارک کار نبوت میں مشکلات اور مسائل کا اسکو شکوہ ہی نہ رہے گا اس لئے کہ ذوق سنت اور مزاج نبوت سے جس قدر موانست اور ہم آہنگی ہوتی جائے گی، مخلوق خدا پر رحمت، ساری انسانیت کو دوزخ اور کفر و شرک کی ظلمات سے بچانے کی تڑپ اس رحمت للعالمین ذات کی طرح، اس کا درد، اور اسکے سانسوں کی آواز بن جائیگی جس کے دل کا حال قرآن حکیم نے جگہ جگہ بیان فرمایا ہے، لعلک باخع نفسک ان لا یکونوا مومنین
شاید آپ اپنے نفس کو ہلاک کرلیں گے اس لئے کہ وہ مومن نہیں ہوتے۔

اگر ہم مومن ہیں اور الحمدللہ یقیناً ہیں تو ہمیں معلوم ہونا چاہئے کہ کلمہ شہادت پڑھ کر ہم نے اخلاص کے ساتھ عبدیت اور رسالت دونوں میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کا عہد کیا ہے۔

تو پھر ہمارا ضمیر ہم سے سوال کر رہا ہے۔

آیئے محاسبہ کریں

☆ کیا ہمارے عقائد توحید خالص کی اساس پر قائم ہیں ؟

☆ کہیں ہماری عبادات نبیؐ کی اتباع کے بجائے رواجی تو نہیں؟

☆ کیا معاملات میں ہمارا کردار نبی کی طرح صاف و شفاف ہے ؟

☆ کیا اخلاق و معاشرت میں ہم اتباع رسول کا مظاہرہ کرتے ہیں؟

☆ کیا ہماری شباہت ہمارے لباس' ہمارے طور طریقے اور ہمارے ذوق و پسند سے نبی کی محبت اور اتباع کا اظہار ہوتا ہے ؟

☆ کیا ہمارا وجود بھی ہمارے اہل خانہ' اعزا ء' پڑوسیوں' اہل بستی اور ہم وطنوں بلکہ عالم کے لئے رحمت ہے ؟

☆ کیا ہمارے دل میں بھی نبی کی طرح شہادت کا شوق ہے؟ یا موت سے کراہیت ہے؟

☆ کیا ہمیں اپنے نبی کی طرح ایک رات بھی دوزخ کی راہ پر جا رہی انسانیت کے لئے رونا نصیب ہوا ؟

☆ کیا ہمارے اندر نبی کی طرح راہ دعوت میں طائف میں پتھر کھا کر دعائیں دینے کا حوصلہ ہے ؟

☆ کیا ہم راہ دعوت میں شعب ابی طالب کی طرح سالوں نہ سہی چند روز ہی قید رہنے کا تصور کر سکتے ہیں ؟

☆ کیا نبی کی طرح راہ دعوت میں اپنے وطن عزیز کو خیر باد کہہ کر ہجرت کے لئے ہم تیار ہیں ؟

☆ کیا ہم نبی کی طرح ایک ایک انسان کے پاس ستر ستر بار دھتکارے جانے کے باوجود دعوت کے لئے جانے کا حوصلہ کر سکتے ہیں؟

☆ کیا ہماری زندگی میں دعوت اور جہاد کو وہ مقام حاصل ہے جو نبی اکرم ﷺ اور ان کے جاں نثار صحابہ کی زندگی میں تھا؟

اگر ان سوالوں کا جواب نفی میں ہے تو پھر کس منہ سے ہم نبی کی اتباع کا دعوی کرتے ہیں ، آیئے توبہ کریں ، اور عزم کریں کہ :

یوم آخرت کی وعید **یوم یعض الظالم علی یدیه یقول یا لیتنی اتخذت مع الرسول سبیلاً** " جس دن کاٹ کاٹ کھائے گا ظالم اپنے ہاتھوں کو ، کہے گا اے کاش میں نے رسول کے ساتھ راستہ اختیار کیا ہوتا"

سے بچنے کیلئے **قل هذه سبیلی ادعو إلی الله علی بصیرة انا ومن اتبعنی** "آپ کہہ دیجئے، یہ میرا راستہ ہے ، میں بلاتا ہوں اللہ کی طرف ، کھلے دلائل کے ساتھ، میں اور وہ جو میری اتباع کرے"

کا اتباع کریں گے اور راہ دعوت میں تن من دھن کی بازی لگادیں گے ۔

Regd. No.R.N. I. 66710/93 Phone : (01316)73212

ARMUGHAN-E- WALIULLAH

URDU MONTHLY (DAWAT-E-ISLAM NUMBER)

PHULAT, DISTT. MUZAFFAR NAGAR - 251201 (U.P.)

نبی اکرم ﷺ کا ارشاد ہے :

انی ترکت فیکم امرین لن تضلوا ما تمسکتم بھما کتاب الله وسنتی

"یقیناً میں تمہارے درمیان دو چیزیں چھوڑ رہا ہوں جب تک
تم ان کو مضبوط پکڑے رہو گے ہر گز گمراہ نہ ہوگے ،
اللہ کی کتاب اور میری سنت"۔

Printed & Published by Mohd. Idris Qureshi Phulat at
Citizen Press Hariraj Market, Sarwat Gate. Muzaffarnagar
Editor, Wasi Suleman Nadwi